خواتین کا دینی، علمی اور اصلاحی رسالہ

ماہنامہ حیا کراچی

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

آئینہ

آئینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمانِ الٰہی

نیک عمل کی قبولیت کی شرائط

وماتقدموا لانفسکم اور جو چیز بھی تم اپنی جانوں کیلئے آگے بھیجو گے۔ من خیر کوئی نیکی تجدوہ عند اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو پالو گے۔ ہر نیکی کا اجر اللہ تعالیٰ دے گا۔

نیکی کی قبولیت کی شرائط...... مگر نیکی کی قبولیت کے لئے تین بنیادی شرطیں ہیں:

(۱)...... ایمان صحیح ہو، کیوں کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں ہے۔

(۲)...... ریا اور دکھلاوا نہ ہو، اگر ریا اور دکھلاوا آ گیا چاہے وہ نماز ہی کیوں نہ ہو تو گناہ ہوگا، ثواب نہیں ہوگا۔

(۳)...... اتباع سنت، وہ کام سنت کے مطابق بھی ہو، اگر سنت کے مطابق نہیں تو اس پر بھی گناہ ہے۔ دیکھو! اگر کوئی شخص سورج نکلنے کے وقت، زوال کے وقت یا عین غروب کے وقت نماز پڑھے اور کہے کہ میں عبادت کر رہا ہوں، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ملے گی، گناہ ہوگا، ثواب نہیں ملے گا، کیوں کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔

اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شک والے دن جس نے روزہ رکھا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالف کی۔“ (بخاری)

مثلاً رمضان کا چاند نظر نہیں آیا، شک ہے اور کوئی آدمی رمضان کی نیت سے روزہ رکھتا ہے تو اس کو گناہ ہوگا، اس لئے شک والے روزہ کا گناہ ہے، اس پر ثواب نہیں مل سکتا، غرض جو عمل سنت کے مطابق نہ ہو چاہے وہ نماز، روزہ ہی کیوں نہ ہو، وہاں پکڑ ہوگی، ثواب نہیں گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح دین پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ نبوی

ماہ محرم کے فضائل و مسائل

ماہ محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، یہ ماہ کئی فضیلتوں کا حامل ہے۔

محرم کی فضیلت:...... حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ماہ محرم بھی ہے۔ (بخاری ۳۱۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد سب سے بہترین روزے اللہ کے مہینہ ”محرم“ کے ہیں۔ (مسلم ۱۱۶۳)

یوم عاشورہ: کی فضیلت:...... مجموعی لحاظ سے پورا ماہ محرم مقدس ہے، تاہم ۱۰ محرم جس کو یوم عاشورہ بھی کہا جاتا ہے، کی انفرادی طور پر خاص فضیلت بھی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ سال کے (صغیرہ) گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔“ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ ”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے مہینہ اور دس محرم کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔“ البتہ چوں کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے تھے تو ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے حکم دیا کہ یوم عاشورہ سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ بھی رکھو۔ (مسند احمد ۲۱۵۴) صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان شاء اللہ ہم اگلے سال نویں محرم کا روزہ بھی رکھیں گے، لیکن محرم کے آنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔

مسئلہ:...... یوم عاشورہ کو روزہ رکھنا مستحب ہے اور اس کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے۔ (شامی) صرف دسویں کو روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ہندیہ)

عاشورہ کے دن اہل و عیال پر وسعت سے خرچ کرنا:...... بعض روایات میں جو فن حدیث کی رو سے مستند نہیں البتہ امام بیہقی رحمۃ اللہ اور ابن حبانہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان پر اعتماد کیا ہے، میں ہے کہ ”جو آدمی اپنے گھر والوں پر عاشورہ کے دن (کھانے پینے میں) وسعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال وسعت فرمائیں گے۔“

ترتیب: مولانا محمود عباسی

آوازِ حیا

زندگی کا سفر کس تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے، حیرت ہوتی ہے...... ابھی کل ہی کی تو بات لگتی ہے کہ ۱۴۳۳ھ کی ابتداء ہوئی تھی اور آج، جس وقت رسالہ آپ کے ہاتھ آئے گا، ۱۴۳۳ھ ختم ہو کر ۱۴۳۴ھ شروع ہو چکا ہوگا...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ نے آئندہ آنے والے حالات کی خبر اپنی امت کو پہلے ہی دے دیں، انہی میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ قیامت کے قریب ایسا زمانہ آئے گا کہ سال مہینوں کے برابر، مہینے دن کے برابر اور دن گھنٹے کے برابر ہو جائے گا (یعنی وقت کی برکت ختم ہو جائے گی)...... آج یہ حقیقت ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں......

عنقریب کیلنڈر ایک صفحہ اور پلٹ دے گا اور نیا سال شروع ہو جائے گا...... اسلامی کیلنڈر کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت سے ہوئی...... آپ کے سامنے بحیثیت خلیفہ ایک فائل پیش کی گئی جس میں تاریخ تو درج تھی لیکن سال کا ذکر نہیں تھا، آپ

آوازِ حیا

کے دل میں یہ خیال بیدار ہوا کہ مسلمانوں کا اپنا کیلنڈر ہونا چاہئے...... صحابہ کرام کے مشورے سے اسلامی کیلنڈر مرتب کیا گیا اور غالباً حضرت علیؓ کی رائے کے مطابق واقعہ ہجرت سے نئے سال کا آغاز کیا گیا......

کیلنڈر، کسی بھی قوم کی شناخت ہوتی ہے، اس سے ملت وقوم کی تاریخ وابستہ ہوتی ہے...... ہجری اسلامی کیلنڈر پر غور کیجئے، اس میں اکثر مہینوں کے نام وہ ہیں جو اسلامی عبادات اور مسلمانوں کی مذہبی روایات کی نشاندہی کرتے ہیں...... ان کا نام سنتے ہی ذہن ان مہینوں سے متعلق عبادات اور واقعات کی طرف منتقل ہوتا ہے...... اس کے برعکس جو عیسوی کیلنڈر ہے اس میں مہینوں اور دنوں کے نام ان کے دیوی اور دیوتاؤں کے نام پر رکھے گئے ہیں اور وہ ان کے مذہبی عقائد کی عکاسی کرتے ہیں......

اسلامی کیلنڈر ہم مسلمانوں کی پہچان ہے...... اس لئے ہماری ذمہ داری ہے اس کیلنڈر کو رواج دیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو اس کے پس منظر اور دینی وملی حیثیت سے آگاہ کریں......

مہر افروز مہر

سالِ نو کا پیغام

ابن الحسن عباسی

۱۴۳۳ کا ہجری سال ختم ہو کر ۱۴۳۴ھ کا نیا سال شروع ہونے کو ہے، انسان کی فطرت بھی بڑی عجیب ہے، نیا سال شروع ہوتا ہے تو وہ خوشی اور مسرت کا جشن منانے نکلتا ہے، اس کی نظر، سامنے کی اس حقیقت کی طرف بہت کم جاتی ہے کہ نئے سال کی آمد نے اس کی مستعار زندگی کا ایک سال کم کر دیا جس پر خوش ہو کر جشنوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے خواب غفلت سے بیدار ہوا جائے، گزری زندگی کی تلافیوں کا عزم پیدا اور سنبھل سنبھل کر بقیہ عمر گزارنے کا خوابیدہ احساس تازہ کیا جائے...... ایک سال کے ختم ہونے اور سال نو کے شروع ہونے کا یہ سنگم درحقیقت زندگی کے مسافر کی وہ منزل ہے، جہاں کچھ دیر سستا کر پچھلے سفر کی دشواریوں

اور راہ کی رکاوٹوں پر نظر ڈال کر اگلی منزل کے لئے عزم سفر کو سامان قوت فراہم کیا جاسکتا ہے...... لیکن چونکہ زندگی کے حقائق اکثر تلخ ہوتے ہیں، اس لئے تلخیوں کی دھوپ میں جھلنے کی بجائے انسانی طبیعت ہمیشہ وقتی مسرتوں کی چھاؤں کی تلاش میں رہتی ہے، سوچا جائے تو یہ بھی قدرت کی طرف سے ایک نعمت بے بہا ہے کہ فنا کی طرف ہر لمحہ رواں زندگی کا مسافر عارضی خوشیوں کی آغوش میں بے فکری کے ساتھ پناہ لے لیتا ہے، انسان کو اگر اپنی موت کے وقت کا ٹھیک ٹھیک علم ہوجائے تو اس کی ساری سرگرمیوں پر اوس پڑ جائے اور اس کی تازگیوں کے تمام غنچے مرجھا جائیں۔

نئے ماہ، نئے سال اور نئی صدی کی آمد میں اس حوالے سے اہمیت کی ایک جہت پائی جاتی ہے کہ اس مرحلے پر فرد اور قوم کو اپنی نظم زندگی پر غور کرنے اور ماضی کے تجربات کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل ترتیب دینے کا موقع مل جاتا ہے، مسلمانوں کے عروج و زوال اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا موضوع بھی اس طرح کے مواقع پر مفکرین کے ہاں زیر بحث آتا ہے کہ وہ کون سے اسباب وعلل ہیں جن سے عالم اسلام اور مسلمانوں کو اقوام عالم میں اپنا گم گشتہ اور کھویا ہوا مقام حاصل ہوسکتا ہے۔

(۱)......ایک مکتب فکر کا خیال ہے کہ مسلمان اپنا اقتصادی اور معاشی ڈھانچہ مضبوط بنائیں کہ معاشی استحکام ہی میں آگے بڑھنے، سیادت کی کرسی حاصل کرنے اور قیادت کے منصب تک پہنچنے کا گر مضمر ہے، غربت کی جھونپڑیوں کی بجائے ترقی ہمیشہ دولت کی حویلیوں کا رخ کرتی ہے......غربت اور معاشی کمزوری عالم اسلام اور مسلمانوں کے زوال کا وہ واحد سبب ہے جس کی وجہ سے اقوام عالم کی قیادت کی زمام ان کے ہاتھ سے چھن گئی، وسائل کی فراوانی اور دولت کی ریل پیل ہوگی تو ترقی کی تمام منزلیں خود ہاتھ جوڑ کر حاضر ہوں گی اور مسلمان دنیا کی قوموں میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکیں گے۔

(۲)......ایک دوسرے مکتب فکر کا خیال ہے کہ سائنس، نئی ایجادات اور جدید ٹیکنالوجی ہی اس وقت ترقی وعروج کا وہ واحد زینہ ہے جسے پائے اور عبور کئے بغیر جدید دنیا میں کوئی کام اور مقام حاصل نہیں کیا جاسکتا، آج کی ایجادات نے کائنات کے فاصلے سمیٹ دیئے، سمندروں کو کھنگالا، فضا کی بے کراں وسعتوں کے راز بے نقاب کئے، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ہوا میں پوشیدہ زندگی کے لئے کار آمد لہروں کی افادیت کو اجاگر کیا اور تباہی اور بربادی پھیلانے والے ایسے جنگی ہتھیار سامنے لائے جو انسانی تصور کی سرحدوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے، عالم اسلام کائنات کے ان سربستہ رازوں کے عقدے حل کرنے والے علم وفن میں جب تک مہارت حاصل نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کی نشاۃ ثانیہ ہوسکتی ہے اور نہ ہی وہ اپنی کھوئی ہوئی تہذیبی قیادت حاصل کرسکتا ہے۔

(۳)......ایک تیسرے مکتب فکر کا خیال ہے کہ عالم اسلام کے زوال کا سبب خود مسلمانوں کے ایمان و اخلاق اور اعمال کی کمزوری ہے...... اسلام کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے، ایک ہی رب کے سامنے جھولی پھیلانے، اسی کے حضور سر جھکانے، ہاتھ اٹھاتے اور گردوں سے نصرت کے فرشتے اتارنے والے با کردار مومن آج چراغ لے کر ڈھونڈنے ہی سے مل سکتے ہیں، نام کے مسلمانوں کی بہتات ہے لیکن کام کے مومن ناپید ہیں......اس مکتب فکر کا نظریہ ہے کہ صرف مال و دولت اور مادی اسباب کی فراوانی کی بنیاد پر مسلمانوں کے عروج کی عمارت کبھی قائم نہیں ہوئی...... حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں روم کا ایک قلعہ فتح نہیں ہورہا تھا، مدینہ منورہ مزید کمک لینے ایک قاصد آیا، حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے کہلا بھیجا کہ مجاہدین کی تعداد بظاہر کافی ہے، قلعہ فتح ہونے کا مادی نہیں، کوئی روحانی سبب ہے، اپنے اعمال کا محاسبہ کیا جائے......غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ باقی اعمال

سب ٹھیک ہیں، البتہ مسواک کی سنت سب مجاہدین سے چھوٹ گئی ہے، اس متروکہ سنت پر لشکر میں ادھر عمل شروع ہوا اور ادھر قلعہ فتح ہوگیا...... جس قوم کے ساتھ اللہ کی نصرت آنے کا معاملہ یہ ہو کہ اگر وہ مجموعی طور پر ایک سنت بھی ترک کردے تو ادھر سے نصرت کے دروازے بسا اوقات بند ہوجاتے ہیں، آج وہ قوم سنت کیا، گناہوں میں غرقاب ہوکر اللہ کے فرض احکام چھوڑ بیٹھی ہے، ظاہر ہے ایسے مسلمانوں کی نصرت کے لئے افلاک کے دروازے کیونکر وا ہوسکتے ہیں؟

اس لئے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ حقیقی مسلمان بننے کی کوشش کریں، نافرمانیوں کی وبا سے نکلیں، فرائض کی پابندی شروع کریں، شریعت کے حرام کردہ امور سے بچیں، اپنی ویران زندگیاں حضور اکرمؐ کی روشن سنتوں سے آباد کریں اور اسلام کی متروکہ تعلیمات کو از سر نو روبہ عمل لائیں...... جب ہر سو ایمان کی بہار آئے گی، جب عمل صالح کی خوشبو ہر سمت پھیلے گی، تب کوثر و تسنیم سے دھلا ہوا ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا، جس کے کاشانوں پر رحمتوں کا نزول ہوگا اور یوں قوم مسلم ترقی وعروج کا رتبہ از خود پالے گی۔

اس مکتب خیال کے بعض مفکرین کی رائے ہے کہ تہذیبوں کے اس تصادم کے موقع پر مغربی اقوام سے مادی ٹکراؤ کی بجائے فتح وغلبہ کے لئے دوسری راہیں اختیار کی جانی چاہئیں، اس وقت کارگاہ حیات میں اسلامی تہذیب اور مغربی آمنے سامنے ہے اور اصل مقابلہ ان دو ہی تہذیبوں کے درمیان ہے، اسلامی تہذیب زندگی کی بھرپور توانائی رکھنے کے ساتھ ساتھ کئی صدیوں تک دنیا پر قیادت وحکمرانی کی شاندار تاریخ بھی رکھتی ہے اور مغربی تہذیب ظاہری کشش اور چمک دمک کے ساتھ اس وقت اپنے جلو میں مادی قوت لئے ہوئی ہے، مغرب نے گزشتہ تین چار صدیوں سے غیر معمولی محنت کرکے مادی ترقی کی موجودہ منزل تک رسائی حاصل کی ہے، عالم اسلام کو وہاں تک پہنچنے کے لئے بڑی محنت اور لمبا عرصہ درکار ہے، اس لئے مادی تصادم کی بجائے کیوں نہ ان کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف پیش کیا جائے اور حکمت کے ساتھ انہیں روئے زمین پر اللہ کے اس واحد دین برحق کو قبول کرنے کی دعوت دی جائے، صحیح معیاری زبان اور مخاطب کے دل ودماغ کو اپیل کرنے والے جاذب اسلوب میں اسلام کا جاندار تعارف اور اس کی موثر حکیمانہ دعوت سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ قومیں اسلام قبول کرلیں گی اور یوں بغیر کسی جنگی تصادم کے کعبے کو صنم خانے سے پاسبان مل جائیں گے......اس طرح کا ایک کامیاب تجربہ ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاریوں کے غلبہ کے بعد ہوچکا ہے، وہ تاتاری جنہوں نے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی، حکیمانہ دعوت کے نتیجے میں مسلمان ہوکر اسلام کے محافظ بن گئے......تہذیبی تصادم میں فتح حاصل کرنے کا گویا یہ شارٹ کٹ راستہ ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذکر کردہ تین باتوں میں کسی ایک کو سبب کلی یا علت العلل کے طور متعین نہیں کیا جاسکتا، مسلم دنیا کے عروج و زوال میں مذکورہ تینوں اسباب اپنے اپنے حصے کی حد تک دخیل ہیں......صرف اقتصادی استحکام کو عروج کا واحد سبب اس لئے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس وقت کئی اسلامی ممالک معاشی ترقی میں بہت سارے مغربی ملکوں سے بھی آگے ہیں، لیکن اس کے باوجود مغربی تہذیب کی جڑیں وہاں عالم اسلام کے دوسرے غریب یا ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بہت گہری ہیں اور وہاں کے مسلمانوں خاص کر طبقہ اشرافیہ میں عیش کوشی کی وہ سب بیماریاں آگئی ہیں جو مغربی زندگی کا خاصہ ہیں۔

اسی طرح مؤخر الذکر مکتب فکر کی سوچ اپنی جگہ درست، لیکن یہ حقیقت بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہئے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے مادی تیاری کرنا،

ایمان کا ایک تقاضا اور شریعت کا ایک حکم ہے، جس کی تعمیل اور فکر کے بغیر کوئی مسلمان باکردار کامل مسلمان نہیں بن سکتا...... مومن بلاشبہ اللہ پر بھروسہ کرکے بے تیغ بھی لڑسکتا ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول نے اسے بے تیغ لڑنے کے لئے نہیں کہا، شریعت نے اپنی استطاعت کے بقدر تیغ وتفنگ اور شمشیر وسنان سے لیس ہوکر میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے کے لئے صف آراء ہونے کا حکم دیا ہے...... قرآن کریم نے ''اعداد'' (دشمن کے مقابلے کے لئے تیاری) کا حکم دیا، احادیث کا ذخیرہ اور حضور اکرم کا ایک ایک غزوہ ہمارے سامنے ہے...... بلاشبہ دعوت کا حکیمانہ اسلوب متلاشیان حق اور غیر جانب دار کفار کے لئے مفید ہوسکتا ہے، لیکن کچھ معاندین ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دعوت کی پکار نہیں، صرف شمشیر وسنان کی للکار سمجھتے ہیں۔

اس لئے مسلمانوں کے پالیسی ساز ذہن اور اداروں کو ذکر کردہ تینوں جہتیں پیش نظر رکھ کر مضبوط منصوبہ بندی کے ساتھ مؤثر کام کرنا چاہئے...... اور الحمدللہ حالت ایسی بھی مایوس کن نہیں کہ کہا جائے:

چل چل کے پھٹ چکے ہیں قدم اس کے باوجود
اب تک وہیں کھڑا ہوں جہاں سے چلا تھا میں

گزشتہ صدی کی دوسری دہائی میں مغربی نوآبادیاتی نظام کا زوال شروع ہوچکا تھا، دوسری جنگ عظیم کے بعد اس میں تیزی آئی۔ ۱۷۵۷ء سے ۱۹۱۹ء کے درمیانی عرصے میں ۹۲ مسلمان علاقوں پر غیر مسلموں کی حکمرانی قائم تھی۔ ۱۹۹۵ء تک ان میں سے ۶۹ خطے دوبارہ مسلمان حکومتوں کے زیر اقتدار آگئے...... اسی طرح مغربی معاشرے ۱۴۹۰ء میں زمین کے ۵۲۰۵ ملین مربع میل رقبے میں سے ۵ء۱ ملین مربع میل علاقے پر قابض تھے، جن میں بلقان کے علاوہ جزیرہ نمائے یورپ کے اکثر حصے شامل تھے۔ ۱۹۲۰ء میں مغرب اپنی علاقائی وسعت کے عروج پر پہنچ گیا، اس وقت اس کے زیر قبضہ علاقے کا رقبہ ۵ء۲۵ ملین مربع میل تھا، یعنی وہ تقریباً زمین کے آدھے رقبے پر قابض تھا۔ ۱۹۹۳ء میں مغرب کے زیر قبضہ علاقے کا رقبہ کم ہوکر ۷ء۱۲ ملین مربع میل رہ گیا، مغرب پسپا ہوتے ہوتے اپنے یورپی مرکز، شمالی امریکہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ تک محدود ہوکر رہ گیا، اس کے مقابلے میں آزاد مسلمان ملکوں کا رقبہ ۱۹۲۰ء میں ۸ء۱ ملین مربع میل تھا جو ۱۹۹۳ء میں بڑھ کر ۱۱ ملین مربع میل ہوگیا...... ایسی ہی تبدیلیاں آبادیوں کے حوالے سے بھی ظاہر ہوئیں...... ۱۹۰۰ء میں مغرب کے لوگ دنیا کی آبادی کا ۳۰ فیصد تھے اور مغربی حکومتیں اس ۳۰ فیصد آبادی میں سے ۴۵ فیصد پر حکومت کرتی تھیں...... لیکن اس کے مقابلے میں مسلم آبادی کی رفتار تیز رہی، مسلمان ملکوں خاص طور پر بلقان، شمالی افریقہ اور وسطی ایشیا کے ہمسایہ ملکوں میں آبادی کا اضافہ بہت زیادہ ہے، ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک کے درمیانے عرصے میں دنیا کی مجموعی آبادی ۳ء۳ ارب سے بڑھ کر ۳ء۵ ارب ہوگئی جو کہ ۸۵ء۱ فی صد سالانہ بنتی ہے جبکہ مسلمان ملکوں میں اضافہ آبادی کی شرح ہمیشہ ۲ فیصد رہی، اکثر ۵ء۲ فیصد تک گئی اور بعض اوقات ۳ فیصد سے بھی زیادہ ہوگئی، پاکستان اور بنگلہ دیش کی آبادی میں اضافے کی شرح ۵ء۲ فیصد سالانہ ہے...... ۱۹۸۰ء میں مسلمان مجموعی طور پر دنیا کی آبادی کا ۱۸ فیصد تھے، ۲۰۰۰ء میں ان کی تعداد تقریباً بیس فیصد ہوگئی اور ۲۰۲۵ء میں ۳۰ فیصد تک پہنچ جانے کا تخمینہ ہے...... مغربی نوآبادیاتی نظام کا زوال اور مسلم دنیا کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ مستقبل میں اسلامی تہذیب کی برتری کا ایک اہم عامل بن سکتا ہے، حالات کا یہ رخ بتلا رہا ہے کہ یہ صدی اسلام اور اسلامی انقلاب کی صدی ثابت ہوگی اور ان شاءاللہ۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

☆......☆......☆



''حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا تھا، ان کی یہ شہادت اور اس قدر مظلومانہ شہادت یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ تھی اور خاندانِ نبوت کے اس عظیم فرزند کی اس قربانی سے آج بھی اسلام کی شاہراہِ شہادت فروزاں اور تابندہ ہے۔''



اسلام کی تاریخ جاں فروشی اور جاں سپاری کی ان گنت داستانوں کی حامل ہے، جن کو شمار کرنے والا یہ دعویٰ کسی صورت نہیں کرسکتا کہ اس نے اسلامی تاریخ کے اس باب کی تکمیل کرلی ہے، جاں فروشی اور اسلام کے قدموں میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت زندگی کو قربان کرنے کا جذبہ انسان میں ایمان کے قبول

کرنے کے ساتھ ہی پیدا ہوجاتا ہے اور پھر انسان کی کیفیت اس قدر تبدیل ہوجاتی ہے کہ انسان کا مقصد حیات اور انداز زیست بھی تبدیل ہوجاتا ہے۔

شہادتوں کا یہ سفر کرۂ ارضی پر انسانیت کے آغاز ہی سے جاری ہے، جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے اس کرۂ ارض پر پھیلنے کے ساتھ ہی ہوجاتا ہے، چنانچہ پہلا واقعہ اس حوالے سے جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ ہابیل اور قابیل کا ہے، جب قابیل نے اپنی غلط خواہش کو پورا نہ ہوتے دیکھ کر ہابیل کو قتل کر ڈالا تھا۔

اس حوالے سے اصحاب الاخدود کا واقعہ بھی اہمیت کا حامل ہے، یمن میں بادشاہ کے ہاں ایک ساحر (جادوگر) رہتا تھا، جس کی خواہش پر اسے ایک ہونہار لڑکا دیا گیا، تاکہ وہ اسے اپنا علم سکھائے، مگر وہ بچہ ایک عیسائی راہب (اس وقت عیسائی مذہب ہی رائج تھا اور وہ راہب راہ راست پر تھا) سے راہ و رسم رکھنے کی وجہ سے سچائی سے آشنا ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا، پھر ایک روز ایک خطرناک جانور کو اس نے صرف ایک پتھر سے مار ڈالا، مگر اس نے پتھر یہ کہہ کر پھینکا کہ اگر راہب کا دین سچا ہے تو اے اللہ تو اس جانور کو ہلاک کردے، اس واقعے سے اس لڑکے کی شہرت ہوئی اور اس کی دعا سے لاعلاج مریض بھی صحت یاب ہونے لگے، اسی دوران بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کی بھی بینائی اس لڑکے کی دعا سے واپس آگئی، بادشاہ اس پر برہم ہوا اور اس نے راہب اور وزیر دونوں کو قتل کرادیا، مگر وہ لڑکے کو نہ مار سکا، اس کو مارنے والے خود مرتے چلے گئے۔

بالآخر اس لڑکے نے اپنے آپ کو مارنے کی ترکیب بادشاہ کو یہ بتائی کہ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرکے مجھے ان کے سامنے سولی پر لٹکا دو اور "اس لڑکے کے رب کے نام سے" کہہ کر تیر مارو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہوگیا، یہ دیکھتے ہی سب لوگوں کو اس لڑکے کے سچے ہونے کا یقین ہوگیا اور وہ سب اللہ پر ایمان لے آئے۔

یہ ماجرا دیکھ کر بادشاہ نے بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور انہیں آگ سے بھر دیا، پھر حکم دیا کہ جو اسلام سے نہ پھرے، اسے اس میں ڈالتے جاؤ، اس طرح ہزاروں مسلمان اس میں گر کر شہید ہوتے گئے، بالآخر اللہ کے غضب کو جوش آیا اور اسی خندق کے بڑھتے ہوئے شعلوں نے تمام ظالموں اور جابروں کو بھی جلا کر خاک کردیا، قرآن کریم میں یہ واقعہ سورۃ بروج میں اصحاب الاخدود کے نام سے بیان ہوا ہے۔

اس طرح شہادتوں کا سفر اسلام میں ایک طویل عرصے سے جاری ہے، بلکہ اسلام کا یوم اول ہی ایک طرح سے اسلام میں سلسلۂ شہادت کا نقطۂ اول ہے۔

ہمیں معلوم تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے صاحبزادے اور ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کے بھائی، حارث بن ابی ہالہ اسلام کے پہلے شہید ہیں، جنہوں نے اللہ کے راستے میں شہادت کا سب سے پہلے شرف حاصل کیا اور در حقیقت اسلام میں شہادتوں کے جس قافلے کا آغاز حارث بن ابی ہالہ سے ہوا تھا، اسلام کی پہلی خاتون شہیدہ حضرت سمیہ، حضرت سیدنا حمزہ، حضرت سیدنا عمر فاروق، حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہوتا ہوا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پہنچا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس سلسلۂ شہادت کا نقطۂ عروج ہے۔

آج کی نشست کو اسی شاہراہ شہادت کے چند شاہ سواروں کے ذکر خیر، ذکر بابرکت سے سجایا گیا ہے، جس کا آغاز اسلام کے سب سے پہلے شہید کے ذکر خیر سے کیا جارہا ہے۔

اسلام کے سب سے پہلے شہید:...... جیسا کہ بیان کیا گیا کہ اسلام میں یہ رتبۂ بلند پانے والے پہلے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ ہے اور آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے تھے۔ ابن الکلبی اور ابن حزم کے مطابق حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اللہ کے راستے میں شہادت کا شرف حاصل کرنے والے پہلے شخص ہیں، جو حرم کعبہ میں رکن یمانی کے پاس شہید ہوئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ بعثت کے کچھ عرصہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیا تو ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"اے لوگو! لاالٰہ الا اللہ کہہ دو، کامیاب ہوجاؤ گے۔"

یہ سن کر مشرکین مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگئے، یہ دیکھ کر حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے کے لئے آگے بڑھے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور بالآخر وہ شہید ہوگئے، جب حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔

پہلی خاتون شہیدہ:...... اسلام کا پیغام جوں جوں آگے بڑھتا رہا، اسی رفتار سے کفار کے مظالم میں شدت آتی گئی اور اسلام سے متاثر ہوکر اس کی دعوت قبول کرنے والے صحابۂ کرام پر عرصۂ زیست تنگ ہوتا چلا گیا اور شہادتوں کے جس سلسلۂ روشن کا حضرت حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آغاز کیا تھا، وہ سلسلہ برابر جاری رہا اور ہر ابھرنے والے سورج کے ساتھ ساتھ اس کاروان عشق و محبت کے شرکا میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حضرت حارث ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہمیں اس تذکرے میں جس شخصیت کا ذکر ملتا ہے، وہ ایک خاتون ہیں، جن کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ اسلام کی پہلی خاتون شہید ہیں اور خواتین اسلام کے لئے ان کی ذات باعث فخر و موجب انبساط ہے، جنہوں نے اس میدان جاں فروشی و جاں سپاری میں تمام خواتین اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے رب کائنات کی دی ہوئی نعمت عظمٰی اس زندگی کو اسی کے دین پر قربان کرتے ہوئے صحیح معنی میں جان دینے کا حق ادا کردیا، ہماری مراد حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، جو ایک جلیل القدر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ تھیں۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ضعیف خاتون تھیں اور آپ کو ایک شرف یہ بھی حاصل ہے کہ آپ السابقون الاولون میں بھی شامل ہیں، یعنی حضرت سمیہ کا نام ان ابتدائی مسلمانوں میں شامل ہے، جو اسلام کی ابتدائی دعوت کے نتیجے میں اسلام لائے تھے اور روایات کے مطابق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابتدائی سات مسلمانوں میں شامل ہیں اور ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت سمیہ اسلام کی پہلی خاتون شہیدہ ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی شہادت کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ابو جہل نے ایک چھوٹا نیزہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی ران میں مارا، جو ان کی شرم گاہ کے آر پار ہوگیا، جس کی وجہ سے آپ شہید ہوگئیں۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ:...... اسلام کے اس سلسلۂ شہادت کا ایک اہم حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت اور بہادری ضرب المثل ہے۔

غزوۂ احد میں مشرکین مکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلیرانہ حملوں سے سخت پریشان تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس پر تلوار اٹھاتے، اس کا لاشہ ہی پھر زمین پر تڑپتا ہوا نظر آتا تھا، اس صورت حال سے کفار سخت پریشان تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف کسی موقع کی تلاش میں تھے، دوسری جانب غزوۂ بدر میں جبیر ابن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی قتل ہوا تھا اور اس کا

یہ قتل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے ہوا تھا، جبیر ابن مطعم کو اس کا بہت صدمہ تھا اور اس کے دل میں اپنے چچا کا بدلہ لینے کی خواہش کروٹیں لے رہی تھی، وحشی بن حرب، جبیر ابن مطعم کا غلام تھا، جب غزوۂ احد کا معرکہ ہوا تو جبیر ابن مطعم نے وحشی بن حرب سے کہا کہ اگر تم میرے چچا کے بدلے میں حضرت حمزہ کو قتل کردو، تو تم آزاد ہو۔

چنانچہ جب احد کے مقام پر معرکۂ حق و باطل برپا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مشرکین مکہ باہم مدمقابل ٹھہرے، جنگ کا آغاز ہوا، قدیم انداز کے مطابق جب صفیں مرتب ہوگئیں تو قریش کی صفوں سے سباع عبد عبدالعزیٰ مبارزت طلب کرتا ہوا نکلا اور پکارا'' ہے کوئی میرا مقابل'' اس کا جواب دینے کے لئے مسلمانوں کی صفوں سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے اور اسے مقابلے کے لئے للکارا اور جب وہ سامنے آیا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار سے اس پر اس قدر شدید وار کیا کہ وہ اسی وقت واصل جہنم ہوگیا۔

اس دوران وحشی، وہیں میدان کارزار میں ایک چٹان کی آڑ میں بیٹھا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ موقع ملے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کرے، جب یہ لڑتے لڑتے وحشی کے قریب ہوئے تو اس نے اپنے چھوٹے نیزے سے جسے عرب حزبہ کہتے ہیں، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کردیا، وہ نیزہ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پھینک مارا، جو ان کی ناف پر لگا اور آر پار ہوگیا اور یہی زخم ان کی شہادت کا سبب بنا۔ (حضرت وحشی بعد میں مسلمان ہوگئے تھے) اس غزوہ میں مسلمان بڑی تعداد میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے، جن کی تعداد روایات میں ۷۰ بیان کی جاتی ہے۔

مسلمانوں کی شہادت کے بعد مشرکین مکہ کے ساتھ آنے والی خواتین نے مسلم شہداء کا مثلہ کیا، جو اس زمانے کی لڑائیوں کا اہم حصہ تھا، اس میں مقتولوں کا مخالف گروہ، ان کے ہاتھ، پیر اور ناک وغیرہ کاٹ کر اظہار مسرت اور خوشی کرتا تھا، چنانچہ اس قدیم رسم کے مطابق یہاں بھی مسلمانوں کا مشرکین مکہ کی خواتین نے مثلہ کیا اور ان کے ناک اور کان کاٹ کر ان کے ہار بنائے، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا۔

جب جنگ کا ہنگامہ سرد پڑ گیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے، آپ نے انہیں اس حال میں دیکھا کہ ان کا مثلہ کیا ہوا ہے اور ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں، شکم مبارک اور سینہ چاک ہے، یہ جگر خراش اور دل آزار منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ (اے حمزہ) تم پر اللہ کی رحمت ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے، تم بہت مخیر اور صلۂ رحمی کرنے والے تھے، اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''سیدالشہداء'' کا لقب عطا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت حمزہ، اللہ کے نزدیک روز قیامت تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے۔''

اسلام میں سلسلۂ شہادت، بہت وسیع ہے اور عجیب عجیب شانوں اور امتیازی اوصاف کے حامل شہداء کی ایک طویل فہرست ہے، لیکن یہ اعزاز قسام ازل نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت میں لکھا تھا کہ انہیں رہتی دنیا تک سید الشہداء کے لقب سے یاد رکھا جائے گا اور روز قیامت شہدا کے قافلے کی قیادت ان ہی کے ہاتھ میں ہوگی۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ:...... غزوۂ احد کے اسی معرکۂ خیر و شر اور حق و باطل میں حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی پیش آیا، اسلام کے اس قافلۂ شہادت میں جس میں امتیازی اوصاف رکھنے والے شہدا کی ایک طویل قطار موجود ہے، حضرت حنظلہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی شان یوں ممتاز اور دوسرے شہداء سے منفرد ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''غسیل ملائکہ'' کا خطاب ملا اور اس جہان فانی سے ماوراء دوسرے جہان میں، انہیں فرشتوں نے غسل دیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غزوے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور کفار کے خلاف سرگرم عمل تھے، انہوں نے حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا مقابلہ کرنے کی اجازت طلب کی، مگر رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ گوارا نہیں کیا کہ بیٹا، باپ کے مقابل آئے اور اس پر تلوار اٹھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کو اس اقدام سے منع فرمادیا، لیکن جہاد میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی جانب سے شریک تھے اور کفار کے مقابلے میں سینہ سپر بھی، انہوں نے کفار مکہ کے سالار ابوسفیان پر حملہ کیا جو بعد میں مسلمان ہوئے اور اپنی تمام صلاحیتیں اور سرگرمیاں اسلام کے لئے وقف کردیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن ابو سفیان ان کے وار سے محفوظ رہے اور ایک جانب سے اچانک شداد بن اسود نے پیچھے سے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا اور پھر پلٹ کر حضرت حنظلہ پر حملہ کردیا اور ان کو شہید کردیا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فرشتے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر کو آسمان اور زمین کے درمیان سفید ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان کی اہلیہ سے صورت حال دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وہ غسل کئے بغیر ہی آواز جہاد بلند ہونے پر جہاد کی غرض سے گھر سے نکل کر کھڑے ہوئے تھے، حالانکہ ان کو غسل کی حاجت تھی، مگر جب انہوں نے جہاد کے لئے پکار سنی تو ان کے جذبۂ عمل نے اتنی تاخیر بھی قبول نہ کی کہ غسل ہی کر لیتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو اس درجے قبول کیا کہ ان کے لئے ان کی روح کے علیین میں پہنچنے سے قبل ہی غسل کا انتظام فرمادیا اور انہیں فرشتوں کے معصوم اور نورانی ہاتھوں سے غسل دلایا گیا۔

حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو دیکھا تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو اس اعزاز کے ساتھ قبول کیا کہ وہ قیام قیامت تک آنے والوں کے لئے باعث رشک قرار پائی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ:...... شہادتوں کے اسی تسلسل میں ایک اور واقعہ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے، وہ واقعہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ہے۔

صفر ۴ ہجری میں قبیلۂ عضل اور قارہ کے کچھ لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے قبیلے کے نومسلموں کو دین اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لئے کچھ افراد ہمارے ساتھ بھیج دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابۂ کرام کو ان کے ہمراہ کردیا، ان میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس جماعت کا سربراہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا، راستے میں اس قافلے پر بنولحیان نے حملہ کردیا، اس حملے کے نتیجے میں کچھ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید اور حضرت زید اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہما قید ہوگئے، قید کرنے والوں نے انہیں مکہ لے جاکر فروخت کردیا۔

جنگ بدر میں حارث بن عامر، مکہ کا ایک شخص حضرت خبیب کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس لئے اس کے بیٹوں نے حضرت خبیب کو خرید لیا اور قید کردیا، ایک روز انہیں شہید کرنے کا ارادہ کیا اور انہیں اس نیت سے حرم سے باہر لے گئے، حضرت خبیب نے ان سے کہا کہ مجھے

دو رکعت ادا کرنے کی مہلت دے دو، انہوں نے اجازت دے دی۔

نماز کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس خیال سے نماز طویل نہیں کی کہ کہیں تم یہ گمان کرو کہ میں موت سے ڈر کر ایسا کر رہا ہوں، یہ تھا جاں نثاران محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ شہادت، جس کے آگے نہ کوئی ٹھہر سکا، نہ کوئی بند باندھ سکا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حارث کے بیٹے عقبہ نے انہیں سولی پر لٹکا کر شہید کر دیا۔

اس طرح حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کا طریقہ رائج کیا ہے۔

جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ واقعہ ہوا تو جبرائیل امین نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو جا کر خبیب کو سولی پر سے اتار لائے؟ اور اس کے بدلے جنت حاصل کرے؟ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں اور میرے ساتھی مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کام سرانجام دیں گے۔

چنانچہ یہ دونوں صحابہ کرام روانہ ہو گئے، یہ رات میں سفر کرتے اور دن میں چھپ جاتے، جب مقام تنعیم پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سولی پر حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش لٹکی ہوئی ہے اور اس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، حالانکہ ان کو سولی پر چڑھے ہوئے چالیس روز ہو چکے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی لاش کو گھوڑے پر رکھ کر روانہ ہو گئے، جب پہرے داروں کی آنکھ کھلی اور انہیں اس واقعے کا علم ہوا تو انہوں نے قریش کو مطلع کیا، انہوں نے ستر سوار ان کے تعاقب میں روانہ کئے، جب یہ سوار قریب پہنچے تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو زمین پر رکھ دیا، فوراً زمین شق ہوئی اور وہ حضرت خبیب کی لاش کو نگل گئی، اسی واقعے کے سبب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''بلیع الارض'' کہا جاتا ہے، یعنی ''زمین کے نگلے ہوئے'' اور شہادتوں کے اس سفر میں حضرت خبیب کی یہ امتیازی شان ہے۔

حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا اور ان کو اس شجاعت و بہادری پر آسمان سے شاباش ملی، حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمایا:

''ان دونوں پر فرشتے بہت فخر کرتے ہیں۔''

شہدائے بیر معونہ:...... شہادتوں کا یہ سفر جاری ہے، صفر ۴ ہجری ہی کا ذکر ہے کہ اس میں ایک امتیازی وصف کے حامل صحابہ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد نہایت مظلومانہ انداز میں اپنی قیمتی جانیں ایک عظیم مقصد یعنی دین اسلام کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قربان کر رہی ہے۔

ان صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کا امتیازی وصف یہ تھا کہ یہ تمام صحابہ کرام حفاظ ہونے کے ساتھ ساتھ قرا بھی تھے اور ان کی تعداد بخاری شریف کی روایت کے مطابق ۷۰ تھی۔

ایک ایسے وقت میں جبکہ اسلام مدینہ منورہ میں اپنے آغاز کے مراحل میں تھا اور مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، ان صحابہ کرام کی یہ قربانی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

اس سانحے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ابو براء عامر بن مالک مدینہ منورہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول اسے دعوت اسلام دی۔

اس نے کچھ واضح جواب نہ دیا، البتہ یہ کہا کہ کچھ صحابہ کرام میرے ساتھ کر دیں، جو اہل نجد کی طرف کو جائیں، مجھے امید ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد کی طرف سے اندیشہ ہے، ابو براء نے کہا کہ میں ضامن ہوں،

آپ نے حضرت منذر بن عمرو سعدی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ستر صحابہ کرام کو روانہ کر دیا۔

جب یہ بیر معونہ کے مقام پر پہنچے جو ایک کنویں کا نام تھا، تو اچانک رعل وذکوان قبائل کے لوگ نمودار ہوئے اور انہوں نے حملہ کر دیا، صحابہ کرام اس صورت حال کے لئے قطعاً تیار نہ تھے، انہوں نے کہا کہ ہم لڑنے نہیں آئے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور تمام صحابہ کرام کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا اور اس موقع پر موجود تمام صحابہ شہید ہو گئے۔ صرف چند صحابہ بچے، جو کسی سبب سے وہاں موجود نہ تھے۔

شہادت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ:...... آٹھ ہجری میں غزوۂ موتہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک سفیر حارث بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام کے ایک امیر شرحبیل بن عمرو غسانی کی جانب سے شہید کر دینے کی وجہ سے اس کا بدلہ لینے کے لئے ایک اسلامی لشکر روانہ فرمایا، جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاکید فرمائی کہ اس کے امیر زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے، اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر حضرت جعفر بن ابی طالب اس کے امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن ابی رواحہ امیر مقرر ہوں گے اور اگر ان کی بھی شہادت ہو جائے تو مسلمان جسے چاہیں امیر مقرر کر لیں۔

چنانچہ اس موقع پر اسی ترتیب سے صحابہ کی شہادت واقع ہوئی، جب زید بن حارثہ کی شہادت کے بعد حضرت جعفر امیر بنے تو انہوں نے بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور وہ ہاتھ میں اسلامی علم تھام کر مردانہ وار لڑتے رہے، جب دشمنوں نے انہیں گھیر لیا تو انہوں نے سب سے پہلے گھوڑے سے اتر کر اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری اور پھر مقابلہ شروع کر دیا، جب ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے علم اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لیا، جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے علم کو گود میں لے لیا، مگر اسے گرنے نہ دیا، یہاں تک کہ وہ شہادت کے مرتبہ بلند پر فائز ہو گئے۔

اس وقت ان کی عمر تیس برس تھی، شہادت کے بعد جب ان کے جسم کو دیکھا گیا تو اس پر نوے کے قریب تلواروں اور نیزوں کے زخم تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کو جمع کر کے مدینہ منورہ میں ان کے سامنے جنگ کا پورا نقشہ بیان کیا، جب آپ نے حضرت جعفر کی شہادت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں نے جعفر کو ایک فرشتے کی شکل میں دو پروں کے ساتھ خون میں آلودہ دیکھا۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امتیازی شہادت کی وجہ سے ان کا لقب ''جعفر طیار'' مشہور ہوا اور آج وہ اسی لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ:...... خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، آپ امیر المومنین تھے اور اسلامی تاریخ میں اپنے اقدامات، عدل و انصاف، نظم وضبط اور انتظام و انصرام کے لحاظ سے نہایت بلند مقام کے حامل ہیں، آپ کے فضائل بے شمار ہیں، جو کتب حدیث میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، آپ کی سب سے اہم فضیلت یہ ہے کہ آپ کو زندگی ہی میں جنت اور شہادت دونوں کی بشارت دی گئی اور زبان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں نعمتوں کی خوشخبری سنی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک جب تریسٹھ برس ہوئی تو ایک روز آپ صبح کے وقت اپنے معمول کے مطابق نماز فجر ادا کرنے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے، ابھی آپ نے نماز شروع کی ہی تھی کہ ایک مجوسی غلام ابولؤلو، محراب مسجد نبوی میں چھپا ہوا بیٹھا تھا، وہ آپ پر حملہ آور ہوا، اس کے ہاتھ میں زہر آلود خنجر تھا، اس نے

اپنے خنجر سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شکم مبارک میں تین وار کئے، یہ وار اس قدر کاری تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ہوش ہوکر گر گئے اور ان کی جگہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔

ابولؤلوء اس واردات کے بعد فرار ہونا چاہتا تھا، مگر نمازیوں کی تنی ہوئی صفوں کے درمیان سے اس کو راہِ فرار نہ مل سکی، اس نے جب کوئی راستہ نہ دیکھا تو اس نے مزید صحابۂ کرام کو جو صف بستہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے، زخمی کرنا شروع کردیا، اس کے حملوں سے تیرہ صحابہ کرام زخمی ہوئے، جن میں سے سات صحابہ کرام بعد میں شہید ہوگئے۔

اس دوران نماز ختم ہوگئی اور ابولؤلوء پکڑا گیا، مگر اس نے اس دوران اپنے ہی خنجر سے خودکشی کرلی، یہاں مسلمانوں کے حیرت انگیز نظم وضبط کا بے مثال مظاہرہ دیکھئے کہ اس قدر بڑا واقعہ رونما ہوا، وقت کا حکمران، سربراہ سلطنت قاتلانہ حملے میں زخمی ہوکر تڑپ رہا ہے، مگر مسلمانوں نے نماز کے عمل کو اس سے متاثر نہیں ہونے دیا اور اسے پورے اہتمام سے مکمل کیا۔

نماز کے بعد لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر گھر پر لے آئے، تھوڑی دیر کے بعد انہیں جب ہوش آیا تو ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ میرا قاتل کون ہے؟ بتایا گیا کہ ابولؤلوء نامی مجوسی غلام ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر بلند کرکے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میری شہادت ایک کافر کے ہاتھ سے ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا، اس کی خبر آناً فاناً پورے شہر مدینہ میں پہنچ گئی اور سارا شہر افسردہ ہوگیا، آپ کے علاج کی کوشش کی گئی مگر کارگر نہ ہوئی، اسی دوران مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے انتخاب کی غرض سے آپ نے چھ رکنی کمیٹی قائم فرمائی، جو اس حالت میں بھی آپ کی مسلمانوں کے معاملات میں آپ کی دلچسپی اور بیدار ذہن کی دلیل ہے۔

اسی دوران حالت نزع شروع ہوئی اور یکم محرم الحرام ۲۳ھ کو آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آسودۂ خاک ہوئے۔

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ:...... شہادتوں کا یہ سفر کافی فاصلہ طے کرچکا ہے اور اب خلافت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اختتام ہو رہا ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا تذکرہ پتھر سے پتھر دل کو بھی موم کردینے کے لئے کافی ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت درحقیقت یہودی سازش کا نقطۂ آغاز تھا۔

اس سازش کا سب سے اہم کردار عبداللہ ابن سبا تھا، جسے تاریخ منافق یہودی کا درجہ دیتی ہے، حضرت عثمان غنی کی مظلومانہ شہادت کا قصہ اختصار کے ساتھ کچھ اس طرح سے ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت میں بیرونی سازشوں کے نتیجے میں آپ کی خلافت کی مخالفت شروع ہوئی، جس کو بنیاد بنا کر ایک گروہ آپ رضی اللہ عنہ کا مخالف ہوگیا، اس کے چند اعتراضات تھے، جن کا حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو ان میں صداقت اور حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔

شورش بپا کرنے والوں نے آخر کار مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور بعض جلیل القدر صحابہ کرام کے سمجھانے پر ایک بار تو واپس ہوگئے، مگر پھر فوراً ہی راستے سے پلٹ کر آگئے، آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بار خلافت سے سبکدوش ہوجائیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خلافت کا جو لباس مجھے پہنایا ہے، وہ میں اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا، لیکن باغی شورش پر آمادہ دکھائی دیتے تھے، انہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ اگر تم خلافت سے دست بردار نہ ہوئے تو تمہیں قتل کردیا جائے گا اور اگر کوئی اور شخص ہماری راہ میں مزاحم ہوا تو اس

کا بھی ہم مقابلہ کریں گے۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پایۂ ثبات میں یہ سن کر بھی کوئی لغزش نہ آئی اور انہوں نے فرمادیا کہ میں خلافت سے دست بردار نہیں ہوں گا، لیکن میں کسی کو تم سے لڑنے کے لئے بھی نہیں کہوں گا اور اگر کوئی ایسا کرے گا، تو میری مرضی اور حکم کے خلاف کرے گا، میں مدینۃ الرسول میں خون بہانا نہیں چاہتا، مگر باغی بالکل ٹس سے مس نہ ہوئے اور انہوں نے کاشانۂ خلافت کا اس قدر سختی سے محاصرہ کرلیا کہ وہاں کوئی چیز نہ آسکتی تھی، نہ جاسکتی تھی۔

اس وقت جاں نثاروں کی ایک جماعت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا عزم کیا، مگر آپ نے بہ اصرار انہیں وہاں سے رخصت کردیا، چند نوجوان صحابہ البتہ وہاں سے نہ گئے، ان میں سیدنا حسین، ابن عباس، محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم شامل تھے، ان باغیوں نے بالآخر پانی تک بند کردیا، محاصرے کی شدت اور حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا باغیوں کو سمجھانے کے لئے تشریف لائیں، مگر انہوں نے ان کی شان میں بھی گستاخی کی اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سواری کے خچر کو زخمی کرکے گرادیا، چند افراد نے آپ رضی اللہ عنہ کو وہاں سے نکال کر محفوظ مقام پر پہنچایا۔

اس وقت مدینہ منورہ کی حالت نہایت خطرناک تھی، باغیوں کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی اپنے آپ کو بے بس تصور کررہے تھے، یہ حالات دیکھ کر بہت سے حضرات مدینہ منورہ سے چلے گئے، کچھ لوگوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ آخری وقت تک باغیوں کو سمجھاتے رہے، لیکن باغیوں نے انہیں بھی بے بس کردیا تھا، چنانچہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں آخری مرتبہ بلایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانے کا ارادہ کیا، مگر آپ کو زبردستی روک لیا گیا، یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا کہ جو صورت حال ہے، وہ جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہہ دو۔

درحقیقت یہ ساری صورت حال اسلام کے خلاف تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو خوب سمجھ رہے تھے، انہوں نے محاصرے کے دوران باغیوں سے کئی بار خطاب کیا اور ان کی توجہ حقائق کی جانب دلانے کی کوشش کی، مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، انہوں نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

"اے لوگو، تم مجھے قتل نہ کرو، میں تمہارا حاکم اور مسلمان بھائی ہوں، بخدا میں تو بساط بھر تمہاری اصلاح کا خواہاں ہوں، یاد رکھو، اگر تم نے مجھے قتل کردیا تو پھر تا قیامت تم نہ تو ایک ساتھ نماز ادا کرسکو گے، نہ ایک ساتھ جہاد کروگے اور نہ ہی تم اپنا مال غنیمت باہم تقسیم کرپاؤ گے۔"

اور ایک بار فرمایا:...... "میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آگئے، تو مسجد بہت تنگ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس زمین کے ٹکڑے کو کون خرید کر مسلمان کے لئے وقف کرتا ہے؟ اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، اس وقت میں نے ارشاد کی تعمیل کی اور زمین کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا، آج تم مجھے اسی مسجد میں دو رکعت نماز تک پڑھنے سے روک رہے ہو؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کوئی کنواں نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کون خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کرتا ہے، اسے جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا اور آج تم مجھے اسی کنویں کا پانی پینے سے منع کررہے ہو؟"

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اور یہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی

مسلمان کا قتل تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں جائز نہیں، ایک تو ایسا شخص جس نے اسلام کے بعد کفر اختیار کرلیا ہو، یا اس نے شادی شدہ ہونے کے بعد بدکاری کی، یا کسی شخص کو بغیر کسی جرم کے قتل کیا، سو خدا کی قسم میں نہ تو دور جاہلیت میں اور نہ کبھی اسلام لانے کے بعد بدکاری کا مرتکب ہوا، نہ میں نے اسلام لانے کے بعد اس کے بدلے میں کسی اور مذہب کی تمنا کی اور نہ میں نے کسی بے گناہ کو قتل کیا، سو یہ مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر بہت کوشش کی کہ باغی اپنے مذموم ارادوں سے باز آجائیں، مگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے عرض کی کہ ہمیں لڑنے اور باغیوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیں، مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑائی سے سختی سے منع کیا، ان کی آخری دم تک یہ خواہش رہی کہ مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خونریزی نہ ہو، پھر جب بعض صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ مکہ مکرمہ یا شام کی طرف نکل جائیں تو فرمایا کہ میں دار ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس نہیں چھوڑ سکتا۔

درحقیقت انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہونے کا وقت آپہنچا ہے اور ان کا وقت شہادت قریب آگیا ہے، اسی محاصرے کے دوران، جمعہ کا دن آپہنچا، آپ نے روزہ رکھا، نیا پاجامہ زیب تن کیا، بیس غلام آزاد کئے اور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف ہوگئے، مکان کے دروازے پر حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ باغیوں کو روکے ہوئے تھے، مگر باغیوں نے دروازے کو آگ لگادی اور مکان کی پچھلی جانب سے کچھ باغی گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تلاوت میں مصروف تھے، ایک شخص نے آگے بڑھ کر قرآن کریم کو ٹھکرا دیا، ایک دوسرے شخص نے پیشانی پر حملہ کیا، جس سے خون ابل پڑا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ گر پڑے، اس کے بعد ایک شخص نے آپ کے سینہ مبارک پر چڑھ کر کئی وار کئے جس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، اس دوران آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کو بچانے کے لئے آگے بڑھیں تو ان کی تین انگلیاں بھی حملے کی زد میں آکر کٹ گئیں۔

آپ جس وقت شہید ہوئے، اس وقت یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے۔

﴿فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم﴾

پس تمہیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

آپ کی شہادت کا حادثہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا اور اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ آپ کی لاش دو روز تک پڑی رہی، کسی کو تدفین تک کی اجازت نہیں تھی، تیسرے روز چند افراد نے ہمت کرکے جنازہ اٹھایا، جنازہ اٹھانے والے صرف چار آدمی تھے اور کابل اور مراکش تک بلا شرکت غیرے فرمانروا کو صرف سترہ افراد کی مختصر سی جماعت نے جنت البقیع میں خفیہ طور پر دفن کردیا۔

یہ تھی شہید مظلوم کی بے دردانہ، مظلومانہ شہادت جو تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کی واحد شہادت تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:...... اسلام کے لئے شہادتیں پیش کرنے کا سلسلہ جاری ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفۂ وقت تھے، جو شہید ہوئے، ان کے بعد خلیفۂ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شہادت کے مرتبے سے سرفراز ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ اس طرح ہے کہ مکہ مکرمہ میں تین خارجیوں نے مل کر حضرت عمرو بن العاص، حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے کی سازش تیار کی، باقی دو تو اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوسکے، البتہ عبدالرحمٰن بن ملجم اپنی سازش

میں کامیاب ہوگیا، اس نے ایک اور خارجی شبیب اشجعی کو شریک کرلیا۔

ایک روز نماز فجر پڑھانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے، یہ دونوں راستے میں ہی چھپے ہوئے تھے، ان دونوں نے فوراً حملہ کردیا، زخم کاری لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آواز دی، لوگوں نے چاروں طرف سے اس پر دھاوا بول دیا، ابن ملجم تو پکڑا گیا البتہ اس کا ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

اسے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اسے اچھا کھانا اور نرم بستر دو، اگر میں زندہ رہا تو اس کے بارے میں خود فیصلہ کروں گا اور اگر میں وفات پاگیا تو اسے بھی میرے پاس پہنچا دینا، اس کا معاملہ رب العالمین کے سامنے پیش کردوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز اور ہفتے کی رات اسی حالت میں رہے اور اکیس رمضان المبارک، اتوار کی رات کو وفات پاگئے اور شہادت کے مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہوئے اور اپنے پیش رو خلفائے ثلاثہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملے، یہ سن ۴۰ ہجری کا واقعہ ہے۔

خلاصہ:...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہونے کا شرف پانے والوں کے سب سے پہلے طبقے کی جاں نثاری و جاں فروشی کے یہ چند مظاہر پیش کئے گئے، سلسلہ شہادت کی ہر کڑی کا ذکر یہاں مقصود نہیں، نہ یہ ممکن ہے، صرف چند جھلکیاں پیش کرنا مقصود تھی، صرف ان واقعات کا ذکر کیا گیا جو اپنی کسی خصوصیت کے سبب خاص شان اور امتیازی خصوصیت کی حامل تھیں، اسی سلسلے کی اہم کڑی شہادت حسین رضی اللہ عنہ ہے، جو درحقیقت اس سلسلہ شہادت کا نقطۂ عروج ہے۔

☆......☆......☆

شهادت حسين رضى الله عنه

شہادت حسین رضی اللہ عنہ، اسلام کے باب شہادت کا درخشاں عنوان ہے، درحقیقت آغاز اسلام سے ہی شہادتوں کے جس سلسلے کا آغاز ہوا تھا اور جہاں سپاہی اور فدائیت کے جس قافلے نے اپنا سفر شروع کیا تھا، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کا نقطۂ عروج ہے۔

حضرت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما، امیر المومنین خلیفۂ چہارم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر اور اس نسبت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد یہ شرف حاصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا اور اس طرح ان کی خاندانِ نبوت سے براہ راست نسبت اور تعلق قائم ہوا، پھر ایک اور شرفِ خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا سلسلۂ اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی اس اولاد سے چلا، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ۲ ہجری میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کا پیغام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے دیا تھا۔ پھر جب نکاح کا مرحلہ آیا اور اخراجات کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر تعاون کیا۔

خاندانِ نبوت کی اس یادگار تقریب کی ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ مدینہ منورہ کی پہلی اسلامی ریاست کے فرمانروا اور دونوں جہانوں کے سردار، سرور انبیاء، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی اس چہیتی صاحبزادی کو جہیز میں صرف ایک چارپائی اور ایک تکیہ دیا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی تھی۔ روایات میں یہ بھی آیا

ہے کہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا تھا۔

ولادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ:...... حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت سن چھ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت سے تین برس بعد ہوئی، حضرت حسن کی ولادت کا سال تین ہجری ذکر کیا جاتا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ۵۴ برس کی عمر پائی اور ۶۰ ہجری میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی اور کھجور اپنے منہ مبارک سے چبا کر اور نرم کر کے انہیں کھلائی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور ان کا نام حسین تجویز کیا اور ساتویں روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت:...... حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تقریباً پانچ سال رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کے ساتھ محبت و شفقت اور اکرام و اعزاز کا معاملہ کیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہر دور میں اور ہر عہد میں خاندانِ نبوت سے تعلق و نسبت کے سبب خاص اہمیت حاصل رہی، پھر اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شریک حکومت و خلافت رہے، اس معنی میں کہ ان کے ہمراہ اہم مہموں میں شرکت کی اور ہر اہم موڑ پر ان کی ہمراہی کی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد کی بڑی عزت و توقیر فرماتے تھے اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ تادم وفات اپنے والد کے اطاعت گزار اور فرمانبردار رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ کے مختصر عرصے کے لئے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے، اس عرصے میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائی کے دست راست رہے، پھر جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہوئی تو اس وقت بھی حضرت حسین، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور ان کے اس فیصلے کو قبول کیا۔

عزم واستقلال:...... حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کے علم بردار اور ٹھوس و مضبوط خیالات کے حامل اور ہر صورت میں اپنے عزائم و ارادوں کو عملی جامہ پہنانے والے تھے، ان کے سامنے صرف دو راہیں ہوتی تھیں، بات اگر سمجھ میں آجائے اور درست معلوم ہو تو اس کو دل و جان سے تسلیم کرنا اور اس پر عمل کر گزرنا، ورنہ بصورت دیگر اس کے خلاف ڈٹ جانا، واقعۂ کربلا کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان کی شخصیت کے یہ دونوں پہلو اس واقعے میں موجود نظر آتے ہیں، اس واقعے پر گفتگو سے پہلے بہتر ہوگا کہ ہم اس واقعے کے ایک فریق اہل کوفہ کے مزاج اور اس واقعے میں ان کے کردار پر غور کر لیں۔

کوفے کی بنیاد:...... کوفے کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پڑی تھی اور وہ مختلف عرب قبائل جو عراق کے محاذ پر جہاد میں مصروف عمل تھے، ان کے اہل خانہ کو لے کر یہ نیا شہر بسایا گیا تھا، اس طرح قدرتی طور پر یہ شہر مسلمانوں کی سب سے بڑی چھاؤنی بن گیا اور ان کی جنگی طاقت کا مرکز قرار پایا، لیکن نامعلوم عوامل و اسباب کی بنا پر اس شہر کے رہنے والوں کے مزاج کی ایک خصوصیت ہر دور میں مشہور رہی، یہ ان کی تلون مزاجی تھی، ان کے مزاج میں عدم استقلال کا پہلو بہت نمایاں طور پر موجود تھا، نئے حکمرانوں کو فوراً قبول کرنا اور جلد ہی ان سے بے زار ہونا، ناراض ہو جانا اور مرکز میں ان کے متعلق شکایات بھیجنا اور اپنے لئے نئے حکمرانوں کا مطالبہ کرنا، ان کے اسی مزاج کے سبب تھا، ان کا یہ مزاج حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے

عہد مبارک اور طویل زمانہ خلافت میں پوری شدت اور حشر سامانیوں کے ساتھ موجود رہا۔

کوفہ بطور دارالخلافہ:...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ مبارک آیا، تو انہوں نے خلافت سے متعلق ایک اہم فیصلہ کیا، چونکہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے میں یہ افسوسناک صورت حال دیکھ چکے تھے کہ مدینہ منورہ کی پاک سرزمین اور حرم اطہر کا مقدس حصہ انگنت خطرات کی لپیٹ میں آگیا تھا، جن کو حضرت عثمان نے اپنے بے پناہ عمل استقلال اور سب سے بڑھ کر اپنے پاک خون کی قربانی دے کر ٹال دیا تھا، غالباً اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ سے قصرِ خلافت کو کوفے منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور وہاں منتقل ہو گئے اور نتیجتاً اہل کوفہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصل طاقت ٹھہرے اور آپ رضی اللہ عنہ کو اولاً ان ہی کی قوت پر انحصار کرنا پڑا۔

اہل کوفہ کا کردار:...... مگر یہ سلسلہ تادیر جاری نہ رہ سکا، ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ اہل کوفہ کی تلون مزاجی، انتشار پسندی اور بے استقامتی نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں یہاں تک کہنا پڑا:

"سب سے بڑا دھوکہ کھانے والا وہ ہے، جس نے تم پر اعتماد کیا۔"

یہی سبب رہا کہ اپنی خلافت کے آخری ایام تک حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اہل کوفہ سے نالاں ہی رہے، یہاں تک کہ کوفہ ہی کی سرزمین پر انہوں نے جام شہادت نوش فرمالیا۔

اہل کوفہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کیا تھی؟ اس کی جھلک ان کے ایک خطبے کے اس مختصر سے ٹکڑے میں ملاحظہ کیجئے، جو "نہج البلاغۃ" میں مذکور ہے، فرمایا:

"اے وہ گروہ کہ جب بھی میں نے تمہیں کسی بات کا حکم دیا، تو تم نے اس کی اطاعت نہ کی اور جب کسی کام کی طرف بلایا تو دعوت قبول نہ کی، اگر تمہیں ذرا سی بھی مہلت مل جاتی ہے تو تم فضولیات میں لگ جاتے ہو، اور اگر تم پر دشمن حملہ آور ہو جائے تو بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہو اور جب لوگ کسی امام پر جمع ہو جائیں تو تم کیڑے نکالتے ہو، ہائے افسوس تم پر۔"

اہل کوفہ کا یہ کردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بھی برقرار رہا، حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو اہل کوفہ ہی تھے جنہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ کر دیا، ان کا سامان بھی لوٹا اور انہیں زخمی بھی کیا۔

دراصل یہی اہل کوفہ تھے جو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا سبب بنے۔ واقعات و حادثات کے کردار البتہ مختلف اوقات میں تبدیل ہوتے رہے۔

واقعہ کربلا کا پس منظر:...... واقعۂ کربلا کا مختصراً پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے فرزند یزید کو ولی عہد مقرر کیا، جس کا سبب ان کی نظر میں یہ تھا کہ وہ اپنی زندگی میں ہی کسی کو اپنے بعد کے لئے بار خلافت سونپ دینا چاہتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر میں نے یہ فیصلہ نہ کیا تو میں ڈرتا ہوں کہ رعیت کو اپنے بعد ایسے چھوڑ جاؤں جیسے بارش میں بکریاں کہ جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس اہم فیصلے کا نفاذ کر رہے تھے، اسی دوران انہوں نے ایک روز اپنے خطبے میں دعا کی:

"اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یزید کو اس کی اہلیت کی بنا پر ولی عہد بنایا ہے تو اس معاملے کو تکمیل تک پہنچا اور اگر میرا یہ کام اس سے محبت اور تعلق خاطر کی بنا پر ہے تو، تو اس کو پورا نہ ہونے دے۔"

یزید کی ولی عہدی کے اس معاملے میں اس وقت موجود کئی ایک بڑے اکابرین کو اختلاف تھا، وہ اسے خلفائے راشدین کی طرز سے انحراف تصور کرتے تھے اور باپ کے بعد بیٹے کی بطور ولی عہد اور بعد ازاں خلیفۂ

وقت تقرری کو اسلامی طرز سیاست کی مخالفت تصور کرتے تھے اور چونکہ ان کا یہ طے شدہ موقف تھا، اس لئے وہ اپنے اس موقف پر عمل کرنے میں پوری طرح حق بجانب تھے، یہ موقف رکھنے والوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان کے علاوہ دیگر حضرات کے ساتھ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا ہے۔

۶۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ان کی وفات کے بعد خلافت کے امور اور ریاست کے معاملات یزید کے سپرد ہوئے، اس سے قبل بلکہ بہت عرصے پہلے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ہی اہل کوفہ نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اس مضمون کے پیغامات بھیجنا شروع کردیئے تھے کہ آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دیں ہم آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں، مگر چونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے اور ان سے مصالحت کے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر کاربند بھی تھے، اس لئے انہوں نے اہل کوفہ کے پیغامات کا مثبت جواب نہیں دیا اور اہل کوفہ کی جانب سے مسلسل اس قسم کے پیغامات آنے کے باوجود کہ آپ مدینہ منورہ سے نکل کر کوفہ تشریف لے آئیں، حضرت رضی اللہ عنہ مسلسل اس سے انکار کرتے رہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ روانگی:...... یزید کی جانب سے امور حکومت سنبھالنے کے بعد مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کے نام پر یہ پیغام آیا کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے مطلع کریں اور یزید کے لئے ان سے بیعت لیں، ولید نے یہ خبر ملنے کے بعد ان حضرات کو بلایا، اس کی دعوت پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پہنچے تو اس نے واقعے کی خبر دی اور حکم نامے کی عبارت سے آگاہ کیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر تعزیتی کلمات کہے اور بیعت سے عذر کیا اور کہا:

"میرے جیسا آدمی خفیہ بیعت تو نہیں کر سکتا اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ تم میری اس خاموشی سے کی ہوئی بیعت کو کافی سمجھو گے، اس لئے ضروری یہ ہے کہ یہ بیعت علانیہ لوگوں کے سامنے ہو، جب تم لوگوں کو بیعت کرنے کے لئے بلاؤ گے تو ہمیں بھی طلب کر لینا، سو یہ کام اکٹھے ہی انجام پا جائے گا۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ موقف قبول کر لیا گیا، اسی رات کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ تو وہاں سے نکل کر مکے چلے گئے اور اگلے روز حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی مکے کی راہ لی، حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مکے کو روانگی ۲۷، یا ۲۸ رجب، ۶۰ ہجری کو یکشنبہ کی رات میں کسی وقت ہوئی۔

حضرت ابن زبیر نے تو اپنے ساتھ صرف اپنے بھائی جعفر بن زبیر کو لیا تھا اور انہوں نے عام راستے کو چھوڑتے ہوئے، اس سفر کے لئے ایک ذیلی راستے کو اختیار کیا، اس وجہ سے ان کا تعاقب کرنے والوں کو ان کی تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور وہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے اور پکڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس کے برعکس حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پورے کنبے کے ساتھ سفر کیا اور اپنے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ کے علاوہ سبھی بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کو ساتھ لیا، نیز یہ سفر بھی عام راستے پر کیا اور مشورہ دینے والوں کے اس مشورے کے باوجود کہ عام شاہراہ کو سفر کے لئے اختیار نہ کیا جائے، انہوں نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا جبکہ ایک اور اہم بات یہ سامنے آتی ہے کہ ان کا تعاقب بھی نہیں کیا گیا، چنانچہ وہ اسی عام شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے استعمال ہوتی تھی، ۴ شعبان المعظم، ۶۰ ہجری کو بخیر و عافیت پورے قافلے

کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔

مکہ پہنچنے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کسی کو بھیجا تا کہ مدینے میں بنی عبدالمطلب میں سے جو لوگ ان کے ساتھ آنے سے رہ گئے، وہ بھی آجائیں، چنانچہ بہت سے لوگ آگئے اور آخر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی محمد بن حنفیہ جو ان کے ساتھ نہیں آئے تھے، وہ بھی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔

محمد بن حنفیہ کا مشورہ:...... اس سے پہلے جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے، تو حضرت محمد بن حنفیہ نے انہیں مشورہ دیا اور اس بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

"اے جان برادر، آپ مجھے دنیا میں سب سے بڑھ کر عزیز ہیں، آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے جس کے لئے میں خیر خواہی بچا کر رکھوں، میری گزارش یہ ہے کہ آپ جا تو رہے ہیں، مگر فوراً ہی کسی شہر کا ارادہ مت کیجئے گا، بلکہ شہروں سے دور رہتے ہوئے اپنے آدمی مختلف علاقوں میں بھیجئے اور اپنی بیعت کی دعوت دیجئے اگر لوگ قبول کر لیں تو اللہ کا شکر کریں۔"

مزید کہا:

"مجھے ڈر ہے کہ مبادا آپ اچانک کسی بڑے شہر کا رخ کر لیں اور پھر وہاں کے لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں اور جنگ بپا ہو جائے جس کا پہلا نشانہ خود آپ ہی بن جائیں، اگر آپ کو کسی شہر جانا ہی ہے تو بس مکے کا رخ کریں اور وہاں کے حالات آپ کے لئے بہتر ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ پھر سفر کا آغاز کر دیجئے، شہروں سے دور رہتے ہوئے علاقہ در علاقہ گھومئے تا کہ پتہ چلے کہ حالات کیا ہیں؟ اور لوگ کیا سوچ رہے ہیں، اس کے بعد آپ کی جو رائے قائم ہوگی، وہی صحیح رائے ہوگی۔"

بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کا تجزیہ بالکل درست تھا اور انہوں نے صحیح طور پر پیش آنے والے خطرات کی نشاندہی کی تھی، لیکن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ یہ تھا کہ ان کو اہل کوفہ کی جانب سے برابر دعوت مل رہی تھی اور ان کے آنے والے خطوط کی تعداد اس قدر تھی کہ ان کو نظر انداز کرنا حضرت حسین کے لئے ممکن نہیں رہا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد اس میں مزید اضافہ ہو گیا اور لوگوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی اور تاریخ میں یہ خبر ملتی ہے کہ یکے بعد دیگرے کوئی چار پانچ مرتبہ میں ڈیڑھ سو کے قریب خطوط پہنچے، یہ تمام خطوط نمایاں اور سرکردہ افراد کی طرف سے تھے اور ان خطوط میں لکھنے والوں کے نام کی صراحت کی گئی تھی اور یہ تک تحریر تھا کہ ہم حکومت کے مقرر کردہ گورنر کے پیچھے جمعہ اور عیدین کی نمازیں تک نہیں پڑھتے اور آپ کے آتے ہی ہم اس کا بستر بوریا گول کر دیں گے۔

مسلم بن عقیل کی روانگی:...... یہ تمام خطوط پڑھ کر اور اہل کوفہ کے قاصدوں کی زبانی پیغامات سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے وہاں تشریف لے جانے کا ارادہ کر لیا، لیکن حتمی پروگرام کو اس خبر کی تصدیق ہونے تک مؤخر کر دیا اور اہل کوفہ کے عزائم اور دعوؤں کی تصدیق کے لئے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کا نام تجویز کیا اور اہل کوفہ کو یہ خط تحریر کیا:

"میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس روانہ کر رہا ہوں تا کہ یہ میری نیابت کرتے ہوئے حالات کا جائزہ لیں اور پھر مجھے مطلع کریں، پس اگر انہوں نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا اور مجھے یہ تحریر کیا کہ آپ لوگ جو کچھ مجھے لکھ رہے ہیں، اس پر آپ کے ہاں تمام معززین اور اہل رائے کا اتفاق ہے، تو میں فوراً چلا آؤں گا، کیونکہ بلاشبہ امام تو وہی ہے جو کتاب اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہو اور انصاف کا خوگر، نیز وہ حق کا تابع ہو اور اپنے آپ کو ذات حق سے وابستہ رکھنے والا ہو۔"

اس خط کے ساتھ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے مسلم بن عقیل کو دو کوفیوں کے ساتھ روانہ کردیا، حضرت مسلم بن عقیل کے کوفے پہنچتے ہی ان لوگوں کی ان کے پاس آمدورفت شروع ہوگئی جو اپنے آپ کو حضرت علی اور حضرت حسنین رضوان اللہ علیہم کا ہمدرد قرار دیتے تھے اور مختصر سے عرصے میں کوئی ۱۸ ہزار کے لگ بھگ افراد نے ان کی بیعت کرلی، اہل کوفہ کا یہ جوش وخروش دیکھ کر حضرت مسلم نے فوراً ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس پیش رفت سے آگاہ کیا اور انہیں دعوت دی کہ آپ تشریف لے آئیں۔

ابن زیادہ کا تقرر:...... دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی سے کوفے کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تھے، جو ایک معروف انصاری صحابی تھے، وہ مزاج کے اعتبار سے، خصوصاً خاندان نبوت کے لئے بہت زیادہ نرم گوشہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے اہل کوفہ کو کسی امکانی شورش سے باز رکھنے کے لئے تنبیہہ تو کی مگر کوئی سخت قدم نہ اٹھایا، یہ دیکھ کر وہ لوگ جو حضرت حسین سمیت خاندان نبوتؐ سے عداوتیں رکھتے تھے، انہوں نے مرکز کو مطلع کیا اور حضرت نعمان بن بشیر کی پالیسی کو بہت کچھ بڑھا چڑھا کر کچھ اس طرح سے پیش کیا کہ یزید نے فوراً انہیں بدلنے کا فیصلہ کرلیا اور اس نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کا تقرر کردیا۔

عبید اللہ بن زیاد اس سے قبل بصرہ کا حاکم تھا اور ایک سخت گیر حاکم کی شہرت رکھتا تھا، اس نے آتے ہی لوگوں کو جمع کیا اور ایک سخت ترین تقریر کی، جس میں اہل کوفہ کو کسی بھی مخالف حکومت اقدام سے باز رہنے کی سختی سے تاکید کی، اس دوران اسے حضرت مسلم بن عقیل کی کوفے میں موجودگی کی اطلاع بھی مل گئی، حضرت مسلم کوفے پہنچ کر مختار بن ابی عبید کے گھر ٹھہرے تھے، حالات سازگار نہ دیکھ کر وہ ہانی بن عروہ کے گھر آگئے، مگر یہ خبر بھی ابن زیاد کو پہنچ گئی، اس نے ہانی کو بلا کر انہیں مجبور کیا کہ وہ حضرت مسلم کو ان کے حوالے کردیں، مگر وہ اس پر تیار نہیں ہوئے تو ان پر سختی کی گئی۔

مسلم بن عقیل کی شہادت:...... یہ اطلاع کسی طرح ان کے گھر پہنچ گئی، یہ خبر ملتے ہی حضرت مسلم نے وہاں سے نکلنے کی تدبیر کی اور سمجھ میں یہی آیا کہ جو لوگ بیعت کرچکے ہیں، ان کو بلا کر گورنر ہاؤس پر حملہ کردیں، اب اہل کوفہ کی تلون مزاجی ملاحظہ کیجئے کہ وہ ۱۸ ہزار جو حضرت مسلم کے ہاتھ پر خلافت حسین کے لئے بیعت کرچکے تھے، جب موقع آیا تو صرف ۴ ہزار بچے، حضرت مسلم جب انہیں لے کر گورنر ہاؤس پہنچے تو ابن زیاد نے مختلف تدابیر سے کام لے کر یہ ساری بھیڑ منتشر کرادی اور آخر میں حضرت مسلم ہی تنہا بچے۔

چونکہ رات ہوچکی تھی، اس لئے وہ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہیں روپوش ہوگئے، مگر دن کی روشنی پھیلتے ہی ان کا سراغ ابن زیاد کو مل گیا اور ان کو اور ان کے ساتھ ہانی بن عروہ کو مفسد اور باغی قرار دے کر قتل کرادیا، یہ سانحہ ۹ ذی الحج کا بتایا جاتا ہے۔

اس سے قبل حضرت مسلم کا خط ملتے ہی ۸ ذی الحج کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے قافلے کے ہمراہ کوفے کی جانب روانہ ہوچکے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مکہ سے کوفے کی جانب روانہ ہوئے تو پھر بہت سے خیر خواہوں نے انہیں اہل کوفہ کی طبیعت اور کردار کی جانب توجہ دلائی اور انہیں اطمینان کئے بغیر اس طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ سفر کرنے سے منع کیا۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا مشورہ:...... مکہ کے مشہور فقہائے سبعہ یعنی سات علمائے فقہ میں سے ایک معروف عالم حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے گزارش کی:

"آپ ایک ایسے ملک کا ارادہ فرما رہے ہیں، جو

خالی نہیں ہے بلکہ وہاں افراد موجود ہیں، جن کے ہاتھ میں خزانے ہیں اور ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ روپے پیسے کے بندے ہیں، پس وہی لوگ، جنہوں نے آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے، آپ سے لڑنے والے ہوں گے۔"

اور بعد میں پیش آنے والے واقعات نے ثابت کیا کہ ان کا یہ مشورہ بھی بالکل بجا تھا۔

مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع:...... حضرت مسلم بن عقیل کو جب گرفتاری کے بعد لے جایا جارہا تھا تو محمد بن اشعث اس وقت موجود تھے، ان سے حضرت مسلم نے کہا کہ کسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع کرادو کہ حالات اب سازگار نہیں رہے، یہ اطلاع بہت اہم تھی، مگر اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگا اور انہیں یہ خط اس وقت ملا، جب وہ کوفے کے قریب آچکے تھے اور ذی الحجہ کا اختتام یا محرم کا آغاز ہورہا تھا، یہ اطلاع زبالہ مقام پر پہنچی، پھر فوراً ہی ان کی شہادت کی خبر بھی آگئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تازہ حالات سے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور یہ حالات دیکھ کر وہ تمام لوگ الگ ہوگئے جو راستے میں ساتھ ہوتے گئے تھے، صرف وہی بچے، جو مکے سے ساتھ چلے تھے۔

یہاں پہنچ کر پھر کسی نے واپسی کا مشورہ دیا، اس مشورے سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اتفاق بھی کیا، مگر فرمایا کہ اللہ کے ارادوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور یہ کہہ کر سفر جاری رکھا۔

دوسرا مسئلہ یہ پیش آیا کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پا کر بنو عقیل نے یہ اعلان کیا کہ ہم بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے، اس طرح بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ واپس نہ لوٹ سکے اور آگے بڑھتے رہے۔

کربلا میں آمد:...... کچھ آگے بڑھتے ہی ابن زیاد کا ایک دستہ سامنے آگیا، جو قادسیہ میں متعین تھا، اسے دیکھ کر آپ نے اپنا رخ قادسیہ اور کوفے سے موڑ کر کربلا کی جانب کرلیا، کربلا قادسیہ سے شمال کی جانب اور کوفے سے شمال مغرب کی سمت میں ۱۰، ۱۲ کلومیٹر آگے واقع ہے، آپ نے کربلا پہنچ کر جنگل کی جانب پشت کرلی اور خیمے لگوادیئے، تاکہ دشمن سامنے کے سوا کہیں سے حملہ آور نہ ہوسکے، اس وقت آپ کے ساتھیوں میں ایک روایت کے مطابق ۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تجاویز:...... ابن زیاد کو جب اس کا علم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ روانہ ہوچکے ہیں تو اس نے عمرو بن سعد کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا، انہوں نے اس سے معذرت چاہی، مگر ابن زیاد کے دباؤ پر مجبور ہونا پڑا، ابن سعد جب کربلا کے مقام پر پہنچا تو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے تین نکات پر مشتمل اپنی پیشکش رکھی اور اس سے کہا کہ تم ان تین باتوں میں سے ایک قبول کرلو۔

یا تو میں جہاں سے آیا ہوں، مجھے وہیں واپس جانے دو۔ یا یزید کے پاس جانے دو۔ یا پھر مجھے جہاں میدان جہاد گرم ہے، اس طرف نکل جانے دو۔

ابن زیاد کی ضد:...... ابن سعد نے یہ تجاویز ابن زیاد کے پاس بھیج دیں، مگر اس کی بدبختی آڑے آئی اور اس نے اس قدر معقول تجاویز کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اس نے یہ جواب دیا کہ یوں نہیں ہوسکتا، بلکہ انہیں پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوگی۔

یہ مطالبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسا شخص کیسے قبول کرسکتا تھا؟ انہوں نے اس سے انکار کردیا اور فرمایا کہ نہیں یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا میں آمد ۲ محرم کو ہوئی تھی، بہرحال جب ہر طرح کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ابن زیاد نے سختی سے حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کسی قسم کی نرمی سے کام نہ لو تو ابن سعد نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا، اس

دوران اسے چار پانچ ہزار کی مزید کمک بھی مل گئی تھی۔

مخالفین کا حملہ:...... پھر ۸ سے ۱۰ محرم کے دوران کسی روز ابن سعد نے پانچ سو سواروں کو گھاٹ پر متعین کردیا، جس کے سبب قافلہ حسین کے لئے پانی کا حصول بھی دشوار ہوگیا، دشمن کی یہ ایک اور جنگی چال تھی، جس کے سبب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کو نقصان اٹھانا پڑا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دعا:...... ۱۰ محرم کو جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے ساری بات واضح ہوگئی اور انہیں پیش آنے والے واقعات کا بخوبی اندازہ ہوگیا تو انہوں نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی جس کے الفاظ طبری کی روایت میں اس طرح آتے ہیں، انہوں نے عرض کیا:

''اے اللہ تو ہی ہر تکلیف میں میرا سہارا ہے اور ہر کلفت میں میرا قبلۂ امید ہے اور ہر شروع ہونے والی مہم میں، میں تجھ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں، کتنے ہی حالات ایسے ہیں، جن میں دل کمزور پڑ جاتا ہے اور تدبیر کے راستے بند نظر آتے ہیں، دوست الگ ہوجاتے ہیں اور دشمن طعنہ زن ہوتے ہیں، میں ان حالات کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا اور تجھ ہی سے فریاد کرتا ہوں، اس لئے کہ میں تیرے در کو چھوڑ کر کسی اور در سے لَو لگانے سے واقف نہیں، تو ہی حالات کی تکلیف کو دور کرتا اور راہیں نکالتا ہے، بلاشبہ تو ہی ہر نعمت کا مالک، ہر بھلائی کا سرچشمہ اور ہر امید کا مرکز ہے۔''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت:...... ۱۰ تاریخ کو میدان کارزار گرم ہوا، دشمن ہزاروں کی تعداد میں تھا، یہاں لڑنے والے افراد سینکڑوں میں بھی نہ تھے، نتیجتاً یہ جنگ کوئی لمبے عرصے تک جاری نہ رہی، دشمن نے ہدایات کے مطابق طاقت استعمال کی اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تمام ساتھی شہید ہوگئے، ان میں آپ کے خاندان کے بھی ۱۵ سے ۲۰ افراد شامل تھے، آپ کا ایک چھوٹا بچہ بھی نیزہ لگنے سے شہید ہوا، اس کے بعد خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار اٹھائی اور بالآخر وہ بھی مرتبۂ شہادت پر فائز ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

خلاصۂ کلام:...... یہ تھا شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا قدرے مختصر احوال، اس سفر کی تفاصیل اور بھی ملتی ہیں، لیکن محدود وقت میں ان کا احاطہ ممکن نہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنت کے نوجوانوں کا سردار قرار دیا تھا، ان کی یہ شہادت اور اس قدر مظلومانہ شہادت یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ تھی اور خاندان نبوت کے اس عظیم فرزند کی اس قربانی سے آج تک اسلام کی شاہراہ شہادت فروزاں اور تابندہ ہے۔

رضی اللہ عنہ و صلوۃ اللہ و سلامہ علیھما

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو متحد و متفق فرمائیں اور اسلام کے ان عظیم شہیدوں کے نقش قدم پر ہم سب کو چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆

پہلے چار سوال ہوں گے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے، جب تک کہ چار سوال نہ کرلئے جائیں۔

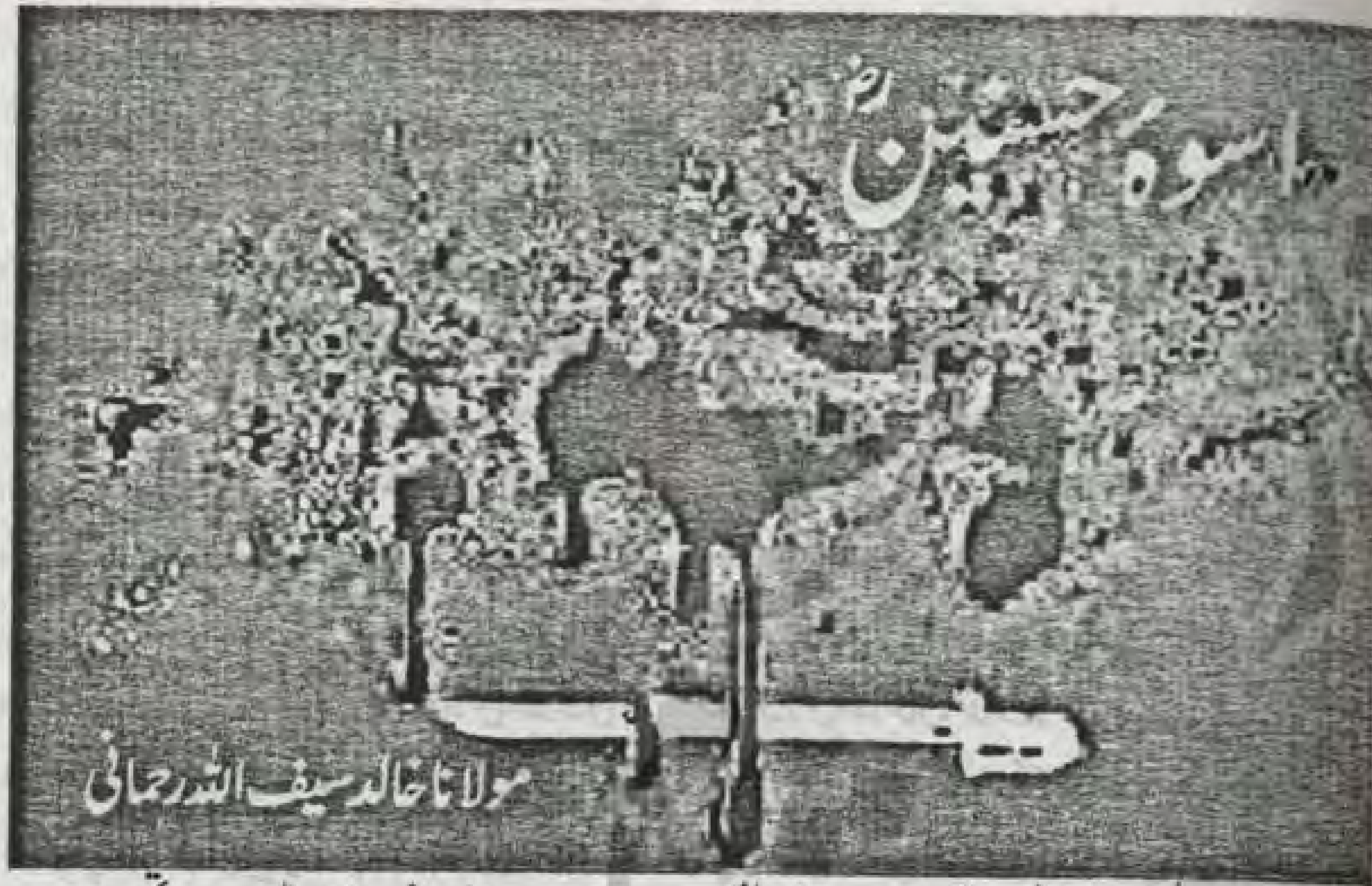
(۱)......عمر کس مشغلہ میں ختم کی؟

(۲)......جوانی کس کام میں خرچ کی؟

(۳)......مال کس طرح کمایا اور کس کام میں خرچ کیا؟

(۴)......اپنے علم پر کیا عمل کیا تھا؟ (بیہقی)

☆......☆......☆



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی جانب سے مصطفیٰ اور مجتبیٰ یعنی چنے ہوئے تھے، اللہ نے نبوت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا تھا، جیسے اللہ نے آپ کو نبوت جیسی عظیم ذمہ داری کے لئے منتخب فرمایا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور صحبت کے لئے بھی انسانیت کے منتخب اور برگزیدہ اشخاص کا انتخاب ہوا، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہؓ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کی صحابیت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔'' اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ، اسی طرح اللہ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور پاک بیویاں بھی سرد و گرم کی رفاقت اور امت کے لئے خانگی اور نجی زندگی کا نمونہ پیش کرنے کے لئے اللہ کی جانب سے منتخب تھے، ان ہی اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں اور ان صاحبزادیوں میں آپ کی چہیتی اور چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین جنت کی سردار قرار دیا اور جن کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گواہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھیں اور آپ پر حیا کا اس قدر غلبہ تھا کہ عہد صحابہ میں بھی شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر چوتھے خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی اعتبار سے قریب ترین تعلق رکھنے کے علاوہ اسلام میں سبقت سے مشرف تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ان کے مقام و مرتبہ کا حال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں جس کا دوست ہوں، علی اس کے دوست ہیں۔'' گویا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق اور محبت کو آپ نے اپنی محبت کا معیار بنایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے، جو باحیات رہے اور ان ہی دونوں حضرات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نسل کا سلسلہ آگے بڑھا۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانانِ جنت کا سردار قرار دیا، یہ روایت اہل سنت کے یہاں کثرت سے منقول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو پکڑتے اور کہتے: اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، آپ بھی ان دونوں سے محبت کیجئے۔

(بخاری: حدیث نمبر، ۳۷۴۷)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس کو مجھ سے محبت ہوگی، وہ ان دونوں سے محبت رکھے گا۔

(مجمع الزوائد، عن ابی ہریرۃ: ۹/۱۸۰)

عجیب بات ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جسمانی طور سے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی مماثلت تھی، چنانچہ جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صالحین کو ناقابل بیان صدمہ پہنچا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع پہنچی تو اہل عراق پر لعنت بھیجی اور ان کے لئے ہلاکت کی دعا فرمائی۔

(مجمع الزوائد: ۹/۱۹۴)

امام ابراہیم نخعی نے خوب فرمایا کہ اگر خدانخواستہ میں قاتلان حسین میں سے ہوتا اور میری مغفرت کردی جاتی، نیز میں جنت میں داخل کیا جاتا تب بھی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے سے شرم محسوس ہوتی۔

(حوالہ سابق: ۹/۱۹۵)

حقیقت یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کے بغیر کوئی ایسا شخص رہ ہی نہیں سکتا جو واقعی مسلمان ہو اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کوئی درجہ حاصل ہو، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے اور آپ کی نسبت پر وارفتہ تھے، اس لئے اہل بیت سے ان کو خاص تعلق تھا، بنی امیہ کا حکمراں مروان ایک بار حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ جب سے ہمیں آپ کی رفاقت حاصل ہوئی ہے، مجھے آپ کی کسی بات سے ناگواری نہیں، سوائے اس سے کہ آپ حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت رکھتے ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمٹ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے، ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رونے کی آواز سنی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں، آپ تیز تیز چل کر وہاں پہنچے اور فرمایا کہ ہمارے بیٹوں کو کیا ہوا ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یہ پیاسے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشکیزے میں دیکھا تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء سفر سے پانی کے بارے میں فرمایا، تمام ہی لوگ پانی کے برتن کی طرف لپکے، لیکن اتفاق کہ کسی کے پاس پانی موجود نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری باری حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی زبان مبارک کو چسایا، جب انہیں سکون ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسی لئے میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔

(طبرانی بسند صحیح، مجمع الزوائد: ۹/۱۸۰)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ گلشن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان غنچہ ہائے سدابہار اور گل ہائے مشک بار سے کیسی محبت رکھتے تھے کہ ظالم حکمرانوں کا خوف بھی اس کے اظہار میں مانع نہ ہوتا تھا۔

لیکن کیا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امت کی یہ محبت اور دربار رسالت مآب میں ان کا یہ درجہ ومقام صرف اسی وجہ سے تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے؟...... یقیناً یہ نسبت بھی اس محبت میں کارفرما ہے، لیکن اس سے بڑھ کر حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسوۂ اور ان کا کردار ہے، جو قیامت تک کے لئے نقش لافانی ہے،

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر اقدس پر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، آپ ایک دفعہ لوگوں کی طرف دیکھتے اور ایک دفعہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اور ارشاد فرماتے، میرا یہ بیٹا سید (سردار امت) ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائیں گے۔

(بخاری: حدیث نمبر: ۳۷۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس وقت ظہور پذیر ہوئی، جب خلیفۂ راشد سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ شام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمان میں آگے بڑھے اور ادھر اہل حجاز اور اہل عراق حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں، عام طور پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکابر تابعین حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اور ان کے مؤقف کے مؤید تھے اور بقول حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہاڑوں کی طرح لشکر جرار حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رکاب میں تھا اور یہ ایسے جان نثار لوگ تھے کہ بہ ظاہر ان کا پشت دکھا کر بھاگنا ہرگز متوقع نہیں تھا، بہ ظاہر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غالب آنے کی توقع زیادہ تھی، لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صلح کی پیشکش ہوئی تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بہت سے رفقاء کی مخالفت بلکہ ایک گونہ طعن وتشنیع کے باوجود اس پر لبیک کہا اور اپنا ہاتھ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں دیا، تاکہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو اور اسلامی دنیا ایک جھنڈے کے نیچے آجائے، اس طرح وہ پیشین گوئی شرمندۂ تعبیر ہوئی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سلسلہ میں فرمائی تھی، یہ کچھ معمولی قربانی نہیں تھی اور اس قربانی نے اسلام کی تاریخ میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی عظمت عطا کی کہ اگر وہ پورے عالم اسلام کے متفق علیہ تاج ور بن جاتے، تب بھی شاید ان کو یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوتا اور لوگوں کے قلوب پر ان کی حکمرانی قائم نہ ہوئی ہوتی۔

چنانچہ ایک بار پھر پورا عالم اسلام ایک جھنڈے کے نیچے آگیا اور ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف علاقوں میں مسلمان فاتحانہ پیش قدمی کرنے لگے، اس سے کوئی حقیقت پسند انکار نہیں کرسکتا کہ ان میں بنوامیہ کے تدبر سے زیادہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایثار کا حصہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید بن معاویہ کے مقابلہ کھڑا ہونا اس لئے نہیں تھا کہ آپ حکومت کی حرص وطمع رکھتے تھے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خانوادۂ نبوی سے نسبت کا جو شرف حاصل تھا، اس پر ہزار حکومتیں قربان اور نچھاور تھیں، بلکہ اصل یہ ہے کہ اسلام جس دور میں آیا، وہ ملوکیت اور خاندانی بادشاہت کا دور تھا، اس وقت کی معلوم دنیا میں جہاں بھی چھوٹی بڑی حکومت تھی، ان کی اساس خاندانی بادشاہت پر تھی، اسلام نے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں کی اصلاح کی، وہیں نظام سیاست کی بھی اصلاح کی اور خلافت کا تصور دیا۔

خلافت میں دو باتیں اہمیت کی حامل ہیں، ایک یہ کہ اس منصب کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو اخلاق وکردار کے اعتبار سے ممتاز حیثیت کا حامل ہو، دوسرے مسلمانوں کے ارباب حل وعقد نے اس کا انتخاب کیا ہو، اسی اصول پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اکابر صحابہ کے مشورے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامزد فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ رکنی کمیٹی بنادی اور ان حضرات نے عام مسلمانوں سے مشورہ اور باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد اہل مدینہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے بہ اصرار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن صحابہ کو اختلاف تھا، وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے بارے میں تھا، ورنہ ان کی لیاقت کے بارے میں کسی کو کلام نہیں تھا اور اس لئے علماء اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک وہی خلیفۂ برحق تھے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ اپنی خلافت کا اعلان نہیں فرمایا، بلکہ اس عہد کے اکابر صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس تیس سالہ خلافت راشدہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھ ماہی عہد خلافت پر مکمل ہوجاتی ہے۔

یزید کی حکمرانی سے ایک نئے طریقہ کا آغاز ہوا کہ بعض ایسے لوگ جو اس سلسلے میں اسلام کے مزاج سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور ان کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل نہیں تھی، انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باور کرایا کہ آئندہ کے لئے یزید کو خلیفہ نامزد کردیا جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس وقت موجود تھے، ان کو حکمرانی کے اس نئے طریقے سے اس قدر اختلاف تھا، جتنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، لیکن بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ کے اندیشہ سے خاموشی اختیار کی اور بعض نے امت کو اختلاف سے بچانے کے لئے بہ کراہت خاطر اس تجویز کو قبول کرلیا، اب اگر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صورت حال پر یہی رویہ اختیار کرتے اور کسی کی طرف سے مزاحمت پیش نہ آتی تو آئندہ یہ بات سمجھی جاتی کہ اسلام میں خلافت ”علی منہاج النبوۃ“ کے ساتھ ساتھ عہد جاہلیت کی مروجہ ملوکیت کی بھی گنجائش ہے، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مزاحمت کو ضروری سمجھا، یہاں تک کہ اپنے رفقاء اور اہل خاندان کے ساتھ نہایت ہی بے دردی سے شہید کردیئے گئے اور قاتلان حسین نے جہاں آخرت میں اپنے لئے اللہ کے عذاب اور ابدی خسران کو محفوظ کرلیا، وہیں دنیا میں بھی قیامت تک کے لئے اہل ایمان کی نگاہ میں ملعون ومغضوب قرار پائے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ مہم بہ ظاہر کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی، لیکن حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معنوی فتح حاصل ہوئی، چنانچہ امت کے علماء وفقہاء اور ارباب نظر آج اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام جس نظام حکمرانی کا داعی ہے، وہ خلافت ہے نہ کہ خاندانی بادشاہت، حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا حصہ اسی بادشاہت کا ہے، لیکن اس کے باوجود آج اسے اسلامی فکر کے خلاف کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور کیوں اس رویہ کو قبول نہیں کیا گیا؟ یقیناً اس میں بڑا حصہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مزاحمت اور اسی راہ میں شہادت کا ہے، ورنہ بعد کے لوگ سمجھتے کہ اس مدت پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہوچکا ہے۔

پس حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسوہ یہ ہے کہ امت کو اختلاف و انتشار سے بچانے کے لئے اپنے اقتدار کی قربانی گوارا کیا جائے اور ایثار سے کام لیا جائے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسوہ یہ ہے کہ جب دین میں کوئی طاقت کمی بیشی کرنا چاہے اور اسلام کی صحیح تصویر کو مسخ کرنے کے درپے ہو تو چاہے اس کے لئے اپنی رگ گلو کٹانی پڑے لیکن بہر قیمت اللہ کے دین اور شریعت کی فکری سرحدوں کی حفاظت کی جائے، آج کے حالات میں یہ دونوں نمونے امت کے لئے مشعل راہ ہیں، امت کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے عہدہ وجاہ کا ایثار اور دین کی حفاظت وصیانت کے لئے اپنی جان عزیز تک کی قربانی!!

☆......☆......☆

قسط نمبر:45

رسول اعظم ﷺ

پروفیسر خیال آفاقی

حیان نے آج بہت مصروف ترین دن گزارا ہے، فجر کے بعد، اپنے درس قرآن وحدیث کے بعد، کچھ دیر زہیر کے ساتھ بیٹھ کر حفظ قرآن کا دور کیا، بعد میں طالبان صفہ کے ساتھ، یمن سے آئی ہوئی کھجوروں کی دعوت شیراز میں شرکت کی، پھر مسجد نبوی سے نکلا تو ابو راقم کے دار التحریر میں جا کر اس سے کچھ نئے رموز کتابت

معلوم کیں، وہاں سے اورام ساعقہ آ کر، اسامہ کو پڑھایا، پھر وہاں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سیدھا زید کے پاس دارالرکب آیا، لیکن وہاں زیادہ دیر نہیں گزارا، ایک ناقہ لے کر چراگاہ کی طرف نکل گیا، وہاں ابوغنم نے حسب معمول بہت گرم جوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا، عاجلہ اوراس کے بچے سے ملاقات کی، جواب بچہ نہیں رہا ہے، بہت تیزی کے ساتھ پروان چڑھ رہا ہے، ابوغنم نے اسے بہت روکا لیکن اس نے معذرت کی اور بھورے رنگ اونٹنی پر بیٹھ کر حدیقہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حدیقہ کے کارکنوں نے اسے دیکھ کر نہایت خوشگوار حیرت کا اظہار کیا اوراس کی تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

"برادران معظم، بجا ہے کہ مجھے آپ لوگوں سے بھی ملنے کا اشتیاق رہتا ہے اوراس وقت کی یہ ملاقات میرے لئے خوشی کا باعث ہے، تاہم میرے یہاں آنے کا ایک مقصد، یہاں کے کنویں سے غسل کرنا بھی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں، آپ اکثر جب بھی یہاں آتے ہیں، اپنا یہ شوق ضرور پورا کرتے ہیں۔

"واقعی جب سے آپ نے اس کنویں کی قدر دانی کی ہے، خود ہمیں اس کے پانی سے پیار ہو گیا ہے۔"

کارکنوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور حیان اپنا شوق پورا کرنے کے لئے کنویں کی طرف چل دیا۔

واقعی غسل کے بعد اس کی طبیعت میں نہایت فرحت اور تازگی پیدا ہو گئی اور اسی راحت کا مزا لیتا ہوا وہ وہاں سے واپس دارالرکب پہنچا اوراب زید کے ساتھ، مسجد نبوی کی طرف واپس ہوا ہے، یہاں عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اس نے قاری شیخ معمر اسعدی کی مجلس قرأت میں شرکت کی اور مغرب کے بعد عشائیہ لینے کی غرض سے، استاد عبدالرحمٰن اور زید کے ساتھ ان کے قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا تو زید نے اسے بتایا۔

"امی حضور کہہ رہی تھیں کہ حیان موسم بدل جانے کے بعد بھی گرم کپڑے پہنے ہوئے ہے، کیا بات ہے اس کے پاس لباس کم ہو گیا ہے کیا؟"

یہی ہوا، جب وہ گھر پہنچے اور کھانے پر بیٹھنے سے پہلے ہی ام زید نے یہی بات کی اور پھر اس کے لئے موسم کی نسبت سے تیار کردہ نیا لباس اسے دیا۔

"تشکر امی حضور" حیان سراپا سپاس بن گیا۔ "اصولاً تو مجھے آپ کی خدمت کرنی چاہئے لیکن۔"

"دیکھو بیٹے، بڑے جب اپنے فرائض ادا کریں تو چھوٹوں کو ان کے معاملات میں روک ٹوک نہیں کرنی چاہئے۔" ام زید نے بزرگانہ شفقت سے کہا اوراب وہ مجلس سیرت میں شریک ہوا ہے تو استاد عبدالرحمٰن نے بھی اسے مشفقانہ انداز میں سمجھایا۔

"بیٹا، تم ہماری اولاد کی طرح ہو، ابھی حصول تعلیم میں مصروف ہو، ان شاء اللہ حصول معاش کا وقت بھی آئے گا تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی راہ نکال دیں گے۔" پھر اس کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"ہاں یہ بتاؤ، ہم نے گزشتہ نشست کہاں برخاست کی تھی؟"

"آپ نے استاد گرامی، حضرت کعب بن زہیر کے اسلام لانے اوران کا قصیدہ بانت سعاد پیش کرنے کے واقعے پر اختتام کیا تھا۔"

"ہاں، درست ہے۔ اب ہم نو ہجری میں داخل ہو رہے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا واقعات پیش آئے اوران کی کیا تفصیلات ہیں۔" استاد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ اسلام اور خصوصاً سیرت کے واقعات کے بیان کا بڑا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ حیان تو اس کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم سمجھتا ہے کہ اسے استاد عبدالرحمٰن جیسی عالم دین شخصیت کی صحبت و شفقت میسر آئی ہے۔

"اس ہجری میں یوں تو کئی واقعات ایسے رونما ہوئے جو تاریخ اسلام میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں غزوۂ تبوک خصوصاً سرفہرست ہے۔" استاد عبدالرحمٰن نے تمہید باندھی اور کہنے لگے۔

"فتح مکہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں قیام فرما ہوئے کوئی چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے، آپؐ صحابہ کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ دین میں مصروف ہیں، اسلام کی وسعت کا سلسلہ روز و شب جاری ہے، کہیں نہ کہیں سے کوئی نہ کوئی خوش نصیب، مسجد نبویؐ میں آتا ہے اور آپؐ کے دست حق پرست پر بیعت کرتا اور دائرہ اسلام میں شامل ہوتا ہے کہ اسی دوران میں یکایک امن کی فضا حالت جنگ میں بدل جاتی ہے۔ ملک شام سے تاجروں کا ایک قافلہ روغن زیتون اور میدہ فروخت کرنے مدینہ آیا ہے۔ ان کے ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ شاہ روم ایک لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ کئی قبائل لخم، جذام اور غسان وغیرہ بھی اس کے ساتھ ہو گئے ہیں، بلکہ علاقہ عاملہ کے نصرانی عرب قبائل نے بھی اس مہم میں اس کے ساتھ شمولیت اختیار کر لی ہے۔" ان تاجروں سے مزید معلومات پر یہ خبریں بھی ملی ہیں کہ لشکر کا ہراول دستہ بلقاء کے مقام تک آن پہنچا ہے۔" یہ تاجر اپنی اطلاعات میں اس افواہ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں کہ "عرب کے نصرانیوں نے شاہ روم پر ہرقل کو بذریعہ مکتوب اطلاع دی ہے کہ عرب کے مدعی نبوت کا (خاکم بدہن) انتقال ہو چکا ہے اوراس کے پیرو اور مقلدین آج کل قحط اور افلاس کا شکار ہیں، لہٰذا اس عالم میں ان کے ملک پر بہ آسانی قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہرقل نے ان کی اس تجویز پر فوری عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ اپنی سپاہ کے قباد نامی سالار کی سرکردگی میں چالیس ہزار کا لشکر ترتیب دے کر مدینہ کی طرف روانہ کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ فوجیوں کو پورے سال کی تنخواہ بھی پیشگی دے دی گئی ہے۔ دراصل ہرقل کی اس جارحانہ سوچ میں اُبال کے کئی اسباب ہیں۔ ایک یہ کہ یہود بطور طنزاً اکثر یہ کہتے رہتے ہیں کہ "محمدؐ نبی ہیں تو انہیں سرزمین شام کا رخ کرنا چاہئے جو ارض الانبیاء بھی ہے اور ارض محشر بھی۔ تو ہرقل کو خدشہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی ادھر کا رخ نہ کر لیں۔ ہرقل کے جنگی جنون کا دوسرا سبب یہ ہے کہ موتہ کے معرکہ میں مسلمانوں نے اپنی قلیل تعداد کے باوجود اپنے نامی گرامی سرفروش سپہ سالاروں کی قربانی دے کر رومیوں کے ایک کثیر لشکر کو کامیاب نہیں ہونے دیا بلکہ انہیں پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ لہٰذا وہ اپنی اس ذلت پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہے، اس لئے چاہتا ہے کہ کسی طرح اس ہزیمت کا انتقام لیا جائے۔ اس کے علاوہ قیصر روم کو فتح مکہ اور ہوازن کی مسلمانوں کے ہاتھوں شکست نے بھی پریشان کر دیا ہے اور اس کو یہ خدشہ لاحق ہونے لگا ہے کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کہیں اس کی سلطنت کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔ چنانچہ اس نے عرب کی سرحدوں پر اپنے باج گزار عرب نژاد عیسائی قبائل کو چوکنا کر دیا ہے۔ اس کو ان خدشات میں مبتلا کرنے اور مسلمان کے خلاف جنگ پر اکسانے کا سہرا اس فاسد اور فاسق ابوعامر کے سر ہے جو غزوۂ احزاب یعنی جنگ خندق کے بعد، قیصر روم کے پاس چلا گیا تھا اور وہاں بیٹھ کر مدینہ کے منافقین سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے ہے، تمہیں یاد ہوگا، یہ وہی شخص ہے جس نے نبی علیہ السلام کی یثرب میں آمد سے قبل، لوگوں پر اپنے زہد و تقویٰ کا جھوٹا سکہ بٹھا رکھا تھا۔

"جی مجھے یاد آتا ہے، بلکہ جنگ احد میں اس نے قریش کی طرف سے حصہ لیا تھا۔"

"ہاں یہ وہی فاسق ہے جو کافی دنوں سے قیصر روم کے زیر عاطفت رہ کر منافقین مدینہ کو خفیہ طریقہ سے سازشی مشورے دیتا چلا آ رہا ہے۔ اسی کے مشورے پر بعد میں منافقین نے مسجد ضرار تعمیر کی، جہاں یہ جمع ہو کر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کی نئی منصوبہ سازی کرنے لگے تھے۔ یہی ابو عامر بدبخت، قیصر روم کو بھی مسلمانوں کے خلاف ورغلاتا آ رہا ہے، اور

اب فتح مکہ اور ہوازن کی شکست کے بعد اس نے تیزی سے اپنے آقا کو کہنا شروع کردیا ہے کہ "جلدی کریں ابھی وقت ہے، مسلمانوں کو کچل دو، ورنہ اگر یہ اور زیادہ طاقت ور ہوگئے تو پانی سر سے گزر چکا ہوگا، مسلمان یہاں تک پہنچ سکتے ہیں اور آپ کی سلطنت خطرے میں پڑ جائے گی۔" یہ ہیں وہ اسباب جو قیصر روم کو جنگی عزائم پر اکسا رہے ہیں اور اہل مدینہ کو ایک طرح کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کب رومی فوجیں یلغار کردیں۔ تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اطلاع کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔

"تم نے توریہ کے بارے میں اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ اس کی کیا تعریف ہے۔"

"جی ہاں، یہ ایک جنگی حکمت عملی ہے جسے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپناتے رہے ہیں۔"

"جب بھی آپ کسی مہم پر نکلتے ہیں، تو صرف جہاد کی تیاریوں کا اعلان فرماتے ہیں، کہاں جانا ہے اور کس سے مقابلہ کرنا ہے، اس کو آپ نے ہمیشہ آخر تک پوشیدہ رکھا، یعنی اصل منزل کے لئے معروف و مانوس راستوں کی بجائے غیر سمت راستہ اختیار فرمایا اور اس طرح دشمن تک اچانک پہنچ کر اسے حیران و پریشان کردیا۔ لیکن اس بار آپ نے جناب بلالؓ کو کھل کر اعلان کرنے کا حکم فرمایا۔ رومیوں سے مقابلہ ہے اور منزل کی بھی نشاندہی فرمادی گئی کہ تبوک کا مقام ہے۔ یقیناً اس میں حکمت یہ ہے کہ مجاہدین، ذہنی طور پر خود کو اس بات کے لئے تیار کرلیں کہ دور دراز کا سفر ہے اور حالات بھی نامساعد ہیں اور یہ کہ اس طاقتور مملکت سے ٹکر لینی ہے جس کی نصف دنیا پر حکمرانی ہے۔ اس غزوہ کی ایک اور انفرادیت یہ ہے کہ سالار اعظمؐ کی قیادت میں، عرب سے باہر کسی مہم پر جانے کا یہ پہلا موقع ہے۔" استاد عبدالرحمٰن تاریخ بیان کرتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرکز بیان رکھتے ہوئے، واقعات کے دیگر پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کا شاگرد عزیز جو دل و جان سے سیرت رسولؐ سے آگاہی پر توجہ دے رہا ہے، کسی ایسے جزو سے محروم و بے خبر نہ رہ جائے جو تحریک اسلامی اور نبی علیہ السلام کی دفاعی سعی و عمل سے اہم تعلق رکھتا ہے۔

"عزیز بیٹے یہ غزوہ جو تبوک کے نام سے تاریخ کا حصہ ہے، ایک مقام سے موسوم ہے، یہ جگہ، یعنی تبوک، اگر ہم مدینہ سے شام کی طرف سفر کریں تو راستے میں شہر دمشق کے وسط میں واقع ہے۔ اس طرح مدینہ سے تبوک تک کوئی چودہ منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں اس مقام کو، قرآن کریم میں بیان کردہ اصحاب ایکہ کا مسکن بھی بتایا گیا ہے۔ جن کی طرف شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ یہ جگہ اپنے ایک چشمہ تبوک کے نام پر ہی کہلاتی ہے، اور اسی نام سے یہاں ایک قلعہ واقع ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک انتہائی اہم مہم ہے۔ ایک طرف فاصلہ دور دراز کا ہے، دوم، قیصر روم کی طاقتور اور تجربہ کار فوج سے مقابلہ کرنا ہے، تعداد کے لحاظ سے گو فتح مکہ اور حنین میں کامیابی نے مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ کیا ہے، تاہم اب بھی مسلمانوں اور رومیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ موسم بھی شدید گرم ہے اور سب سے قابل ذکر بات یہ کہ مدینہ اور آس پاس کا سارا علاقہ ان دنوں قحط کا شکار ہے، کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں، لوگ، گھن لگے جو، کرم خوردہ کھجوریں اور بدبودار چربی کھانے پر مجبور ہوگئے ہیں، نئی فصل کے پکنے اور کھجوروں کے اتارنے کا وقت قریب آن لگا ہے۔ اس عالم میں رسول اللہ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا تو عمرؓ جیسے جری بہادر نے بھی اپنی رائے اس غزوہ کے حق میں نہیں دی۔ "یارسول اللہ ان حالات میں اس مہم کو موقوف رکھا جائے تو بہتر ہے۔" لیکن رسول اعظمؐ نے پورے پیغمبرانہ عزم اور تائیدایزدی کے ساتھ اہل ایمان کو جہاد پر نکلنے کا حکم فرمادیا اور کئی صحابہ کو اپنے اپنے قبائل کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں سے لشکر جمع کرکے لایا جاسکے۔ اس

کے ساتھ ہی آپؐ نے جنگی اخراجات کے لئے مالی امداد کا بھی عام اعلان فرمادیا کہ خصوصاً ان نادار اور مفلس غازیوں کو، جو جہاد میں شرکت کا جذبہ رکھتے ہیں، اسلحہ فراہم کیا جاسکے اور ترغیب دلائی کہ اس مہم میں نہ صرف جان سے بلکہ مال سے بھی شمولیت اختیار کرنی ہے۔ فرمایا: "دنیاوی زندگی کا سرمایہ آخرت میں بہت ہی کم ہے۔" آپؐ کے بار بار اس طرف توجہ دلانے پر صاحبان ایمان میں ایک جوش و خروش پیدا ہوا اور عطیات جمع ہونے شروع ہوگئے ہیں۔

لیکن اس سے قبل کہ ہم غزوۂ تبوک میں شامل ہوں، پلٹ کر ایک نظر اس حقیقت پر ڈالتے ہیں کہ اسلام کے اولین مخالفین تو خود قریش، یعنی رسول اللہ کے ہم قبیلہ اور آپ کے ہم وطن تھے، پھر اس کے بعد عرب قبائل کی دوسری قوتوں نے اسلام کی مخالفت کی اور اس تحریک کو دبانا چاہا، پھر اہل کتاب، خصوصاً یہود تو، مخالفت و مخاصمت میں، ان سب سے بازی لے گئے جبکہ اصولی طور پر ان کی طرف سے اس طرح کے طرز عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، کیونکہ رسول آخر کی آمد کا مژدہ تو یہی سناتے آئے تھے اور ان کے علماء، رسول موعود کی جو نشانیاں بیان کرتے رہے ہیں، وہ سب اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں واضح طور پر نظر آچکے ہیں، لیکن بدنصیب گروہ نے پھر بھی حق سے انکار کیا اور نہ صرف خود بلکہ اوروں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اکسایا اور اس کام میں ان سود خور اور زر پرستوں نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے، تاہم اللہ اپنے رسول کو ان تمام مخالفین اور سازشی گروہ کے شر سے محفوظ رکھتا اور ان سب طاقتوں کے مقابل آپ کو کامیاب و کامران کرتا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ اب یہودیوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے، ان کی سازشوں میں وہ پہلا سا دم خم نہیں رہا، قریش نے سپر ڈال دی ہے، مکہ فتح ہوگیا ہے، آس پاس کے اکثر قبائل بھی محاذ آرائی سے باز آگئے ہیں، خصوصاً طاقتور قبیلہ ہوازن مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھاچکا ہے اور اب مسلمانوں کو عرب سے باہر کی بڑی طاقتوں کی مخالفت اور دشمنی کا سامنا ہے، یعنی روم ایسی بڑی طاقت نے مسلمانوں کو للکارا ہے اور رسول اللہ نے دشمن کے اس مجادلہ کو قبول فرمالیا ہے اور اب علی الاعلان جنگ کی تیاریوں میں پورے زور و شور سے مصروف ہیں۔

یاد رہے، رومی سلطنت کے ساتھ کشمکش کی ابتداء، فتح مکہ سے پہلے ہی ہوچکی ہے، نبی علیہ السلام نے صلح حدیبیہ کے بعد، دعوت اسلام کی اشاعت کے لئے جو وفود عرب کے مختلف حصوں میں روانہ کئے، ان میں سے ایک شمال کی جانب، شام کی سرحد سے متصل جو قبائل آباد ہیں، ان کی طرف بھی گیا تھا، ان قبائل میں زیادہ تر عیسائی ہیں اور یہ رومی سلطنت کے زیر اثر ہیں، جب اسلامی تبلیغی وفد ان کے پاس پہنچا تو ذات اطلح کے مقام پر وفد کے پندرہ افراد کو ان ظالموں نے قتل کردیا، صرف رئیس وفد کعبؓ بن عمیر غفاری ان کے ہاتھ سے بچ کر واپس آسکے، دوسرا سانحہ یہ ہوا کہ انہی دنوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بصریٰ کے رئیس، شرجیل بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام بھیجا، جو عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا ہے اور اس سفاک نے بھی آپؐ کے سفیر حارثؓ بن عمیر کو قتل کرادیا اور یہ بھی براہ راست قیصر روم کے تابع ہے اور نبی علیہ السلام نے ان واقعات کا سخت اثر لیا اور تمہیں یاد ہوگا، جمادی الاولیٰ آٹھ ہجری میں تین ہزار مجاہدین کی فوج شام کے سرحدی علاقے میں روانہ کی گئی، تاکہ رومیوں کو غلط فہمی نہ ہو کہ مسلمان بالکل ہی نرم چارہ ہیں اور اپنے مقتولین کے بدلے کی طاقت نہیں رکھتے، لیکن جب مسلمان، لعان کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا، شرجیل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لئے مقابلہ پر آرہا ہے اور خود قیصر روم بھی حماص کے مقام پر موجود ہے اور اپنے بھائی تھیوڈور کی قیادت میں ایک لاکھ کی مزید

فوج روانہ کرچکا ہے، ان اطلاعات کے باوجود، یہ تین ہزار کا مختصر سا دستہ آگے بڑھتا گیا اور موتہ کے مقام پر شرجیل کی ایک لاکھ فوج سے جاٹکرایا۔ باقی کے حالات تم پہلے ہی سن چکے ہو کہ کس طرح مسلمانوں کے تین سپہ سالاروں کی شہادت کے باوجود، حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی جنگی حکمت عملی اور اللہ کی مدد سے مسلمان مجاہدین کو دشمن کے نرغہ سے بحفاظت نکال لائے، ورنہ ایک اور تینتیس کے اس مقابلہ میں مسلمان بالکل ہی پس کر رہ جاتے، اس معرکہ میں گو بظاہر مسلمانوں کی فتح نظر نہیں آتی تو ہزیمت بھی نہیں ہوئی، اس بات کو خود رومیوں نے بھی سمجھ لیا ہے کہ مسلمان پسپا نہیں ہوئے بلکہ تعداد میں کمی کے باوجود انہوں نے نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور ان کے سالاروں نے میدان میں لڑ کر جانیں دیں اور محاذ بھی چھوڑا تو یہ ایک سپاہیانہ تجربہ کار جنگی حکمت عملی ہے، اسے پسپائی نہیں کہہ سکتے، ان باتوں نے قیصر اور اس کے زیر اثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو چونکا کر رکھ دیا اور مسلمانوں کی اسی تہورانہ کارکردگی کے سبب شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد عرب قبائل بلکہ عراق کے جوار میں بسنے والے نجدی قبائل کو بھی جو کسریٰ کے زیر اثر ہیں، اسلام کی طرف متوجہ کردیا اور تم دیکھ چکے ہو کہ اس کے بعد ہی ان میں سے ہزاروں افراد مسلمان ہوئے، مثلاً بنی سلیم جن کے سردار عباس بن مرداس ہیں، دوسرے قبائل اشجع، غطفان، ذبیان اور فزارہ بھی اسی واقعہ کے بعد اسلام میں داخل ہوئے، بلکہ اس دوران میں سلطنت روم کی عربی فوج کا ایک سالار فزدہ بن عمرو الجذامی بھی مسلمان ہوا، بلکہ اس نے اپنے ایمان کا ایسا اثر انگیز مظاہرہ کیا کہ گردو پیش کے سارے علاقے اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔" حیان منتظر نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ استاد صاحب کو اپنے شاگرد کی بیتابی کا احساس ہے، فوراً کہنے لگے۔ "قیصر روم کو جب فزدہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے اسلام قبول کرلیا ہے تو اسے گرفتار کرا کے دربار میں بلوایا اور کہا۔ "دو باتوں میں سے کوئی ایک منتخب کرلو! یا تو اسلام ترک کردو کہ نہ صرف رہائی ملے گی بلکہ سابقہ عہدے پر بحال بھی کردیا جائے گا اور اگر اسلام پر ہی رہنا ہے تو پھر موت کو گلے لگانا ہوگا، بولو کیا منظور ہے؟"

"اللہ اللہ، ایمان جب دل میں جگہ کرلے تو پھر موت ثانوی چیز ہوکر رہ جاتی ہے، مومن اللہ کے سوا کسی اور کے خوف کو خاطر میں نہیں لاتا، اس مرد مومن فزدہ نے آنکھیں بند کرکے نہایت اطمینان قلب کے ساتھ اپنے ایمان کے حق میں فیصلہ سنادیا، موت قبول کرلی لیکن ایمان کو دل سے نہیں جانے دیا۔ یہ ہے وہ واقعہ، جس نے قیصر کی نیندیں اڑادیں اور وہ اسلام کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ محسوس کرنے لگا اور اب یہی وجہ ہے کہ اس نے بہت تیزی کے ساتھ شام کی سرحد پر غسانی اور دوسرے اپنے ماتحت قبائل کو فوجی تیاریوں کا حکم دے دیا ہے، نبی علیہ السلام کے لئے ان کے اجتماع کی خبریں متوقع ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت اپنے گردو پیش سے باخبر رہتے اور ہر اس چھوٹی چھوٹی بات پر بھی نظر رکھتے ہیں، جس کا اسلامی تحریک پر کچھ بھی موافق یا مخالف اثر پڑسکتا ہے، چنانچہ جیسے ہی آپ کو شمالی سرحدوں پر فوجی اجتماع کی اطلاع ملی، آپؐ نے فوراً سمجھ لیا کہ اس کا کیا مطلب ہے، آپؐ نے بلاتردد، قیصر روم کی طاقت سے ٹکرانے کا ارادہ فرمالیا، حقیقت یہ ہے کہ اگر اس وقت ذرا بھی مصلحت سے کام لیا اور ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی گئی تو اب تک کی وہ تمام کامیابیاں متاثر ہوسکتی ہیں، جو تحریک اسلامی کے نام ہوئی ہیں، مثلاً عرب کی دم توڑتی جاہلیت پھر سے آنکھیں کھول سکتی ہے، فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں مخالفین پر لگائی گئی آخری ضرب کا اثر زائل ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ منافقین مدینہ، جن کے سرداروں بالخصوص راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے، قیصر روم کی گود میں بیٹھے ہوئے ابو عامر راہب سے ساز باز کر رکھی ہے، قیصر کو

مدینہ پر یلغار کی دعوت دینے میں ذرا بھی عار نہیں کرے گا، ان تمام خطرات کی متحدہ یورش کے سبب اسلام کو خاکم بدہن جیتی ہوئی بازی ہارنے کا خدشہ ہے، تاہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فہم و فراست کے آگے دشمن کی چال بازیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں، آپ فوراً ہی ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے اور سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے اس سے قبل کہ وہ آگے بڑھیں، خود ہی پیش قدمی اور پنجہ آزمائی کا عزم کرچکے ہیں۔ موسم کی شدت اور بے سروسامانی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جنگ کی تیاریاں شروع کرادی گئی ہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے کہا، آپ نے خلاف معمول کھل کر اعلان فرمادیا ہے کہ مقابلہ کس سے ہے اور کہاں ہونا ہے۔ ادھر عرب جاہلیت کے بچے کھچے پرستار آپ کے اس فیصلہ کو اپنے لئے امید کی آخری کرن سمجھ رہے ہیں، ان کی نظریں اس معرکہ پر لگ گئی ہیں کہ دیکھیں اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، سوچ رہے ہیں، کاش نتیجہ ان کی خواہش کے مطابق نکل آئے، یہ اس انتظار میں ہیں کہ قیصر جو کسریٰ کو شکست دینے کے بعد پورے علاقہ پر اپنا رعب و دبدبہ قائم کرچکا ہے، محمد کی اس بے سروسامان فوج کا شیرازہ کب بکھیرتا ہے اور کب ان کے دل کی مراد پوری ہوتی ہے۔

ادھر منافقین مدینہ بھی اپنی ریشہ دوانیوں سے باز نہیں آئے ہیں، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے رواداری اور چشم پوشی کے کئی واقعات تم سن چکے ہو، تو اب بھی آپ نے انہیں نظر انداز کردیا ہے، اس لئے کہ اس وقت روم ایسی بڑی طاقت نے مسلمانوں کو للکارا ہے اور رسول اللہ نے دشمن کے اس مجادلہ کو قبول فرماچکے ہیں اور علی الاعلان جنگ کی تیاریوں میں پورے زوروشور سے مصروف ہیں لیکن منافقین کا گروہ اپنی عادت بد کے مطابق اپنی سازشوں میں سرگرم ہے، ایک طرف ان کا رابطہ رئیس فاسقین ابو عامر سے ہے جو ہرقل کے پاس ٹھہرا ہوا ہے اور وہاں سے انہیں نئی نئی سازشوں کی تیاری کا سبق دیتا رہتا ہے، دوسری طرف یہ منافقین مسلمانوں کو جہاد سے روکنے اور باز رکھنے کی مکروہ کوشش کررہے ہیں۔

"یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے، یہ کیا کرنے جارہے ہو! روم جیسی طاقت سے ٹکر لینے چلے ہو اور وہ بھی اس شدید موسم میں! جبکہ فصلیں تیار ہیں اور مدینہ کو قحط اور بدحالی نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے اور پھر رومیوں کی عسکری قوت کا قریش اور عرب کے دوسرے لشکر کے ساتھ کیا موازنہ! ہم نے ان کا جاہ و چشم دیکھا ہے، ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ تم میں سے جو کوئی اس جنگ میں جائے گا، زندہ واپس نہیں آئے گا۔"

ان سے زیادہ مدینہ کے منافقین کی نظریں اس جنگ کے نتیجے پر لگی ہوئی ہیں، انہیں تو پورا یقین ہے کہ بہت جلد مسلمانوں کو رومیوں کے ہاتھوں شکست فاش ہونے والی ہے، ان کی پختہ یقینی کا عالم یہ ہے کہ ابھی سے جشن کی تیاریاں شروع کردی گئی ہیں، عبداللہ بن ابی کا دیرینہ خواب پورا کرنے کے لئے دوبارہ اس کے تاج زریں کی گرد جھاڑ کر اسے چمکایا جارہا ہے۔

یہ منافقین اپنی مجلسوں میں بیٹھے نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور تضحیک کے ذریعہ اپنی دانست میں ان کی ہمتیں پست کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

"کیا رومیوں کو بھی عربوں کی طرح سمجھ رکھا ہے، دیکھ لینا، یہ بہادر جو تمہارے ساتھ مل کر رومیوں سے لڑنے یہاں جمع ہوئے ہیں، کل رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے۔" اسی وقت ایک دوسرا منافق گرہ لگاتا ہے۔

"اور اس پر مزا یہ ہو کہ سو سو کوڑے لگانے کا حکم بھی صادر کیا جائے۔" ان سیاہ کاروں کی زبانیں اس قدر دراز ہورہی ہیں کہ حضور نبی کریم کو جنگ کی سرگرم تیاریاں دیکھ کر ایک بدبخت تو اپنے دوستوں کے ساتھ سرگوشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"آپ کو دیکھئے، آپ روم و شام کے قلعے فتح

کرنے چلے ہیں۔"

کئی مسلمان ان کی اندرونی خباثت کو پہچان نہیں پائے ہیں اور نام نہاد نیک مشوروں پر سنجیدگی سے سوچنے لگے ہیں، لیکن قرآن نے ان کی منافقت کو بے نقاب کردیا۔ فرمایا۔ "یہ منافق کہتے ہیں کہ اس گرم موسم میں مت جاؤ۔ اے نبی آپ انہیں بتادیجیے، جہنم کی گرمی اس سے زیادہ سخت ہے، اگر تم سمجھوتو۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا کہ یہ لوگ جو مسلمانوں کو گرم موسم میں جہاد پر نکلنے سے روک رہے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے اندر ذراسی بھی عقل ہے تو سوچو، اس مکروہ فعل کے نتیجے میں تمہیں جس دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا، اس کی شدت اس موسم گرما سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔ ادھر ابو عامر فاسق نے اپنے اس بدنہاد شاگردوں کو ایک مکتوب کے ذریعے مشورہ دیا ہے کہ "تم مسجد نبوی میں جانے کے بجائے، اپنے ہی محلّہ اور علاقے میں مسجد کے نام سے ایک ٹھکانا بنالو، اس طرح وہاں محفوظ بیٹھ کر آزادی سے اپنی گروہ بندی اور منصوبہ سازی کر سکتے ہو، کیونکہ مسلمانوں کو مسجد پر شک نہیں ہوگا، بلکہ میرے مخبروں پر بھی شک نہیں کرسکیں گے، جو وہاں مسافروں کی حیثیت سے ٹھہریں گے۔" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بہت عجلت کے ساتھ مسجد کے نام پر ایک چار دیواری بناڈالی، لیکن مدینہ میں مسجد نبوی اور مضافات میں مسجد قبا کے علاوہ کسی تیسری مسجد کا قیام کوئی معمولی بات نہیں، یہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور ان میں تفریق، دوریاں اور علاقیت پیدا کرنے کے مترادف فعل ہے، اس وجہ سے انہوں نے ایک جواز تراشا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی۔

"یا رسول اللہ، ہمارے بیمار، کمزور اور عمر رسیدہ لوگوں کو خصوصاً بارش کے دنوں میں یہاں آتے ہوئے دشواری ہوتی ہے، اس وجہ سے ہم نے اپنے ہی محلّہ میں ایک مسجد تعمیر کی ہے، آپ تشریف لے چلئے اور کوئی نماز وہاں ادا کیجیے تاکہ برکت ہو!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست پر صرف اتنا فرمایا۔ "غزوہ سے واپسی پر دیکھوں گا ان شاء اللہ!" بہر حال یہ جگہ، جسے آج ہم مسجد ضرار کے نام سے یاد کرتے ہیں، منافقین کے اجتماع اور ان کی سازشوں کا اڈا بن گئی، دراصل نبی علیہ السلام جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہیں، اس لئے آپؐ نے بظاہر منافقین کی اس بے وقت ضرورت پر توجہ نہیں فرمائی اور اسے غیر اہم اور غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز فرمادیا، کیونکہ اس وقت آپ کی تمام تر توجہ اس نازک ترین صورت حال پر مرکوز ہے، آپ جنگی ساز وسامان کی خریداری کے لئے عطیات کا اعلان فرما چکے ہیں، صحابہ کرام آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دل کھول کر عطیات جمع کر رہے ہیں، ایثار و قربانی کے وہ وہ مناظر دیکھنے کو مل رہے ہیں کہ تاریخ انہیں محفوظ کرنے میں رشک محسوس کررہی ہے، اہل ایمان میں سے سب ہی رسول اللہ کے اعلان پر اپنی اپنی بساط سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر، جس کو جو بن پڑ رہا ہے، نقد و مال کی صورت میں آپؐ کے سامنے لا لاکر ڈھیر کررہے ہیں، لیکن کبائرِ صحابہؓ کی بات ہی کچھ اور ہے، حضرت عمرؓ ارشاد رسولؐ سن کر ارادہ کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ ہمیشہ اور ہر بات میں ان سے سبقت لے جاتے ہیں، لیکن اس بار عمر کسی کو اپنے سے آگے نہیں نکلنے دے گا، ان کا یہ عزم اس لئے بھی ہے کہ ان دنوں ان کی تجارت ماشاء اللہ بہت زوروں پر ہے، فوراً گھر تشریف لے جاتے ہیں اور خاصا مال و اسباب لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"اے عمر! اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا؟" عرض کیا۔ "اسی قدر۔" یعنی وہ اپنے کُل مال و اسباب کا نصف گھر چھوڑ آئے اور نصف آپ کی خدمت میں لے آئے ہیں۔ "اللہ اللہ، اس نصف تقسیم سے ان کے بارے میں ایک نکتہ یہ سامنے آتا ہے کہ ان کے اندر شروع سے ہی عدل کا عنصر بدرجہ اتم موجود تھا۔" استاد صاحب نے سمجھایا اور کہنے لگے۔ "ادھر یہ دل ہی دل میں ایک روحانی لذت سے ہم کنار ہورہے ہیں کہ آج وہ تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت صدیقؓ سے بھی سبقت لے گئے ہیں کہ اسی اثنا میں حضرت صدیق اکبرؓ بھی اپنا مال واسباب اٹھوائے آتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کردیتے ہیں تو قمیص کے بوطام کی جگہ ببول کے کانٹے لگا رکھے ہیں، لگتا ہے بوطام بھی اثاثہ میں شامل کردیئے گئے ہیں، نبی کریم دریافت فرماتے ہیں۔

"اے ابوبکر کچھ اہل واعیال کے لئے بھی پس انداز کیا ہے؟" عرض کیا۔ "غلام کے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ کافی ہے۔" صدیق کا جواب سن کر طمانیت آپ کے چہرے پرنور کا حصہ بن جاتی ہے، فرماتے ہیں۔

"اے عمرؓ تمہارے اور ابوبکرؓ کے مابین مراتب کا یہی فرق ہے۔" عمرؓ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں۔ "صدقت یا رسول اللہ" پھر صدیق اکبرؓ سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں۔ اے ابوبکر "آپ سے کوئی سبقت نہیں لے جاسکتا۔"

"سبحان اللہ، کیا محبت ہے آپس میں اور کیا جذبۂ ایثار رکھتے ہیں دلوں میں۔" حیان تحسین کئے بغیر کیونکر رہ سکتا ہے کہ شمع رسالت کے پروانے ہیں ہی ایک دوسرے کے لئے عزت و محبت کے پیامی۔

"دیگر صحابہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حاضر ہوئے، عرض کرتے ہیں۔ "یا رسول اللہ، میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں، میں نصف اللہ کو قرض دیتا ہوں۔" نبی اکرمؐ دعا فرماتے ہیں۔

"بارک اللہ" چنانچہ یہ آپؐ کی دعائے مبارکہ کی برکت ہے کہ انتقال کے وقت جو ورثہ چھوڑا، وہ لاکھوں میں تھا، اسی طرح حضرت عباس، طلحہ، سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ایک صحابی حضرت عاصمؓ بن عدی نے ایک سو وسق وزن کی کھجوریں پیش کیں، لیکن اس جگہ ہم ایک اور منظر دیکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔"

ایسے وقت میں استاد صاحب کی آنکھوں میں ایک خاص امنگ پیدا ہوجاتی ہے اور حیان کا شوق سماعت تو غازہ بن کر اس کے چہرے پر پھیل جاتا ہے، گویا اس کے بلالی رنگ کو اس کے اندر کی روشنی نے ابھی ابھی وضو کرایا ہو، استاد صاحب بتاتے ہیں۔

"داماد مصطفیٰؐ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تم شروع میں سن چکے ہو کہ وہ کم عمری سے ہی تجارت سے وابستہ چلے آئے ہیں اور لوگ ان کو ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے ہیں جبکہ مسلمانوں پر ان کے مالی احسانات کی ایک طویل فہرست ہے، اس وقت جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی مبارزت قبول فرمائی ہے اور آپ دفاعی تیاریوں میں مصروف ہیں، حضرت عثمانؓ ایک تجارتی قافلے کو ملک شام کی طرف جانے کے لئے تیار کررہے ہیں، تو جیسے ہی نبی علیہ السلام کا عطیات سے متعلق اعلان سنا، فوراً حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ دو سو اونٹ اور دو سو اوقیہ چاندی آپؐ کی نذر ہے، آپ لشکر کی تیاری شروع کیجیے!" اس وقت حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہیں، مہم معمولی نہیں، بلکہ بہت نزاکت کی حامل ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تسلسل اور تکرار کے ساتھ مسلمانوں سے عطیات جمع کرنے کے لئے پُرزور انداز میں فرما رہے ہیں، عثمان غنی نے کھڑے ہوکر عرض کی۔

"یا رسول اللہ مزید سو اونٹ مع ساز وسامان کی پیش کش قبول فرمائیے۔" یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مسرت سے گلنار ہوگیا۔ آپؐ منبر سے اتر کر تشریف لائے اور فرمایا۔ "اس کے بعد، اب کوئی عمل عثمان کو نقصان نہیں پہنچاسکتا۔" اسی وقت عثمان غنیؓ نے آستینوں میں بھرے ہوئے ایک ہزار دینار آپؐ کے حضور

ڈھیر کردیئے، چہرہ انور مزید چمکنے لگا۔ فرط مسرت سے، دست مبارک میں دینار اٹھاتے ہیں، الٹتے پلٹتے ہیں اور کلمۂ تحسین دعا بن کرایک بار پھر لب مبارک پرآجاتا ہے۔

"عثمان! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے، تم نے کس قدر خوش کیا اور کس قدر غنی کردیا۔"

"اللہ اللہ، استاد محترم، سیدنا عثمان ؓغنی کیسے خوش نصیب ہیں کہ اللہ کے رسول آپؐ سے اتنے خوش نظر آتے ہیں۔"

"ہاں بیٹا انہوں نے مال و دولت دے کر بہت بڑی کمائی کرلی، جو مال وزر انہوں نے اس مہم میں عطیہ کیا، گواس کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن جو اللہ کی رضا اور اللہ کے رسول کی خوشی انہیں حاصل ہوئی، وہ بے بدل ہے، میں تمہاری معلومات کے لئے بتانا چاہتا ہوں کہ وقفہ وقفہ سے پیش کئے جانے والے حضرت عثمان کے عطیات کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ ایک بار دوسو اوقیہ چاندی اور دوسواونٹ پیش کئے۔ پھر ستر ہزار درہم کا عطیہ دیا۔ پھر ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نذر کئے اور پھر مزید، سات سواوقیہ سونا ہدیہ کیا، تو یونہی آپ غنی کے لقب سے نہیں نوازے گئے۔"

"بے شک، اللہ تعالیٰ ان کے مراتب عالیہ کو اور عظمت بخشے۔" حیان نے دامن دل پھیلا کر دعا کی اور استاد صاحب سرشار انداز میں کہنے لگے۔

"یہ توصحابۂ کرام ہیں، اب صحابیات کا جوش ایمانی بھی ملاحظہ کرتے ہیں، کہ یہ بھی جذبۂ ایثار میں مردوں سے کم نظر نہیں آتیں۔" استاد صاحب پہلو بدلتے ہوئے بولے اور حیان بہ شوق، مزید منہمک ہوکر سماعت کا منتظر ہوگیا۔

"بیٹا تمہیں شاید ابھی اس بات کا تجربہ نہیں کہ عورت کے لئے زیور کتنا پسندیدہ اور محبوب ہوتا ہے، لیکن یہ دین و ایمان والی پاک طینت بیبیاں اللہ اور رسولؐ کے ایک حکم پر ایسے ہزار زیور نثار کرنے پر تیار ہیں، آؤ ذرا نبیٔ محترم کے حرم میں داخلہ کی جسارت کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ یہاں کیا منظر ہے، ام المومنین کا حجرہ مقدسہ ہے، حضور نبی کریم تشریف فرما ہیں، آپ کے سامنے ایک کپڑا پھیلا ہوا ہے، اس میں مختلف قسم کے زیورات طلائی، کنگن، چوڑیاں، دستیاں، بالیاں، پازیب، بازو بند اور انگشتریاں وغیرہ رکھی ہوئی ہیں، ظاہر ہے، یہ چیزیں نیک بیبیوں کی ایثار کردہ ہیں، جنہوں نے اپنی آرائش اور ہار سنگھار پر، مجاہدین کے لئے سلاح جنگ کو فوقیت و اولیت دی ہے۔"

"سبحان اللہ، ہماری ہزار جانیں قربان صحابیات وصحابہ کرام پر۔" حیان کا چہرہ عقیدت سے جھک گیا۔

"یہ مہم گزشتہ تمام غزوات سے مختلف ہے، جیسا کہ تمہیں بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محسن انسانیت کی تعلیمات کا برپا کردہ انقلاب حیران کن ہے، وہ لوگ جو کل تک جہل میں ڈوبے ہوئے تھے، آج ان کے ذہنوں میں عقل وشعور کی شمعیں روشن ہیں، نام ونمود کی خاطر، شان و وجاہت کا مظاہرہ کرنے والے اب صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی کی خاطر دام و درہم خرچ کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں اور اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے۔ اللہ پر ایسا ایمان لائے ہیں اور اس کے محبوبؐ سے ایسی محبت کی ہے کہ دنیا کے عام تعلقات اور مفادات بس انہی دو ناموں پر قربان کردیتے ہیں، رسول اللہ کے ایک ادنیٰ اشارے پر جان و مال اور اہل وعیال سب کچھ نذر کرنے پر تیار رہتے ہیں، اس موقع پر بھی کہ نبی محترم نے دفاعی اخراجات کے لئے اہل ایمان کو مالی اعانت کے لئے فرمایا ہے تو یہ پروانہ وار اور جس کے پاس جو ہے، لئے چلا آرہا ہے، اس کی کچھ جھلکیاں ابھی ابھی تم نے دیکھی ہیں، لیکن یہ حضرات تو وہ ہیں جو صاحب حیثیت ہیں، اللہ نے انہیں بہت کچھ دے رکھا ہے، لیکن اب ایک اور منظر بھی تازہ کرتے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، یعنی جو نادار اور غیر آسودہ حال ہیں، ان کے جذبات کیا ہیں؟"

دیکھو، مسجد نبوی کا صحن مال واسباب غلہ واجناس، سونے چاندی اور درہم و دینار سے بھر چکا ہے، اتنے میں ایک صاحب واماندہ انداز میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے آتے ہیں، چہرے پر حجاب کا عجیب سا رنگ ہے، ایک فرسودہ اور میلی سی تھیلی ہاتھوں میں ہے، جس کو بغل میں چھپانے کی کوشش میں ہیں، آگے بڑھنا چاہتے ہیں، لیکن اپنے اندر ہمت نہیں پار ہے، مال ومنال کا ڈھیر دیکھ کر سہم گئے ہیں، قدم روک لئے ہیں اور اب فیصلہ نہیں کر پا رہے کہ کیا کریں، یہ ابوعقیلؓ انصاری ہیں، اسی وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑتی ہے۔

"کیا بات ہے، کیوں رک گئے؟" آپ نے دریافت فرمایا، عرض کرتے ہیں۔

"یارسول اللہ، کچھ نذر کرنے کی نیت سے آیا تھا، لیکن...... یہاں اس انبار کو دیکھ کر ہمت نہیں ہو پا رہی۔ بھلا اس ادنیٰ سے ہدیئے کی ان نذرانوں کے آگے کیا حیثیت ہے! یارسول اللہ یہ بھی میں اس حالت میں کر پایا ہوں کہ رات بھر کنوئیں میں سے ڈول نکال نکال کر ایک یہودی کے مزرعہ کو سیراب کرتا رہا، تب کہیں صبح اس نے مجھے اجرت کے طور پر ایک صواع خشک کھجوریں دی ہیں، تو کچھ گھر میں بیوی بچوں کو دے آیا ہوں اور کچھ یہاں لے کر حاضر ہوا ہوں۔" محنت کش نے کھجوروں کی تھیلی آپؐ کے سامنے رکھ دی اور عجیب حسرت و یاس کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک مسلسل انہیں دیکھے جارہی ہے، یکایک ارشاد ہوتا ہے۔ "ابوعقیلؓ انصاری کے یہ چھوارے اس مال و منال کے سب سے اوپر بکھیر دیئے جائیں!"

"اللہ اکبر، اللہ اکبر" حیان اپنے رسول رحمت کی غریب نوازی اور انسان دوستی پر جھوم اٹھا، آنکھوں سے جیسے چشمے پھوٹ نکلے۔

"منافقین اس جگہ بھی باز نہیں آئے اور ایسے مزدور پیشہ ناداروں کا مذاق اڑانے اور صحابہ کی دریا دلی کے بارے میں الگ ان پر طعنہ زنی کرنے لگے کہ یہ ان کی محض ریا کاری ہے، دکھاوا ہے۔" ان دریدہ دہنوں کی ہرزہ سرائی پر اللہ تعالیٰ نے غضبناک ہوکر فرمایا۔

"جو لوگ ان لوگوں پر طعنہ زن ہوتے ہیں جو خوش دلی سے صدقہ کرتے ہیں، اور جن کے پاس محنت کے سوا کچھ نہیں، ان کا استہزا کرتے ہیں تو اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔"

"الامان، الحفیظ" حیان فرط خشیت سے لرز گیا۔

"ان منافقین کے علاوہ بھی اسلام کے بدخواہوں کا ایک گروہ ہے جو اس قسم کی چیرہ دستیوں میں مصروف ہے، یہ لوگ مدینہ کے مضافات میں سویلم نامی ایک یہودی کے گھر پر جمع ہوتے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرتے رہتے ہیں، یہ بھی سارا زور مسلمانوں کو راہ خیر سے ہٹانے میں لگائے ہوئے ہیں، مسلمانوں کے ہمدرد اور بہی خواہ بن کر انہیں جہاد پر جانے سے روک رہے ہیں، نبی علیہ السلام کو ان کی مجرمانہ سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے جناب طلحہؓ بن عبیداللہ کو حکم فرمایا کہ "جاؤ اور اس سازشی اڈے کا قلع قمع کردو!" جناب طلحہؓ صحابہ کی ایک جماعت کو لے کر گئے اور فتنہ پرور سویلم کے مکان کو گھیر لیا، سویلم اور اس کا سازشی گروہ جان بچانے کے لئے چھت پر چڑھ گیا، لیکن حضرت طلحہؓ اور ان کے ساتھی جس مہم کے لئے بھیجے گئے ہیں، اسے انجام تک پہنچانے لگتے ہیں، چنانچہ اس برائی کے اڈے کو تباہ ہوتے دیکھ کر چھت پر موجود لوگ گھبرا کر نیچے کود پڑے، کچھ تو ٹانگیں تڑوا کر یہیں پڑے رہ گئے اور کچھ زخمی ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے۔"

"استاد محترم! کیا اس وقت مدینہ میں یہود باقی رہ گئے تھے؟"

"ہاں جب کی بات ہم کر رہے ہیں، اس وقت بھی مضافات میں ادھر ادھر یہودیوں کے کچھ خاندان موجود ہیں اور تم نے دیکھا کہ یہ پھر بھی اپنی سازشوں

سے باز نہیں آئے، لیکن کیا حاصل، قدم قدم پر ذلت و خواری اٹھانی پڑ رہی ہے انہیں۔"

"واقعی عجیب خصلت کے لوگ ہیں یہ" حیان نے اظہار حیرت کیا۔

"بیٹا، ان بدفطرت گروہ پر میں اور تم کیا تبصرہ کریں گے، اللہ کی کتاب خود ان کی بداعمالیوں پر گواہ ہے۔" استاد صاحب متاسف لہجے میں بولے اور کہنے لگے۔

"ادھر یہ منافقین جو آستین کے سانپ ہیں، یہ جب اہل ایمان کو جہاد سے روکنے کی کوشش میں ہیں تو خود کیونکر یہ خوشی اس مہم میں شرکت کا سوچ سکتے ہیں، ان کی تو خواہش ہی یہ ہے کہ انہیں کوئی حیلہ بہانہ ہاتھ آجائے اور یہ اس جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں، اب دیکھو، انہی ہنگامی حالات کے دوران نبی علیہ السلام لشکر کی تیاری میں ہمہ تن مصروف ہیں کہ ایک روز ان منافقین کے سرداروں میں سے ایک شخص جد بن قیس آپؐ کے سامنے سے گزرا، آپ نے فرمایا۔" کیا تیرا ارادہ ہے کہ رومیوں سے جنگ کے لئے ہمارے ساتھ جائے؟" یہ حیلہ ساز فوراً عرض کرنے لگا۔

"یارسول اللہ، مجھے امتحان میں نہ ڈالئے! اجازت دیجئے کہ میں گھر میں ہی بیٹھا رہوں، کیونکہ رومی عورتیں بہت پُرکشش ہوتی ہیں اور مجھ سے زیادہ عورتوں کے معاملے میں حریص اور شہوت پرست کوئی نہیں، میری اس کمزوری کی تصدیق آپؐ میری قوم سے فرماسکتے ہیں۔" ایسا نہ ہو کہ میں وہاں اس فتنہ میں مبتلا ہو کر اسلام ہی کو چھوڑ بیٹھوں، اس کی یہ واہی سن کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا اور فرمایا۔

"جا، جہاں تیرا دل چاہے چلا جا۔" ظاہر ہے، ایسا بدبخت کہاں جاسکتا ہے، ایک ہی ٹھکانا ہے ایسے لوگوں کا، جیسا کہ اس واقعہ پر خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ان منافقین کی حیلہ جوئی اور عیارانہ باتوں کا پردہ چاک کیا ہے، جیسا کہ تم نے ابھی دیکھا اس منافق نے کس ڈھٹائی کے ساتھ اپنی شہوانی کمزوری کا بہانہ کر کے راہ فرار اختیار کی، صاف نظر آرہا ہے کہ یہ جھوٹا اور بہانہ ساز ہے، نفاق سے کام لے رہا ہے، اس کی یہ باتیں دراصل جنگ میں شریک نہ ہونے کا محض بہانہ ہیں، لیکن یہ اور اس قماش کا تمام گروہ اللہ کی نظر سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ تو اس جگہ ضروری ہے کہ ہم سورۂ توبہ کا وہ حصہ دہرالیں جو اس موقع پر نازل ہوا۔ یعنی رکوع چھ سے رکوع نو کے اختتام تک کا مضمون، جس سے ہمیں اندازہ ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے نبی کو ان کی منافقانہ کارروائیوں سے آگاہ کیا ہے۔" استاد صاحب کی تمہید پر حیان نے غور سے ان کی طرف دیکھا اور یہی سورہ مبارکہ ہمیں اس مہم کی اہمیت کا بھی بخوبی احساس دلاتی ہے، اس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ کی اس معرکہ میں دلچسپی کس قدر واضح طور پر نظر آرہی ہے۔" بظاہر یہ جتنی باتیں ہمارے سامنے سوال بن کر کھڑی ہیں کہ موسم گرم ترین ہے، قحط کے آثار ہیں، فصل پکنے کے قریب ہے، مالی وسائل کی کمی اور ہتھیار اور سواریاں نہ ہونے کے برابر ہیں اور منافقین کی سازشیں الگ جاری ہیں، تو ان ناسازگار حالات میں اتنا طویل سفر طے کر کے، دنیا کی ایک بڑی قوت سے ٹکر لینے کے لئے اور خود اس کی سرحدوں پر پہنچنے کا عزم و ارادہ کرنا کہاں تک مناسب ہے، ان کا جواب بھی ہمیں بہ آسانی مل جائے گا۔ تو بیٹا کیا تم اس کی تلاوت کا شرف حاصل نہ کرو گے؟ کہ تمہاری قرأت کی سماعت کی سعادت سے میں بھی بہرہ مند ہوسکوں گا۔"

"جی پیش کرتا ہوں!" استاد صاحب کی فرمائش پر شاگرد نے سعادت مندی سے کہا اور اپنے مخصوص اور دل نشیں انداز میں قرأت کا آغاز کیا۔ محسوس ہوا حجرہ روح کا گہوارہ بن گیا ہے، استاد صاحب درمیان میں سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے جاتے ہیں۔ حیان نے جہاں تک اسے حکم ملا ہے، قرأت کی اور اب خاموش ہوا تو خود اسے ایسا لگا گویا کسی نورانی فضا میں تیر کر آیا ہو۔

"سبحان اللہ، ماشاء اللہ!" استاد صاحب نے ایک بار پھر اس کی تحسین کی اور آیات کا مضمون بیان کرنے لگے، فرمایا۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہوا کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیاوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا، تم نہ اٹھو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور جماعت کو اٹھائے گا اور تم اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اس کی مدد اس وقت کرچکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا، وہ جب دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے، اور کافروں کا بول نیچا کردیا۔ اور اللہ کا بول تو بالا ہی ہے، اللہ زبردست دانا و بینا ہے، نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم جانو۔" آگے کی آیات کا مفہوم یہ ہے کہ...... "اے نبی! اگر فائدہ سہل الحصول ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تمہارے پیچھے چلنے پر آمادہ ہوجاتے، مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن ہوگیا، اب وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ "اگر ہم چل سکتے تو یقیناً آپ کے ساتھ چلتے۔" وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اس کے بعد آیات مبارکہ میں فرمایا گیا۔

"اے نبی! اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے کیوں انہیں رخصت دے دی؟ یعنی تمہیں چاہئے تھا کہ تم خود رخصت نہ دیتے، تاکہ تم پر ظاہر ہوجاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے۔ جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے، ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے، جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک میں ہی متردد ہو رہے ہیں۔" ان منافقین کو مزید بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا۔" اگر واقعی ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو وہ اس کے لئے کچھ تیاری کرتے، لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند ہی نہ تھا، اس لئے انہیں سست کردیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو، بیٹھنے والوں کے ساتھ۔" اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے اندر خرابی کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے، وہ تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے۔" کچھ مسلمانوں کی بھی زجر و توبیخ کی جارہی ہے جو ان منافقین کی عیارانہ مشوروں پر کان دھرنے لگے ہیں اور تمہارے گروہ کا حال یہ ہے کہ ابھی اس میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں، اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے، اس سے پہلے بھی ان لوگوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں اور تمہیں ناکام کرنے کے لئے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا الٹ پھیر کرچکے ہیں، یہاں تک کہ ان کی مرضی کے خلاف حق آگیا اور امر الٰہی واقع ہو کر رہا۔ ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجئے اور مجھ کو فتنہ میں نہ ڈالئے، سن رکھو فتنہ میں ہی تو یہ لوگ پڑے ہوئے ہیں اور جہنم نے ان کافروں کو گھیر رکھا ہے۔" استاد صاحب نے پہلو بولا اور بولے۔

آگے مزید ان سیاہ بختوں کی بدفطرت بے نقاب کی جارہی ہے۔ فرمایا۔

"تمہارا بھلا ہوتا ہے تو انہیں رنج ہوتا ہے، اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ منہ پھیر کر خوش خوش پلٹتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ اچھا ہوا ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ

ٹھیک کرلیا تھا، ان سے کہو، ہمیں ہرگز کچھ نہیں ہوتا سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے، اللہ ہی ہمارا مددگار ہے اور اہل ایمان کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔"

مزید فرمایا جارہا ہے کہ......"ان سے کہو، تم ہمارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے۔" استاد صاحب نے وضاحت کرنے لگے۔ "دو بھلائیوں سے مراد ہے یعنی "فتح یا شہادت" جو اہل ایمان کے لئے دونوں ہی میں فلاح و کامیابی ہے، مزید اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرمارہے ہیں کہ تم تو ہمارے انجام کے منتظر ہو۔"

"اور ہم تمہارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ خود تم کو سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں دلواتا ہے؟ اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔"

"الاماں الحفیظ، کیسی سخت وعید ہے استاد محترم!" حیان پُرتشویش آواز میں بولا۔ "ہاں" مزید فرمایا۔

"ان سے کہو، تم اپنے مال خواہ راضی خوشی خرچ کردیا یا کراہیت کے ساتھ، بہرحال وہ قبول نہ کئے جائیں گے، کیونکہ تم فاسق لوگ ہو۔" فرمایا۔ "ان کے دیئے ہوئے مال قبول نہ ہونے کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا ہے۔ نماز کے لئے آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں اور فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں۔" "نبی کریم کی معرفت عام مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے، ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں مبتلائے عذاب کرے اور جان بھی دیں تو انکار حق کی حالت میں دیں۔"

منافقین کا مزید پردہ چاک کیا جارہا ہے، فرمایا۔ "وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں، اصل میں تو وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں، اگر وہ کوئی جائے پناہ پالیں، یا کوئی سرنگ یا گھس بیٹھنے کی جگہ، تو بھاگ کر اس میں جا چھپیں۔"

استاد عبدالرحمٰن نے ایک لحہ وقفہ کیا اور کہنے لگے۔

"میں ان میں سے چند آیات جو مال غنیمت سے متعلق ہیں، ان کو چھوڑ کر منافقین سے متعلق دوسری آیات کا مفہوم بیان کرتا ہوں۔ فرمایا گیا۔" ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنی باتوں سے نبی کو دکھ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔" کہو، "وہ تمہاری بھلائی کے لئے ایسا ہے، اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہل ایمان پر اعتماد کرتا ہے اور سراسر رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایمان دار ہیں، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک سزا ہے۔"

منافقین کی ایک اور بدخصلتی بیان کی جارہی ہے۔

فرمایا۔ "یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور رسول اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں، کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔"

"بے شک، یہی سزا ہونی چاہئے تھی ان کی۔" حیان جذباتی لہجے میں بولا۔

"سبحان اللہ استاد گرامی، اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کریم کا کس قدر خیال ہے۔" حیان نے سرخوشی کا اظہار کیا۔

استاد عبدالرحمٰن سلسلہ بیان جاری رکھے ہوئے ہیں۔

"اب ان منافقین کی اندرونی کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ فرمایا۔" یہ منافق ڈر رہے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجائے جو ان کے دلوں کے راز کھول کر رکھ دے۔ اے نبی، ان سے کہو، اور مذاق اڑاؤ، اللہ اس چیز کو کھول دینے والا ہے جس کے کھل جانے سے تم ڈرتے ہو، اگر ان سے پوچھو

کہ تم کیا باتیں کررہے تھے تو فوراً کہہ دیں گے ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کررہے تھے، ان سے کہو، کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی؟ اب عذر نہ تراشو، تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کردیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے، کیونکہ وہ مجرم ہیں۔" انہی آیات مبارکہ میں منافق مردوں کے ساتھ منافق عورتوں کی بھی بدخواہی اور بدعملی کو بے پردہ کیا گیا ہے۔ فرمایا۔ "منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے کے ہم رنگ ہیں، برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ خیر سے روکے رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے ہیں تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا، یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں، ان منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں کے لئے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی ان کے لئے موزوں ہے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے، اور ان پر قائم رہنے والا عذاب ہے۔" یہ کہتے وقت استاد صاحب کا لہجہ بھی ناگوار ہوگیا۔ کہنے لگے۔ یہاں براہ راست اللہ تعالیٰ منافقین کو مخاطب فرماتے ہیں۔ "تم لوگوں کے رنگ ڈھنگ وہی ہیں جو تمہارے پیش روؤں کے تھے، وہ تم سے زیادہ زور آور اور تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والے تھے، پھر انہوں نے دنیا میں اپنے حصے کے مزے لوٹ لئے اور تم نے بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انہوں نے لوٹے تھے، اور ایسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے، جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے، سو ان کا انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا سب کیا دھرا ضائع ہوگیا اور وہی خسارے میں ہیں۔" کیا ان لوگوں کو اپنے پیش روؤں کی تاریخ نہیں پہنچی؟ نوح کی قوم عاد، ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے لوگ اور وہ بستیاں جنہیں الٹ دیا گیا، ان کے رسول، ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر یہ اللہ کا کام نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے۔" استاد صاحب نے ایک لحہ دم لیا، پھر کہنے لگے۔

"سورۂ توبہ کی آیات کا یہ تسلسل منافقین کی غلط کاریوں کو بیان کرنے کے بعد، یہاں سے اب ان ایمان والوں کے بارے میں بتارہا ہے جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ فرمایا۔" مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے، ان مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان سدا بہار باغوں میں ان کے لئے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔" استاد صاحب نے مفہوم کے اختتام پر زیر لب کہا اور بولے۔ "صدق اللہ العظیم۔"

"سبحان اللہ" حیان پر فرمان الٰہی کے گہرے تاثرات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ استاد صاحب بھی نہایت انہماک کے ساتھ مصروف بیان ہیں۔

"اس کے علاوہ اور کئی منافقین نے خودساختہ عذر پیش کرکے آپؐ سے رخصت طلب کی، حضورؐ نے اپنے طبعی حلم کی بنا پر یہ جاننے کے باوجود کہ یہ محض بہانے بنا رہے ہیں، ان کو رخصت عطا فرمادی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ ایسی نرمی مناسب نہیں ہے، رخصت دینے کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا، اگر انہیں رخصت نہ دی جاتی اور پھر یہ گھر بیٹھے رہتے تو ان کا جھوٹا دعوائے ایمان بے نقاب ہوجاتا۔" اس سے معلوم ہوا کہ کفر و اسلام کی کشمکش ایک کسوٹی ہے جو خالص مومن اور منافقین مدعی ایمان کے فرق

کوصاف کھول کر رکھ دیتی ہے، جو شخص اس کش مکش میں دل و جان سے اسلام کی حمایت کرے اور اپنی ساری طاقت اور تمام ذرائع اس کو سر بلند کرنے کی سعی میں صرف کر دے، اور کسی قربانی سے دریغ نہ کرے وہی سچا مومن ہے، بخلاف اس کے جو اس کش مکش میں اسلام کا ساتھ دینے سے جی چرائے اور کفر کی سر بلندی کا خطرہ سامنے دیکھتے ہوئے بھی اسلام کی سر بلندی کے لئے جان و مال کی بازی لگانے سے پہلو تہی کرے، اس کی یہ روش خود اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔" استاد صاحب نے وقفہ کیا پھر کہنے لگے۔

اب ہم دوبارہ لشکر اسلامی کی طرف توجہ دیتے ہیں کہ کہاں تک تیاریاں پہنچی ہیں، اولاً ہم پہلے اسی بات کو دہراتے ہیں کہ "مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے، پہلی بار توریہ سے پرہیز کیا ہے، یعنی واضح طور پر اعلان فرمایا گیا ہے کہ کہاں کا ارادہ ہے، کب اور کس طرف کوچ کرنا ہے، اس کا سبب غالباً یہ ہے جیسا پہلے بتایا جا چکا کہ اہل ایمان ذہنی طور پر خود کو اس بات کے لئے تیار کر لیں کہ انہیں اس شدید موسم میں کیسے دور دراز مقام کا سفر درپیش ہے اور کیسی طاقتور سلطنت سے پنجہ آزمائی کرنی ہے، اسی لئے آپؐ نے جنگی تیاریوں میں بھی خصوصی اہتمام فرمایا ہے اور ممکنہ دفاعی بندوبست کیا ہے، لہٰذا آپؐ نے عطیات میں آمدہ نقدی ان مجاہدین میں تقسیم فرما دی جن کے پاس ہتھیاروں کی کمی ہے یا ہتھیار فرسودہ ہو چکے ہیں، تاکہ وہ نئے خرید کر اسلحہ سے لیس ہو سکیں، اونٹ گھوڑے بھی تقسیم کر دیئے گئے، حتیٰ کہ پاپوش بھی بڑی تعداد میں عطیات کئے گئے ہیں، آپ نے مجاہدین کو نعلین رکھنے کی خصوصی تاکید فرمائی، کیونکہ سفر کوسوں کا اور طویل ہے، برہنہ پائی پریشان کرے گی، فرمایا۔ "جس کے پاس جوتا ہوتا ہے وہ سوار کے حکم میں آتا ہے۔" اس سے تم اندازہ لگاؤ، سالار اعظم کی حیثیت سے کس طرح لشکر کی چھوٹی چھوٹی ضرورت پر بھی آپ کی نظر رہتی ہے۔"

"جی ہاں استاد محترم، یہ باتیں تو نا سمجھوں کو بھی بتاتی ہیں کہ نبوت کا کام کتنا مشکل رہا ہے، کیا کچھ کرنا پڑا ہمارے رسول محترم کو۔"

"اب یہاں ایک اہم اور ایمان افروز واقعہ یاد آ رہا ہے۔" استاد صاحب یکایک بے قرار سا ہو کر بولے۔ حیان فوراً متوجہ ہو گیا۔ "لشکر کی تیاری تکمیل کے آخری مراحل میں ہیں کہ چند مفلس اور نادار افراد جن کا تعلق انصار اور دیگر قبائل سے ہے، جذبۂ جہاد سے سرشار، خدمت اقدس میں حاضر ہو کر، عرض کرتے ہیں۔

"یا رسول اللہ، ہمارے پاس کوئی سواری نہیں، اور نہ ہی ہمارے پاس رقم ہے کہ ہم سواری خرید سکیں، لیکن آپؐ کے ہم رکاب ہو کر جہاد کی تمنا ضرور رکھتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا۔ "میرے پاس اب کوئی اونٹ نہیں کہ میں تمہیں دے سکوں۔ تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ گھروں کو لوٹ جاؤ اور مجاہدین کے لئے دعا کرو اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہو، اس طرح بھی تمہیں وہی حیثیت حاصل ہو گی، گویا تم ہمارے ساتھ ہی شریک جہاد ہو۔" یہ سنتے ہی وہ جی بھر لائے، انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے کا اس قدر رنج و ملال ہوا کہ رات بھر اپنی محرومی اور ناداری پر روتے اور سجدوں میں پڑے آہ و زاری کرتے رہے، تو اب دیکھو کہ نہ ابھی جہاد پر روانہ ہوئے ہیں، نہ جہاد میں حصہ لیا ہے لیکن صرف آرزوئے جہاد اور اپنی ناداری کے سبب جہاد سے محرومی پر ان کی اشک روانی، اللہ کو اتنی پسند آئی کہ ان کی کیفیت کو قرآن کا حصہ بنا دیا۔ فرمایا۔ "جب وہ آپ کے پاس سواری کو آئے اور آپ نے کہہ دیا کہ میرے پاس تمہاری سواری کے لئے کچھ نہیں ہے تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے غمگین واپس ہو گئے، کیونکہ اخراجات کے لئے کچھ ان کے پاس نہ تھا۔" استاد صاحب ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوئے پھر بولے۔ "اس کے علاوہ انہیں دوسرا انعام کیا ملتا ہے، وہ بھی دیکھو!" یہ افراد حسرت و یاس کی تصویر بنے اپنے

گھروں کو واپس ہو رہے ہیں کہ ان میں شامل عبداللہؓ مغفل اور ابو لیلیٰ عبدالرحمٰن کو راستے میں حضرت یامینؓ بن عمر و نضری مل جاتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ یہ حضرات زار و قطار رو رہے ہیں، پوچھا، کیا معاملہ ہے؟" بولے، "ہم استطاعت نہیں رکھتے کہ سواری خرید سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ ختم ہو چکے ہیں، اس وجہ سے جہاد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و ہم رکابی سے محروم ہونے کا ہمیں غم کھائے جا رہا ہے۔" ان کی تڑپ اور سوز دلی دیکھ کر حضرت یامینؓ کا دل بھر آیا، انہوں نے ایک اونٹ خریدا اور مع زاد راہ انہیں دے دیا۔ بقیہ پانچ افراد کو بھی حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب اور حضرت عثمانؓ نے سواریاں مہیا کر دیں۔" اس طرح ان کا جذبۂ صادق کام آ گیا۔

سبحان اللہ، واقعی یہ تو ان کے لئے دہرا انعام و اکرام کا سبب بن گیا۔" حیان نے اس طرح کہا جیسے اس کی اپنی مراد بر آئی ہو۔

"بیٹا تم نے محسوس کیا کہ یہ اتنی اہم اور بڑی مہم کیسے نامساعد اور نازک حالت میں برپا ہونے جا رہی ہے، اس کے باوجود کہ کثیر تعداد میں عطیات جمع ہوئے ہیں لیکن جو کچھ درکار ہے، یہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں، سواریوں اور زاد سفر کی اب بھی قلت ہے، بلکہ حضور نبی کریمؐ نے تو اس لشکر کو جیش عسرہ یعنی تنگ دست لشکر قرار دیا ہے، کیونکہ طویل فاصلہ طے کرنا ہے اور گرم ترین موسم ہے، ایسے عالم میں بغیر سواری کیونکر دشت و صحرا عبور کیا جا سکتا ہے، تو وہ اہل ایمان جو رسول اکرمؐ کی آواز پر جہاد کے لئے لبیک تو کہہ چکے ہیں اور دل میں جہاد فی سبیل اللہ کی تڑپ بھی رکھتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ غازیوں کے پاس سواریاں ہیں اور نہ ہی اتنی استطاعت ہے کہ وہ سواری کے لئے کوئی جانور خرید سکیں۔ ایسے ہی ایک اور مجاہد، علیہ بن زید، یہ بھی نادار اور بے مایہ ہیں، لیکن جہاد میں شرکت کی تڑپ انہیں بے چین کئے دے رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جہاد کی ترغیب سنتے ہیں تو پُر جوش ہو جاتے ہیں لیکن اپنے حالات پر نظر ڈالتے تو یہ دیکھ کر جی بیٹھنے لگتا ہے کہ خود استطاعت نہیں رکھتے اور رسول اللہ سواریاں تقسیم فرما چکے ہیں اور لوگ بارگاہ نبوی سے محروم لوٹ رہے ہیں، اب ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو اللہ سے رجوع کیا، شب کی خاموشی میں چپکے چپکے آنسو بہا کر فریاد کرتے ہیں۔

"اے اللہ، اے میرے رب، تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تیری راہ میں جہاد کی ترغیب فرما رہے ہیں، لیکن میری استطاعت نہیں کہ میں اس میں عمل کر سکوں، میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ نبی کریم سب کچھ تقسیم فرما چکے ہیں، اے میرے رب اس بے چارگی کے عالم میں اب میرے پاس تیری راہ میں صدقہ کرنے کے لئے جو چیزیں ہیں، وہ یہ جان ہے اور عزت ہے، تو انہی کو قبول فرما لے۔" اس آہ و زاری میں رات گزر گئی، حتیٰ کہ مسجد نبوی سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی، جلدی سے آنسو خشک کئے اور دوگانہ سنت ادا کر کے جماعت کی صف میں شامل ہو گئے، امام جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا۔

"صدقہ کرنے والا کون ہے؟" جواب میں بالکل خاموشی رہی۔ رسول معظم نے مکرر پوچھا۔ "صدقہ کرنے والا کھڑا ہو جائے۔" اس بار سہمے سہمے ہوئے، غمزدہ شب گزار نے ہمت کی اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ حضرت علیہ بن زید کی قسمت جاگ اٹھی، رسول رحمت کی زبان حق ترجمان سے مژدۂ جاں فزا ادا ہوا۔

"خوش ہو جا اے علیہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، تیرا صدقہ بارگاہ حق میں قبول ہوا۔"

"اللہ اکبر!" حیان بے اختیار ہو کر بولا، یوں لگا جیسے حجرہ کی فضا احساس مسرت سے دل بن کر دھڑک اٹھی ہے۔

"ایک طرف جذبۂ شوق جہاد کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف کچھ لوگوں کے دل اس جذبہ سے خالی اور نا آشنا ہیں، بنو غفار کے کوئی اسی بیاسی افراد ان میں نمایاں شخص خفاف بن ایماء ہیں، بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر جہاد سے معذوری کا اظہار کرتے ہیں، لیکن آپؐ ان کی رخصت قبول نہیں فرماتے۔"

"مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰؓ اشعری بھی ایسے ہی محرومین میں شامل ہیں اور اپنے ہی ہم حیثیت افراد کے ساتھ رنجیدہ وملول بیٹھے ہیں کہ ان کے یہ ساتھی انہیں انگیخت کرتے ہیں کہ وہ جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کریں۔" یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور مدعا عرض کرتے ہیں، لیکن نبی علیہ السلام کسی قدر غصے میں ہیں، کوئی بات بار خاطر گزری ہے کہ جناب ابوموسیٰ اشعری کے مطالبہ پر آپ نے خفا ہوکر فرمایا۔ "واللہ، میں انہیں کوئی سواری نہیں دے سکتا۔" ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس ہوگئے اور اپنے رفیقوں سے تمام کیفیت بیان کی اور نادم اور پشیمان ہوکر اس خدشہ کا اظہار کرنے لگے۔ "مجھے ڈر ہے کہیں حضور نبی کریمؐ ناراض نہ ہوگئے ہوں!" لیکن ادھر رحمت عالمؐ نے، ان کے جاتے ہی حضرت سعدؓ بن عبادہ سے چھ اونٹ خریدے اور حضرت بلالؓ کے ذریعے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور ان کے ساتھیوں کو طلب فرمایا اور اونٹ ان کے حوالے کرتے ہوئے مژدہ سنایا۔

"تم کو یہ سواری میں نے نہیں، اللہ نے دی ہے۔"

جناب ابوموسیٰ اشعری نے عرض کی۔ "یارسول اللہ آپ تو قسم فرما چکے تھے!" فرمایا۔ "ہاں، لیکن جب میں، کسی دوسری بات کو زیادہ بہتر سمجھتا ہوں تو قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں۔"

"سبحان اللہ، کیا کیا بہانے ہیں عطا و بخشش کے۔"

"بے شک قربان جائیے، آپ کا ہر عمل دل سے لگانے کے لائق ہے۔" حیان نے محسوس کیا استاد صاحب زیرلب درود پاک کے پھول کھلانے لگے ہیں، تو وہ خود بھی اس بہار میں شامل ہوگیا، لگتا ہے روغن زیتون سے جلنے والا چراغ بھی اس سعادت میں شریک ہے، دروازے کے باہر سے آنے والی ہلکی ہلکی خوشگوار ہوا کے جھونکے چراغ کے ننھے سے شعلے کو حرکت دے رہے ہیں، ایسا ہی لگتا ہے گویا وہ بھی اس نورانی مجلس میں ہونے والے ذکر پر وجد میں آیا ہوا ہے، حیان، استاد صاحب کے اس طویل وقفہ کو بھی کام میں لے آیا اور آب دان سے رجوع کرلیا، استاد صاحب کو اپنے شاگرد کی یہ ادا بہت خوب لگتی ہے، دونوں استاد شاگرد نے پانی پیا، اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر دوبارہ اپنے رسول محترمؐ کے ذکر میں مصروف ہوگئے۔ سچ تو یہ ہے کہ جیسا شوق شاگرد کو ہے، ویسا ہی ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتے ہیں، اب وہ پھر اپنے مخصوص انداز میں سر کو پیچھے کی طرف دیوار سے ٹکائے اور آنکھیں بند کیے، دور نبوی کی مقدس فضا میں سانس لینے لگے۔ اس طرح جو کچھ مشاہدہ کرتے ہیں، اس کا حال اپنے شاگرد کو بھی سناتے ہیں، بلکہ ان کی دلی خواہش ہی یہ ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو تحریک اسلامی میں نبی علیہ السلام کی جدوجہد کے مناظر سے روشناس کراسکیں، اسی کیفیت میں ڈوبے ہوئے کہنے لگے۔

"اہل مدینہ اپنی فصلوں کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں، اسی پر ان کی معیشت کا مدار ہے، کھجوریں پک کر تیار ہوچکی ہیں، کچھ روز ہی جاتے ہیں کہ اتارنے کا کام شروع ہوا چاہتا ہے، ویسے بھی ان دنوں مدینہ کے مضافات میں قحط کا سماں ہے، لیکن رسول اللہ اعلان جہاد فرما چکے ہیں، تو ایسے وقت میں کچھ افراد پر پکی ہوئی فصل کو چھوڑنا اور مدینہ سے باہر جانا کس قدر گراں گزرا، لیکن جلد ہی وہ بھی اپنے دیگر اہل ایمان بھائیوں کی طرح سب کچھ بھول کر جہاد کی فضا میں کھو چکے ہیں، ان کی خواہشات ومفادات نے رسول اللہ کے حکم کے آگے سپر ڈال دی ہے اور اب یک دل اور یک جان ہوکر

سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے جمع ہیں۔"

"الحمدللہ" حیان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اسے محسوس ہوا، گویا وہ خود بھی سعادت مندوں کے اس لشکر میں کہیں موجود ہے۔ استاد عبدالرحمٰن نے کہنا شروع کیا۔

"یہ نو ہجری، رجب کا مہینہ اور جمعرات کا دن ہے، رسول آخر و اعظم کے گرد تیس ہزار مجاہدین جمع ہیں، ان میں دس ہزار گھڑ سوار اور بارہ ہزار شتر سوار ہیں۔ امیر لشکر کے لئے سالار اعظمؐ کی نظر انتخاب اپنے رفیق خاص صدیق اکبرؓ پر کو نوازتی ہے اور لشکر کی ترتیب اس طرح کی جاتی ہے کہ میمنہ پر حضرت طلحہؓ بن عبداللہ اور میسرہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر فرمایا گیا ہے، مقدمہ پر حضرت خالد بن ولید کو متعین فرماتے ہیں، مرکزی پرچم، یعنی نشان اکبر امیر لشکر سیدنا صدیقؓ کو عطا ہوا اور دوسرے پرچموں کی ترتیب یوں ہے کہ مہاجرین کا علم حضرت زبیرؓ بن عوام کو، اور انصار میں قبیلہ اوس کا علم حضرت اسیدؓ بن حضیر اور خزرج کا حضرت ابودجانہؓ کو عطا فرمایا گیا ہے۔ پھر انصار کیلئے مزید ارشاد ہوا۔ "ہر خاندان اپنا الگ الگ پرچم تیار کرے۔"

"چنانچہ، بنو نجار کا پرچم حضرت عمارہؓ بن حزم کو عطا ہوا، پھر ان سے لے کر حضرت زید بن ثابتؓ کے حوالے کردیا گیا۔ حضرت عمارہؓ نے عرض کی۔ "یارسول اللہ، کیا مجھ سے کوئی لغزش ہوئی؟" فرمایا۔ "نہیں، بلکہ اہل قرآن کا حق مقدم ہے، اور اس معاملہ میں زید تم پر سبقت رکھتے ہیں۔"

"سبحان اللہ" حیان نے کلمۂ تحسین پیش کیا۔

"استاد محترم میرے علم میں آپ کے بیان کے مطابق یہ بات ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو بدر کے اسیروں نے لکھنا پڑھنا سکھایا تھا......؟"

"ہاں بہت ذہین اور معاملہ فہم نوجوان ہیں، حضور نبی کریم ان پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں۔" استاد عبدالرحمٰن ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئے، پھر سلسلۂ بیان کو آگے بڑھایا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنی نیابت کا اعزاز حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو بخشا اور مسجد نبوی میں امامت کے فرائض کے لئے حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کا تقرر فرمایا، اہل وعیال کی دیکھ بھال اور خانگی امور کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی اور اس طرح ان تمام انتظام سے فارغ ہوکر بلالؓ کو حکم فرمایا کہ کوچ کا اعلان کیا جائے اور اس طرح اہل ایمان اپنی منزل کے لئے روانہ ہوگئے۔ بیٹا، یہ بات غور طلب ہے کہ ان ایمان والوں کی منزل کیا ہے؟ رومی سلطنت پر قبضہ؟ جو بظاہر ناممکن نظر آتا ہے، مال و دولت اور زر و جواہر کا حصول؟ تو اس کو بھی یہ پاک طینت کے افراد ثابت کرچکے ہیں کہ مال و دولت دنیا ان کی نظروں میں ہیچ ہے، تو پھر وہ کون سی چیز ہے جو انہیں اس بلاخیز موسم اور پسماندہ حالات اور بے سرو سامانی کے عالم میں اتنی عظیم طاقت کے مقابل ہونے کے لئے کشاں کشاں لئے جارہی ہے؟ تو وہ صرف اور صرف رضائے الٰہی ہے، اور رضائے حق کس طرح حاصل ہوتی ہے، یہ رسول صادق نے اپنے عمل سے اپنے پیروکاروں کو سمجھایا ہے، یعنی دنیا سے تمام معبودان باطل کو مٹا کر معبود حق کی پرستش و بندگی عام کرنا، اس کی زمین پر اس کے نظام کا نفاذ، انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر اسے صرف اور صرف اللہ کے آگے سرنگوں کرانا، اسی مقصد کے لئے رسول آخر و اعظم تشریف لائے ہیں اور اسی کار عظیم کو انجام دیتے ہوئے آپ کو بیس اکیس سال کا عرصہ ہوچکا ہے، آپؐ نے تن تنہا اس سفر کا آغاز کیا تھا، ہزار مخالفتوں، مشکلات و مصائب کے باوجود آپ کا سفر جاری ہے، آپؐ کے عزم کو عرب کی پوری قوت بھی متزلزل نہیں کرپائی ہے، یہ آپ کا عزم مصمم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت آپ کے شامل حال ہے کہ فتح مندی آپ کے قدم چومتی چلی آرہی ہے، اب سے نو سال قبل، فقط ایک رفیق کے ہمراہ، بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت کرنے والا آج تیس ہزار جاں نثاروں کا لشکر لئے دنیا کی ایک عظیم اور طاقتور سلطنت کے آگے سینہ سپر ہونے جارہا ہے، تو بھی یہ لشکر عددی

قوت میں روم ایسی وسیع مملکت کے مقابل نہ ہونے کے برابر ہے، لیکن مجاہد اعظم کب اپنے جاں بازوں، تیغ و سناں اور جنگی مہارت کو فتح و کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں، آپ کی اصل قوت تو اپنے رب اکبر پر توکل ہے، اسی کی مدد و نصرت پر آپ کو بھروسا ہے، یہ درست ہے کہ دشمن کے جارحانہ عزائم دیکھ کر، دنیاوی اعتبار سے جو دفاعی تیاریاں ممکن ہو سکی ہیں آپ نے کی ہیں، سو وہ بھی اپنے تقاضوں میں ناکافی ہیں، لیکن جو چیز کامل ہے وہ آپ کا عزم، حوصلہ اور یقین ہے اور یہی روح آپ نے اپنے جاں نثاروں کے اندر پھونک دی ہے۔"

استاد عبدالرحمٰن نہایت پُر جوش اور روانی سے بولتے چلے گئے اور ایک لمحہ رک کر دوبارہ کہنے لگے۔

"کاروان اسلامی جادہ پیما ہو چکا ہے، مدینہ سے ثنیتہ الوداع کی طرف جبل ذباب پر پہنچے ہیں کہ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی پر نظر پڑتی ہے جو اپنے بہت سے ساتھیوں کو لئے آیا ہے، ان میں اس کے کچھ یہودی حلیف بھی شامل ہیں لیکن نبی علیہ السلام اس کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے، اور گزرے چلے جاتے ہیں، یہ آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر سمجھ جاتا ہے کہ رسول اللہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے، یعنی جو وہ چاہتا ہے اس کی خواہش پوری ہوگئی ہے، پیچھے ہی رہ جاتا ہے، تاہم اس کی جماعت میں سے کچھ منافقین آگے بڑھ کر لشکر اسلامی میں شامل ہو گئے ہیں، جو کہیں سے بھی نظر نہیں آتے کہ یہ سنجیدہ ہیں اور جہاد کے مقصد کو سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپس میں ہنسی مذاق اور دوسرے اہل لشکر سے بھی شرارتوں سے باز نہیں آ رہے، صاف ظاہر ہے کہ محض مالِ غنیمت کے لالچ نے انہیں مسلمانوں کے ساتھ شریک کیا ہے۔

ادھر عبداللہ بن ابی کے ساتھی منافقین جو مدینہ میں رہ گئے ہیں، ان کی فتنہ پردازی دیکھو، حضرت علیؓ کو طعنہ دے کر انہیں برافروختہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

"جناب کچھ خبر ہے، رسول اللہ نے جان بوجھ کر آپ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔" ان بدروحوں نے صرف اس پر ہی بس نہیں کیا، یہ کذب بھی تراشا کہ:

"سنا گیا ہے، آپ پر جہاد کے لئے نکلنا گراں گزر رہا تھا، اس لئے رسول اللہ آپ سے ناراض ہو گئے ہیں۔" یہ سن کر علی المرتضیٰ فوراً ہتھیار اٹھاتے ہیں اور برق رفتاری سے لشکر کے لئے چل پڑتے ہیں۔

لشکر نے ابھی مدینہ کے شمال میں چند فرسخ دور مقام جرف پر وقفہ کیا ہے کہ انہوں نے جا لیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہو کر منافقین نے جو کچھ مشہور کر رکھا ہے وہ سب آپ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔

"وہ منافق ہیں، جھوٹے ہیں، میں ہرگز تم سے ناراض نہیں، تمہیں اس لئے رکنے کو کہا ہے کہ سفر طویل ہے، کافی وقت صرف ہوگا، افراد خانہ کی ضروریات زندگی کی نگرانی بھی ضروری ہے جو تمہارے ذمہ کی گئی ہے، تم فوراً واپس جاؤ اور منافقوں کی ہرزہ سرائی پر توجہ نہ دو!" عرض کی۔ "یا رسول اللہ، میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا، تو اب آپ مجھے خواتین اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں!" ارشاد ہوا:

"کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے، ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔"

"جناب علی کو اور کیا چاہئے، سن کر مسرور ہوئے اور اطمینان سے مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔" استاد صاحب کئی لمحے تک خاموشی میں کھوئے بند آنکھوں میں یقیناً غزوۂ تبوک کے مناظر کو واضح کرتے رہے، پھر کہنے لگے۔

"اس وقت ہمارے سامنے لق و دق صحرا پھیلا ہوا ہے، سورج سروں پر ہے، گرمی شدت کی ہے، دھوپ میں چمکتی ہوئی صحرا کی سنہری ریت چہروں کو جھلسائے دے رہی ہے، اور اس عالم میں مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے لشکر کو اپنی سرکردگی میں لئے رواں دواں ہیں، بھوک پیاس کی شدت الگ بڑھتی جا رہی ہے، لیکن مجال نہیں کہ کسی کی زبان پر حرف شکایت آئے، نظم و ضبط حیران کن ہے، چند منافقین کے سوا، مجاہدین ادب و لحاظ کا پیکر بنے ہوئے ہیں، لشکر کا ہر شخص سنجیدہ اور صابر و شاکر نظر آ رہا ہے، کیونکہ شعوری طور پر انہیں اس بات کا احساس ہے کہ ان کے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں اور یہ وہ بارگاہ ہے کہ یہاں جبرئیل بھی دامن احتیاط سمیٹے حاضر ہوتے ہیں، عجب شان ہے اس لشکر کی، پہلے کہاں کسی نے یہ مناظر دیکھے ہیں، فوجیں تو جہاں سے گزرتی ہیں، راستے پامال کرتی جاتی ہیں، گرد و پیش کا شیرازہ بکھر کے رہ جاتا ہے، ہاؤ ہو سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، فوج نہیں طوفان اور سیلاب نظر آتا ہے، خود ہم سفر اور ہم رکاب بھی ایک دوسرے کی زد میں آ جاتے ہیں، ایک دوسرے سے بیزار ہونے لگتے ہیں، لیکن اس لشکر میں یہ چیزیں دیکھنے کو نہیں ملتیں، اس کی ترتیب و تنظیم، اس کی صف بندی، اس کی رفتار اور اس کا توقف و روانگی سب کچھ بالکل جدا اور مختلف ہے، اس امتیازی شان کی حامل فوج اسلام کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے، کب کسی کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سالار اعظم نصیب ہوا ہے، تو یہ جو مناظر دیکھنے کو مل رہے ہیں، سب رسول آخر و اعظم کی باکمال ذات و شخصیت کا مظہر ہیں، البتہ موسم کی شدت کے سبب، اس کاروان اسلامی سے کہیں کہیں کوئی مجاہد پیچھے رہ جاتا یا بچھڑ جاتا ہے اور جب اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کی جاتی ہے۔ تو فرماتے ہیں۔

"اگر اس شخص میں کچھ بھلائی ہوگی تو وہ مجاہدین سے آ ملے گا، ورنہ بہتر ہوا کہ اللہ نے تمہیں اس سے نجات دے دی۔"

اللہ اللہ آپ کا یہ ارشاد، مومن اور منافق کے درمیان ایک کسوٹی بن گیا ہے، منافق مختلف حیلے بہانے بنا کر راستے میں لشکر سے الگ ہو جاتے ہیں، اور مومن کے لئے کسی عذر کی کوئی گنجائش نہیں، ہزار دشواریوں کے باوجود، اہل ایمان کے دل میں لشکر سے بچھڑنے اور نبی علیہ السلام کی ہم رکابی سے محرومی کا خیال تک نہیں آ سکتا، ان کی ثابت قدمی کے لئے یہی ایک بات کافی حوصلہ افزا ہے کہ آخر یہ تمام مصائب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو برداشت فرما رہے ہیں، مشہور صحابی حضرت ابوذرؓ غفاری کے بارے میں آپ کو اطلاع ملتی ہے کہ راستے میں کہیں رہ گئے ہیں، آپ نے فوری کچھ نہیں فرمایا، سکوت اختیار کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ قافلہ اگلی منزل پر پہنچ کر رک جاتا ہے اور اب کوئی ایک پہر گزرا ہے کہ یکایک لوگوں کو دور صحرا کے افق پر ایک مختصر سا بگولہ اڑتا دکھائی دیا ہے، عرض کیا گیا۔ "یا رسول اللہ لگتا ہے کوئی اسی جانب آ رہا ہے۔" بیساختہ فرمایا۔ "ابوذر ہوں گے۔" لوگوں نے اس طرف نگاہیں مرکوز کر دیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس بگولے نے ایک انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر لی اور جب یہ منظر واضح ہوا تو کئی لوگ بے اختیار پکارے۔ "واللہ یہ ابوذر ہی ہیں۔" لیکن اس طرح کہ زاد راہ کاندھے پر رکھا ہے اور اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے ہیں، معلوم ہوا، اونٹ سست پڑ گیا تھا، جب بالکل ہی چلنے سے انکاری ہوا تو وہ پیدل ہی، کاروان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پہنچے ہیں۔" رسول اللہ نے فرمایا۔

"اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، تنہا چلے گا، تنہا مرے گا اور قیامت کے دن تنہا اٹھایا جائے گا۔" اور بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ وہی ہوا جو آپؐ نے فرمایا تھا۔

"دوران سفر، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کئی کئی قصر نمازوں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھتے رہے ہیں، سفر کا آغاز غروب آفتاب سے قبل کیا جاتا ہے، اس دوران ظہر کو موخر کر کے عصر میں شامل فرما لیتے ہیں، پھر مغرب سے پہلے پہلے دوبارہ سفر شروع ہو جاتا ہے اور پھر نماز مغرب کو عشا کے ساتھ ملا کر ادا فرماتے ہیں۔ اس طرح کئی روز سفر کرنے کے بعد، اب مقام حجر پر گزر ہوا ہے تو فرمایا۔

"یہ قوم ثمود کا مسکن ہے، جس پر اللہ نے اپنا عذاب نازل فرمایا تھا۔" تاکید فرمائی۔ "کوئی یہاں سے پانی نہ بھرے۔" لوگوں نے عرض کی۔ "یارسول اللہ ہم نے تو اس پانی سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے۔" ارشاد ہوا۔

"آٹا اونٹوں کے آگے ڈال دو اور پانی پھینک دو۔" آپؐ نے بیئر ناقہ کے لئے فرمایا۔ "اس کنویں سے پانی بھرو جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی آبنوشی کرتی تھی۔" یہ بھی ارشاد فرمایا۔ "اس عذاب الٰہی کے سبب تباہ شدہ قریہ سے گریہ کرتے ہوئے گزرو!" خود آپؐ نے اس وقت سر مبارک کو چادر سے ڈھانپ لیا اور اپنے مرکب کی رفتار تیز کردی۔" یہ کہتے وقت استاد صاحب کے چہرے پر خشیت الٰہی کی جیسے بادسموم سی چلنے لگی۔

"اللہ تعالیٰ اپنی ناراضی سے بچائے اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔"

"آمین!" حیان کی آواز جیسے کسی گہرے کنویں سے آتی ہے، استاد صاحب نے اس کیفیت کے باوجود اپنا بیان جاری رکھا۔

"اس تکلیف دہ سفر کے واقعات میں ایک یہ بھی ہے کہ ایک مقام پر لشکر اسلام نے توقف کیا ہے، حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوکر خبر دیتے ہیں۔

"یارسول اللہ، قصواءٔ نہ معلوم کس طرف نکل گئی ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "تلاش کرو۔" کئی اصحاب آپ کی اس مرکب خاص کی بازیابی کے لئے ادھر ادھر جاتے ہیں، لشکر میں شامل ایک منافق زید بن لُصَیب نے ہرزہ سرائی کی۔ "محمدؐ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے اور آسمان کی خبریں دیتے ہیں، لیکن اونٹ کی خبر نہیں کہ کہاں ہے۔" اس منافق کی اس دریدہ دہنی کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ پر واضح کردیا۔ تب آپؐ نے فرمایا۔ "بعض لوگ یوں کہتے ہیں، حالانکہ میں وہی کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتاتا ہے۔" اللہ اللہ، تم نے دیکھا حیان کہ رسول رحمتؐ نے نہ اس وقت اور نہ پہلے کبھی، کسی بڑے سے بڑے الزام پر بھی اپنے کسی دشمن کا برسر عام نام نہیں لیا، ہمیشہ کچھ لوگ، یا کسی شخص کے الفاظ استعمال فرمائے، یہی وہ خُلق عظیم ہے، جس کی گواہی خود رب تعالیٰ نے دی ہے۔"

"جی ہاں، فرمایا، انک لعلیٰ خلق عظیمؐ"

حیان نے بصد احترام کہا اور استاد صاحب نے اس کی مداخلت پر خوشی کا اظہار کیا۔

"یقیناً، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ اے ہمارے رسول، آپ اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز ہیں، آپ کی شان رسالت کے اس خوشنما پہلو کو مثل آفتاب واضح کرتا ہے، اب دیکھو اللہ رب العزت، اپنے حبیب کی صداقت کی کس طرح نگہبانی فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا۔" کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں اونٹ کی بھی خبر نہیں رکھتا تو میرا اللہ ہر معاملہ میں میری رہنمائی فرماتا اور ہر خیر و شر سے مجھے باخبر رکھتا ہے۔ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ اونٹ فلاں وادی میں درخت میں مہار الجھ جانے کی وجہ سے کھڑا ہے۔"

حضرت بلالؓ اور دوسرے خدام اسی وقت جاتے ہیں، دیکھا کہ قصواءٔ اسی جگہ اور اسی حالت میں کھڑی ہے۔"

"اللہ اکبر!" حیان خوشی سے اچھل پڑا، استاد صاحب کا زور بیان جوش پر ہے۔ کہتے ہیں۔

"تمہیں لشکر کی مجموعی حالت کا اندازہ تو ہو ہی گیا ہے، جیسے جیسے فاصلے طے ہو رہا ہے، زاد سفر میں کمی آتی جارہی ہے، یہاں تک کہ پانی بھی کمیاب ہوگیا ہے، پیاس بجھانے کے لئے سواری کے اونٹوں کو ذبح کرکے اس کی اوجھ سے پانی حاصل کرنے کی نوبت آچکی ہے اور آگے چل کر تو اب مجاہدین پر فاقے گزرنے لگے اور حالت بد سے بدتر ہونے لگی ہے تو اذن طلب کرنے پر آپؐ نے مزید اونٹ ذبح کرنے کی اجازت فرمادی، اسی وقت حضرت عمرؓ عرض کرتے ہیں۔" یارسول اللہ، سواریاں پہلے ہی کم ہیں، اس طرح اور بھی قلت پیدا

ہوجائے گی، آپ، یہ جو باقی ماندہ خوراک ہے، دعا فرمائیے، اللہ تعالیٰ اسی میں برکت عطا فرمادے۔" اللہ اللہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے صحابہ کی خوشنودیٔ خاطر کا کتنا خیال فرماتے ہیں، آپ کے حکم تمام خورد و نوش کی اشیا جو بچ رہی ہیں ایک دستر خوان پر جمع کی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا فرمائی، پھر سب نے خوب سیر ہوکر کھایا، پھر بھی بچ رہا۔"

"اللہ اکبر!" حیان ایسے موقع پر تکبیر نہ کہے، یہ کس طرح ممکن ہے، استاد صاحب نے مزید کہا۔ "کھانے کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص نے یہ دو کلمات ادا کئے، الشھدان لا الہ الا اللہ اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں، (محمد رسول اللہ) تو وہ بلاشبہ ان دو کلمات کے ساتھ اللہ سے ملے گا اور جنت میں جانے سے نہیں روکا جائے گا۔" حیان نے فوراً پڑھا۔ "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ" استاد صاحب نے بھی زیر لب ان کلمات کو دہرایا اور حجرے کی فضا اس یقین سے بھر گئی کہ اللہ کے رسولؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برحق ہے، ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

"میرے عزیز بیٹے حیان! اس سفر میں اور بھی کئی واقعات رونما ہوتے رہے، لیکن ایک ایسا واقعہ تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصول پسندی اور قدر دانی کی عظیم مثال ہے۔"

"براہ کرم استاد گرامی، آپ میرے محسن ہیں کہ ایسی معلومات اس خاکسار کو فراہم کررہے ہیں۔"

"واقعہ یہ ہوا کہ آپؐ نے ایک شب راستے میں قیام فرمایا۔ صبح نماز فجر سے قبل قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، ایک خادم حضرت مغیرہؓ بن شعبہ پانی کا لوٹا اٹھائے ساتھ ہولئے، وضو کرتے ہوئے کچھ دیر ہوگئی تو لوگوں نے اس خیال سے کہ فجر کا وقت تنگ ہوچلا ہے، کہیں نماز قضا نہ ہوجائے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اقتدا میں نماز شروع کردی۔ ابھی ایک رکعت مکمل ہوئی ہے کہ آپ تشریف لے آئے، حضرت مغیرہؓ نے چاہا، امام کو پیچھے ہٹا دیا جائے تاکہ آپ امامت کرا سکیں، لیکن آپؐ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا اور خود جماعت میں شامل ہوگئے، جناب عبدالرحمٰنؓ نے سلام پھیرا اور رسول کریمؐ اپنی دوسری رکعت مکمل کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے، تو حضرت عبدالرحمٰنؓ اور دوسرے نمازی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتدی کی حیثیت میں دیکھ کر استغفار کرنے لگے۔ لیکن حضور نبی کریمؐ نے سلام پھیرا اور فرمایا۔ "تم نے بہت اچھا کیا۔"

"اللہ اکبر، استاد گرامی یہ تو عظیم حیرت کی بات ہے، کیا شان ہے آپ کی اصول پروری کی، اور کیا نصیب ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے، جن کی اقتدا میں رسول کریمؐ نے نماز ادا کی۔"

"ہاں بیٹا، یہ مناظر، روشن میناروں کی طرح ہیں کہ رسول اعظمؐ اپنے ایک امتی کی اقتدا میں نماز ادا فرمارہے ہیں، دراصل جس قدر اللہ نے آپ کو مرتبہ عطا فرمایا، اسی قدر آپ کی طبیعت میں انکسار اور فروتنی پائی جاتی ہے، آپ نے کبھی خود کو اوروں سے الگ اور اعلیٰ ظاہر نہیں کیا، یہ آپ کی عظمتوں کی انتہا ہے اور آپ کا مقام و مرتبہ کیا ہے، اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، اس نے انسانوں کو سمجھانے کیلئے فرمادیا ہے۔ ورفعنا لک ذکرک، لیکن حضور انور ہر موقع پر اپنے عجز کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں، اس لئے کہ اللہ کو بندے کا یہی عجز و انکسار سب سے زیادہ پسند ہے، کیونکہ کبریائی صرف اور صرف اللہ رب العزت کو زیب دیتی ہے۔"

"سبحان اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم۔"

حیان پر جیسے بے خودی غالب آگئی، کئی لمحے تک وہ اسی مستی میں ڈوبا رہا۔ استاد صاحب نے بھی کئی لمحوں کا وقفہ کیا۔ پھر کہنے لگے۔

"اسی سفر کے دوران، ایک رات تکان کے سبب صبح دیر سے آنکھ کھلی، دیکھا کہ سورج کی سرخی پھیل چکی ہے،

نماز قضا ہونے پر آپؐ نے بلالؓ کو آواز دی اور فرمایا۔ ''میں نے تمہیں نماز فجر کے لئے بیدار کرنے کی تاکید کی تھی، پھر یہ کیا ہوا؟'' عرض کی۔

''یارسول اللہ، آپ کی طرح مجھے بھی نیند نے غافل کردیا۔''

آپ نے فوراً وہاں سے کوچ کا حکم فرمایا، اور کچھ دور جاکر نماز قضا ادا کی اور یہی وہ جگہ ہے، جہاں سے صرف ایک رات کا سفر رہ گیا ہے۔'' ارشاد ہوا۔

''کل تم لوگ آفتاب کے بلند ہونے تک تبوک پہنچ جاؤ گے۔'' اس کے ساتھ ہی اہل لشکر کو متنبہ فرمایا۔ ''جب تک میں نہ پہنچ جاؤں، کوئی شخص پانی کو ہاتھ نہ لگائے!'' چنانچہ ہزار دشواری اور صعوبتیں برداشت کرتا ہوا لشکر اسلامی، آج کوئی بارہ راتوں کے بعد تبوک کے مقام پر پہنچا اور نبی علیہ السلام نے اترنے اور خیمہ زن ہونے کا حکم فرمایا تو دیکھا، دو افراد پہلے ہی یہاں موجود ہیں اور چشمے کا پانی رک رک کر اور نہایت سست رفتاری سے بہہ رہا ہے۔ دریافت فرمایا۔ ''کیا تم نے اسے ہاتھ لگایا؟'' انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ''جی ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار ابھر آئے۔ جانے اس میں کیا رمز ہے کہ آپ کو ان افراد کی یہ حکم عدولی پسند نہیں آئی، بہرحال پانی کو روکا گیا اور اس سے آپؐ نے وضو فرمایا اور اس پانی کو پھر اسی کنویں میں ڈلوادیا تو اسی وقت چشمے کے اندر سے پانی جوش مار کر ابلنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھ کر حاضرین کا ایمان تازہ ہوگیا۔ قریب ہی حضرت معاذؓ بن جبل حاضر ہیں، آپؐ نے فرمایا۔ ''اے معاذ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو اس جگہ کو باغات سے سرسبز و شاداب پاؤ گے۔'' چنانچہ بعد میں ایسا ہوا ہے، لوگوں نے اس علاقے کو سبزہ زار کی صورت دیکھا۔

''سبحان اللہ''......حیان اپنے رسول اکرمؐ کے ایسے نورانی واقعات سن کر خود بھی باغ و بہار ہوجاتا ہے۔ استاد صاحب کہنے لگے۔

''اسی وقت لشکر کے نگہبہ داروں نے مدینہ کی طرف سے آنے والے راستہ پر غبار اڑتے دیکھا تو عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ کوئی شتر سوار معلوم دیتا ہے جو اسی طرف آرہا ہے۔'' مخبر صادق نے فرمایا۔ ''ابوخیثمہ ہوں گے۔'' قریب آئے تو صحابہ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ، واقعی یہ ابوخیثمہ ہیں!''

آنے والا بے تحاشا سواری سے اترا، اونٹ کو جلدی سے ایک طرف بٹھایا اور اس طرح بارگاہ رسالت میں گئے، جیسے کوئی دیر کا پیاسا ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی طرف دوڑتا ہے۔

''السلام علیک یارسول اللہ!'' تحیہ پیش کیا اور بار ندامت سے مجرموں کی طرح چہرہ جھکا کر کھڑے ہوگئے، رحمت عالمؐ نے ارشاد فرمایا۔

''اے ابوخیثمہ مبارک ہو تم ہلاکت کی آغوش سے نکل آئے۔''

''اللہ اللہ!'' حیان تڑپ اٹھا اور استاد صاحب کہنے لگے۔ ''اب تمہیں ان کا حال سناتا ہوں کہ یہ ابوخیثمہ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا جس کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبر دی کہ وہ ہلاکت کی آغوش سے نکل آئے۔''

''جی ہاں استاد گرامی، فرمائیے یہ حضرت کون ہیں اور ان کے اس طرح آنے کا کیا معاملہ ہے؟'' دراصل بیٹا!'' یہ صحابی رسول انصار میں سے ہیں، قصداً نہیں بلکہ تساہل کے سبب لشکر میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے، یعنی یہ جانے کا سوچتے ہی رہے اور لشکر روانہ ہوگیا، اب دیکھو یہ واقعہ کیا منظر پیش کرتا ہے۔'' استاد صاحب پھر ماضی میں چلے گئے...... ''آج لشکر اسلام کی روانگی کو کئی روز گزر چکے ہیں، ابوخیثمہ آگ برساتی دھوپ سے بچ کر اپنے باغ میں آتے ہیں، ٹھنڈے سائبان میں، دونوں

بیویوں نے ان کے لئے الگ الگ بستر بچھا رکھا ہے، دستر خوان بھی پھیلا ہوا ہے، مختلف کھانے پینے کی چیزیں چنی گئی ہیں، کاغذی کوزوں کی شکل میں آبدان بھی موجود ہیں، ان کی خاصیت یہ ہے کہ موسم جتنا گرم ہوتا ہے ان صراحیوں میں پانی اتنا ہی زیادہ ٹھنڈا رہتا ہے، ابوخیثمہ جیسے ہی اس گوشہ عافیت میں داخل ہوئے اور ان کی نظر تمام چیزوں پر پڑی تو یکایک اپنی جگہ ٹھٹھک کر رہ گئے، جیسے کسی نے اندر سے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

''اے ابوخیثمہ یہ کیا؟! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس جھلسانے والی ہوا اور تپش میں جہاد فی سبیل اللہ سفر کی دشواریاں برداشت کررہے ہوں اور تو اس راحت کدہ میں بیٹھا دنیا کے مزے لوٹے!'' بس اس خیال کے آتے ہی، دونوں بیویوں کو خیر باد کہا اور اونٹ پر بیٹھ کر تبوک کے راستے پر چل پڑے، کارواں کے نشانات پر بغیر رکے سفر جاری کئے رہے اور آخر تبوک آپہنچے۔

''واقعی استاد گرامی، خیر ہوگئی، ورنہ یہ تو بڑی گرفت میں آجاتے۔'' حیان نے خوفزدہ سے لہجے میں کہا۔

''ہاں بیٹا، رضائے الٰہی اور خوشنودئ رسول کا حصول ہی مومن کی شناخت ہے، اسلام کا مطلب ہی اللہ اور رسول کے احکام پر سر اطاعت خم کرنا ہے، مسلم کہتے ہی اس کو ہیں کہ جب اسے جس بات کا حکم دیا جائے وہ اپنی ہر مصروفیت، ہر مفاد اور ہر خوشی و مرضی سے ہاتھ اٹھا کر لبیک کہتا ہوا اس آواز کی طرف دوڑ پڑے جو اسے دی گئی ہے، جیسا کہ ابھی تم نے سورۂ توبہ کا مضمون سنا کہ یہی کسوٹی ہے جس پر ایمان پرکھا جاتا ہے، مومن اور منافق کا فرق واضح ہوتا ہے، تم ابھی آگے چل کر سنو گے کہ کئی اور صحابہ جو اسی طرح تساہل کے سبب پیچھے رہ گئے ہیں، ان پر کیسا سخت عتاب کیا گیا، فی الوقت تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تیس ہزار کا وسیع اسلامی لشکر اپنے اپنے علم برداروں کے سائے میں خیمہ زن ہوچکا ہے، سید عالم خطیب اعظم افصح العرب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''اللہ رب العزت کی حمد و ثنا کے بعد، فصاحت و بلاغت کا زمزمہ سماعتوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے اور صرف نبوت سے علم و حکمت کے موتی بکھرنے اور روحیں چشمۂ نور سے سیراب ہونے لگتی ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔ ''اے لوگو! بلاشبہ سب سے سچا کلام اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے زیادہ مضبوط چیز، حلقۂ زنجیر کی طرح یہ ایک لفظ یعنی تقویٰ ہے، اور بہترین ملت، ملت ابراہیمی ہے اور بہترین طریقہ، سنت محمدؐ ہے اور سب سے اشرف و اعلیٰ، کلام اللہ کا ہے، اور سب سے اچھا قصہ القرآن ہے، اور سب سے اچھا کام وہ ہے جو صحیح طور پر پوری توجہ کے ساتھ کیا جائے اور سب سے برا کام وہ ہے جس کی اصل میں نیا اضافہ کیا جائے۔'' مزید فرمایا۔ ''سب سے اچھی راہ، (یعنی راہ حیات) انبیاء علیہم السلام کی ہے، اور سب سے زیادہ باعزت موت شہیدوں کی ہے۔'' لوگو! راہ راست پالینے کے بعد، گمراہی اختیار کرنا سب سے بڑی بے نظری ہے، اور سب سے بری نابینائی، دل کی بینائی سے محرومی ہے۔'' فرمایا۔ ''سب سے بہتر عمل وہ ہے جو نفع پہنچائے، اور سب سے اچھا طریقہ وہ ہے جس کی اتباع کی جائے، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، وہ مال جو کم ہو اور ضرورت کیلئے کافی ہو، اس سے بہتر ہے جو بہت ہو اور غفلت میں ڈال دے، نہایت بری معذرت اس وقت کی توبہ ہے جب موت سامنے آجائے، اور سب سے بڑی ندامت وہ ہے، جس کا روز قیامت سامنا ہوگا۔'' مزید فرمایا۔ ''کچھ لوگ وہ ہیں جو صلوٰۃ جمعہ میں نہیں آتے، مگر دیر سے، اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر نہیں کرتے، مگر کبھی کبھی، اور بہت بڑے گناہوں میں سے ہے، زبان کا جھوٹ بولنا، بہترین بے نیازی، نفس کی بے نیازی ہے اور

بہترین زاد سفر، تقویٰ ہے، اعلیٰ درجہ کی دانائی اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا ہے، اور بہترین چیز جو دلوں میں جاگزیں ہو، یقین ہے اور شک وشبہ، کفر کی ایک قسم ہے، فرمایا۔ ”نوحہ کرنا، زمانۂ جاہلیت کے اعمال میں سے ایک عمل ہے، اور غلول یعنی اپنے مفاد کے لئے کوئی چیز چھپالینا، دوزخ کی تپش کی طرح ہے۔“ ارشاد ہوا۔ ”نشہ آتش دوزخ کا داغ ہے، اور شعر ابلیس کی طرف سے ہے، شراب سارے گناہوں کا مجموعہ ہے اور بہت ہی برا کھانا ہے، یتیم کا مال کھانا، سعید، یعنی خوش نصیب و کامیاب وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے اور بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی بد بخت ہوگیا اور تم میں سے ہر شخص بالآخر چار ہاتھ زمین تک ہی پہنچتا ہے اور معاملہ آخرت کے سپرد ہو جاتا ہے اور عمل کی حقیقت اس کے آخری حصے ہوتے ہیں، فرمایا۔ اور بہت ہی برا خواب ہے جھوٹا خواب، اور جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہے۔ ارشاد ہوا۔ کسی صاحب ایمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا یعنی غیبت کرنا، اللہ کی نافرمانیوں میں سے ہے اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔“ یعنی جس طرح بغیر حق قتل کرنا جائز نہیں، تو بغیر حق اس کا مال لینا کیونکر جائز ہوسکتا ہے۔“ آگے فرمایا۔ ”اور جو اللہ کی قسم کھاتا اور سن کر جھٹلا دیتا ہے اور جو بخش دیتا ہے، اسے بخش دیا جائے گا اور جو معاف کر دیتا ہے، اللہ اسے معاف کردے گا، اور جو غصہ پی جاتا ہے، اللہ اسے اجر دے گا، اور جو حق تلفی پر صبر کرتا ہے، اللہ اسے معاوضہ دے گا اور جو شہرت کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اللہ اسے بدنام کر دیتا ہے اور جو نقصان کے مقابلے میں ثابت قدم رہتا ہے اللہ اس کو دوگنا عطا فرماتا ہے اور جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ اس کو عذاب میں ڈالے گا۔“ ان گہر آبدار کی بارش کے بعد خطیب حق نوا نے فرمایا۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔“ اور خطبہ کا اختتام فرمادیا گیا۔“

”سبحان اللہ، مرحبا!“ حیان فرمودات رسالت مآب پر جھومنے لگا۔ خود استاد محترم پر بھی ایک بے خودی سے طاری ہوگئی ہے۔ اب صلوٰۃ والسلام کی خوشبوان کے ہونٹوں سے پھوٹنے لگی، حیان بھی شریک ہوگیا اور اسی کیفیت کو لئے آج کی مجلس موقوف کردی گئی۔

..................(جاری ہے)..................

حضرت گنگوہیؒ کا طلباء کی جوتیاں اٹھانا

ہمارے بزرگوں میں سے کسی کا واقعہ ہے، غالباً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہے، حدیث پڑھا رہے تھے کہ بارش ہوگئی، طالب علموں نے بارش سے بچنے کے لئے کتابیں اٹھائیں اور درسگاہ کے اندر چلے گئے، کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرتؒ اپنے سر پر ایک بڑا گٹھا اٹھائے تشریف لا رہے ہیں، طلباء حیران ہوئے کہ کتابیں تو ہم لے آئے، نجانے حضرت کیا چیز لا رہے ہیں؟ جب دارالحدیث میں پہنچ کر وہ گٹھا سامنے رکھا تو طلباء کو معلوم ہوا کہ یہ تو ان کی جوتیاں ہیں، جنہیں حضرتؒ باندھ لائے ہیں، حضرتؒ نے ان کی پریشانی بھانپ کر فرمایا: پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، تم نبی علیہ السلام کی احادیث مبارکہ سیکھنے آتے ہو، اگر میں تمہارا جوتا اٹھالوں تو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوجائے گی۔

میرے دوستو! آپ کا بھی یہی حق ہے کہ آپ کی جوتیاں اٹھائی جائیں، آپ کی میزبانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے، مگر ہم تو آپ کا حق نہیں ادا کر پاتے، اس پر ہم اللہ سے معافی کے طلبگار ہیں، آپ سے معافی کی گزارش ہے۔

☆......☆......☆



لندن کے مشہور روزنامے ”ٹائمز“ نے اپنی 9 نومبر 1993ء کی اشاعت میں برطانیہ میں اشاعت اسلام کے بارے میں ایک بہت مفصل مضمون شائع کیا، جس کا عنوان تھا: ”برطانوی خواتین اسلام کیوں قبول کر رہی ہیں؟“ اس مضمون پر یہ سرخی بھی لگائی گئی تھی کہ ”مغربی میڈیا کی معاندانہ روش کے باوجود اسلام مغربی دلوں کو فتح کر رہا ہے۔“ اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ جس بھاری تعداد میں برطانوی باشندے آج کل اسلام قبول کر رہے ہیں، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اگرچہ برطانیہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے ملکوں کو چھوڑ کر برطانیہ میں آباد ہوگئے ہیں لیکن اب اس تعداد میں خود برطانوی نژاد نومسلموں کا بھاری تعداد میں

اضافہ ہورہا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ آئندہ بیس سال کے دوران برطانوی نومسلموں کی تعداد ان تارکین وطن کے مقابلے میں بڑھ جائے گی جو آبائی طور پر مسلمان تھے اور ترک وطن کر کے برطانیہ میں آباد ہوگئے۔

اسلام قبول کرنے والی خواتین کی تعداد چار گنا زیادہ:

......"لندن ٹائمز" نے لکھا ہے کہ اگرچہ مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ہمیشہ منفی تصویر پیش کرتا رہتا ہے، اس کے باوجود برطانوی باشندوں میں اسلام قبول کرنے کی رفتار تیزی سے بڑھ رہی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان برطانوی نو مسلموں میں بھاری اکثریت خواتین کی ہے، اخبار کی اطلاع کے مطابق امریکی نومسلموں میں بھی خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے اور برطانیہ میں بھی نومسلموں میں بھاری اکثریت انہی کی ہے، اخبار لکھتا ہے کہ:

" It is even more ironc that most British converts should be women given the widespread view in the West that Islam treats woman poorly"

"یہ اور بھی ستم ظریفی کی بات ہے کہ اکثر برطانوی نومسلم عورتیں ہیں، حالانکہ مغرب میں یہ نظریہ بہت پھیلا ہوا ہے کہ اسلام عورتوں سے گھٹیا سلوک کرتا ہے۔"

مغرب میں اسلام پھیلنے کی وجہ:......مغرب میں اسلام پھیلنے کی اس تیز رفتاری کی وجوہات پر اخبار نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، اس کا کہنا ہے کہ جب سے سلمان رشدی کے معاملے نے شہرت پائی ہے، اس وقت سے لوگوں میں اسلام کا مطالعہ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، دوسری طرف خلیج کی جنگ اور بوسنیا میں مسلمانوں کی حالت زار بھی اسلام سے ہمدردی کا سبب بنی، نیز مغربی تعلیمی اداروں میں تقابل ادیان کے موضوع پر تعلیم میں بھی اضافہ ہوا ہے، اس کے نتیجے میں بھی بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، اس کے علاوہ برطانوی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بے تکان پروپیگنڈہ کرتا رہا ہے اور اس نے ہر اسلامی چیز کو برا کہنے کی جو پالیسی اختیار کی ہوئی ہے، اس کا بھی بہت سے لوگوں پر الٹا اثر ظاہر ہورہا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے ہیں، آخر میں اخبار لکھتا ہے:

"Westerners despairing of their own Soclety rising crime family breakdown drugs and alcoholism have come, to admire the discipline and security of Islam"

"مغرب کے لوگ خود اپنی سوسائٹی سے مایوس ہورہے ہیں، جس میں بڑھتے ہوئے جرائم، خاندانی نظام کی تباہی، منشیات اور شراب نوشی کا دور دورہ ہے، بالآخر اسلام کے دیئے ہوئے نظم وضبط اور تحفظ کی تعریف کرتے ہیں۔"

"تصوف" چھپا ہوا ہیرا ہے:......بہت سے نومسلم پہلے عیسائی تھے، وہ چرچ کی غیر یقینی کیفیت سے برگشتہ اور عقیدۂ تثلیث وغیرہ سے غیر مطمئن تھے، بہت سے وہ لوگ ہیں، جو بذات خود مذہب پر یقین نہیں رکھتے تھے، لیکن انہیں اس تصور نے اپیل کیا جسے وہ "اسلام کے بم کو خول میں چھپے ہوئے ہیرے" سے تعبیر کرتے ہیں۔

نومسلموں کی مشکلات:......اخبار نے یہ بھی لکھا ہے کہ نام نہاد آزادیٔ فکر کے اس دور میں بھی اسلام قبول کرنے والوں کو برطانیہ میں اپنی برادری اور اپنے معاشرے کی طرف سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، خواتین کی مدد کے لئے جو ادارہ قائم ہے، اس کو ٹیلی فون کر کے فریاد کرنے والی خواتین میں تقریباً ایک چوتھائی نومسلم خواتین ہوتی ہیں۔

خواتین کے انٹرویو:......اس کے بعد "لندن ٹائمز" نے ایسی بہت سی خواتین کے انٹرویو بھی شائع کئے ہیں جو برطانوی نژاد ہیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انہوں نے پوری طرح بصیرت کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے، ایک اکتالیس سالہ خاتون، جس نے اپنا اسلامی نام "میمونہ" رکھا ہے، شروع میں عیسائی تھی، پھر اس نے عیسائیت کے تمام فرقوں پر ریسرچ کی اور پھر اس نے یہودیت، بدھ مت اور ہری کرشنا کا گہرا مطالعہ کیا، بالآخر اس نے اسلام کو منتخب کیا، متعدد نومسلم خواتین نے بتایا کہ ہم کلیسا کی رسمی درجہ بندیوں کے خلاف ہیں اور اسلام کی یہ ادا ہمیں پسند آئی ہے کہ ہر مسلمان براہ راست اپنے خدا سے رشتہ قائم کرسکتا ہے۔

ایک برطانوی خاتون کا اسلام پر تبصرہ:......ایک اٹھائیس سالہ برطانوی خاتون جو "ہدیٰ" خطاب کے اسلامی نام سے مشہور ہے اور اس نے نومسلم خواتین کے لئے ایک کتاب بھی لکھی ہے، دس سال پہلے مسلمان ہوئی تھی، اسلام اور عیسائیت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"عیسائیت" ہر وقت بدلتی رہتی ہے، مثلاً اب بعض عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنے میں کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ یہ اس شخص کے ساتھ ہوں، جس سے شادی کرنے کا ارادہ ہو، یہ بڑا ڈھیلا ڈھالا مذہب ہے، اس کے برعکس جنسی تعلقات کے بارے میں اسلام کی تعلیمات ہمیشہ یکساں رہی ہیں، اسی طرح دن میں پانچ وقت کی نمازوں کے احکام میں تسلسل ہے، نماز کے ذریعے انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس دل میں رکھتا ہے اور اس طرح آپ کے پاس ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی ایک بنیاد موجود رہتی ہے۔

اسلام میں کشش کا سبب:......اگرچہ عام تاثر یہ ہے کہ مغربی خواتین مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کو پسند کرتی ہیں اور اپنی اس خواہش سے دست بردار ہونا ان کے لئے بہت مشکل ہے، لیکن برطانیہ کی جن نومسلم خواتین سے "لندن ٹائمز" نے گفتگو کی، اس میں ان خواتین نے بتایا کہ ہمارے لئے اسلام میں کشش کا سبب ہی یہ ہوا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں کے لئے الگ الگ دائرہ کار تجویز کرتا ہے، جو دونوں کے جسمانی اور حیاتیاتی سانچوں کے عین مطابق ہے، ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک نسائیت" (Femininism) درحقیقت عورت کے ساتھ بغاوت ہے۔ "تحریک آزادی نسواں" پر تبصرہ کرتے ہوئے ان خواتین نے کہا کہ اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ:

"women copying men, an exercise in which womanhood has no intrinsic value"

"عورتیں مردوں کی نقالی کریں اور یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں نسوانیت کی اپنی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہتی۔"

نومسلم "نوریہ" کا مغربی طرز عمل پر تبصرہ:......اسکاٹ لینڈ کی ایک چھتیس سالہ خاتون کو 1947ء میں قرآن کریم کی بعض آیات (العیاذ باللہ) ایک ردی کی ٹوکری میں پڑی ہوئی ملیں، جنہیں اس نے اٹھایا اور انہیں پڑھ کر اس کے دل میں اسلام کا داعیہ پیدا ہوا، وہ مسلمان ہوئی اور اس نے اپنا اسلامی نام "نوریہ" رکھا۔ ایک گفتگو کے دوران "نوریہ" نے مغربی خواتین کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"Most of the women in this country are traitiors to their sex. It is almost as if we have been defeminised."

"اس ملک میں بیشتر خواتین اپنی صنف کے خلاف بغاوت کررہی ہیں اور یہ طرز عمل تقریباً ایسا ہے، جیسے ہم سے ہماری نسوانیت چھین لی گئی ہے۔"

نومسلم "حسانہ" کا تبصرہ:......نوریہ ہی کی ایک سہیلی،

جس نے اپنا نام "حسانہ" رکھا ہے، 1988ء میں مسلمان ہوئی، وہ بھی حجاب کے احکام کی پابند ہے، اور کہتی ہے کہ:

"کم از کم میں اپنی صنف کی باغی نہیں ہوئی۔"

پردہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے کہا کہ "اس سے ہمیں تحفظ کا احساس ہوتا ہے اور ہماری خود اعتمادی میں اضافہ ہوتا ہے، نوریہ نے کہا کہ ابھی تک مغرب میں یہ رسم جاری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے بعد بھی عورت کا نام تک مرد کے تابع ہوتا ہے، حالانکہ ہمیں اسلام میں مردوں سے بالکل الگ حقوق عطا کیے گئے ہیں۔" اس ضمن میں اس نے جائیداد اور وراثت اور بچوں کی تحویل وغیرہ کے بارے میں اسلامی احکام کا تذکرہ کیا اور کہا کہ حالات جس طرف جا رہے ہیں، مجھے اس ملک (برطانیہ) میں عورت کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا، انجام آخر عورت ہی کے حق میں برا ہوتا ہے:

"Scratch any "new man" and you find an old man trying to get out. Men will always be the same. Women are changing much faster, but they are not trying to qet what they want. Everything the feminist movement is aiming for except abortion and lesbianism we've got."

"کسی بھی "نئے مرد" کو کھرچ کر دیکھئے اندر سے ایک نیا مرد برآمد ہوتا نظر آئے گا۔ مرد ہمیشہ ایک جیسے ہی رہیں گے، عورتیں کہیں زیادہ تیز رفتاری سے بدل رہی ہیں، لیکن جو کچھ وہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، اس کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔" نسائیت (Feminism) کی تحریک جن مقاصد کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں، ان میں سے اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کے سوا سب چیزیں ہم پہلے ہی "اسلام" میں حاصل کر چکی ہیں۔"

"تحریک آزادی نسواں" کا نتیجہ:...... "لندن ٹائمز" لکھتا ہے کہ بہت سی نومسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلامی تعلیمات میں عورت کو زیادہ تقدس اور عظمت حاصل ہے، جو مغرب میں عورت کو حاصل نہیں اور ان کے نزدیک مغرب کی "تحریک آزادی نسواں" کا اس کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی ہے، اخبار کے الفاظ ہیں:

"Many muslims contrast the status of women in Islam with what they see as the dismal plight of women in the West. They onte that here women work full time out of financial necesstiy, remaining lumbered with the house work and childcare. It is a puzzling version of emancipation."

"بہت سے مسلمان اسلام میں عورت کے رتبے کا مقابلہ مغرب میں نظر آنے والی عورت کی افسوس ناک حالت زار سے کرتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ یہاں (مغرب میں) عورتیں اپنی معاشی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہمہ وقت معاشی پیشے اختیار کرتی ہیں، اس کے باوجود خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داریوں کے بوجھ میں بدستور دبی ہوئی ہیں۔ یہ "تحریک نسواں" کا ناقابل فہم رخ ہے۔"

"لندن ٹائمز" کا اداریہ:...... "لندن ٹائمز" نے اس طرح کے متعدد انٹرویو اپنی اس اشاعت میں شائع کئے ہیں، جن میں برطانوی نومسلم خواتین نے مغربی

زندگی سے اکتاہٹ اور اس کے مقابلے میں اسلام کے اطمینان و سکون کا اعتراف کیا ہے، ان کے تمام اقتباسات پیش کرنا اس مضمون میں ممکن نہیں، لیکن اس مضمون کے ساتھ "لندن ٹائمز" نے ایک اداریہ بھی لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "اسلام کا انتخاب" اس اداریے کے چند اقتباسات طوالت کے خوف کے باوجود اخبار کے اپنے الفاظ میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

"ٹائمز" لکھتا ہے:

"ٹائمز" نے عورت اور اسلام کے موضوع پر جو تحقیق کی ہے، جیسا کہ اس کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے، اس چودہ سو سال پرانے دین کا فکری طور پر واضح ہونا اور اخلاقی طور پر حتمی ہونا بہت سی مغربی خواتین کے لئے پرکشش ثابت ہو رہا ہے، یہ وہ خواتین ہیں، جو خود اپنے کلچر کی اخلاقی اضافیت کے فریب سے آزاد ہو چکی ہیں۔ (اخلاقی اضافیت سے اداریہ نگار کا مقصد یہ ہے کہ مغرب میں کوئی اخلاقی قدر ابدیت کی حامل نہیں، بلکہ زمان و مکان کے تقاضوں سے بدلتی رہتی ہے) اگرچہ کچھ خواتین پاکستانی یا بنگلہ دیشی مردوں سے شادی کرنے کے بعد اسلام قبول کر رہی ہیں، لیکن دوسری خواتین اس لئے اسلام کی طرف چھلانگ لگا کر جا رہی ہیں کہ وہ ان کی طرف سے روحانی طور پر اصلاح ذات کا ایک آزاد عمل ہے۔

اگرچہ مسلمان ملکوں میں بہت سی عورتیں توہین آمیز عدم تقدس کا شکار ہیں لیکن جہاں تک قرآن کے بیان کئے ہوئے اصولوں کا تعلق ہے، وہ عام طور پر خواتین کے مفاد کے لئے ہمدردانہ ہیں اور یہ وعدہ کرتے ہیں کہ "عورتوں کے مردوں پر بھی اس جیسے حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں۔

اسلام میں مرد اور عورت کی دو صنفوں کے لئے جو مختلف دائرہ کار تجویز کئے گئے ہیں، وہ یقیناً ان صنفی معیارات سے مطابقت نہیں رکھتے جو "نسائیت" کے انقلاب نے متعارف کرائے ہیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ مغرب کی بہت سی وہ خواتین، جنہوں نے یہ غیر متوقع راستہ اختیار کیا ہے، انہوں نے اپنی آزاد مرضی سے ایسا کیا، کسی خاندانی دباؤ یا کسی تاریخی فریضے کی ادائیگی کے لئے نہیں، وہ دراصل مثبت طور پر اس اخوت اور معاشرت کے شعور سے متاثر ہوئیں جو انہوں نے اسلام میں دریافت کیا۔

روحانی تبدیلی کا یہ عبوری عمل ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد خود اپنے کلچر کے نظام اقدار کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے، اس صورت حال سے مغرب کی اخلاقی روایت کی موجودہ حالت کے بارے میں اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں اور یہ سوال ابھرتا ہے کہ اس صورت حال کو کس طرح مستحکم بنایا جائے؟ تاہم (قبول اسلام کی) یہ صورت حال (جو ابھی تک اعتدال کی حدود میں ہے) بظاہر مثبت ثابت ہوگی، برطانوی سوسائٹی میں نومسلموں کی موجودگی سے...... جن میں سے بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں...... یہی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے کہ دونوں ثقافتوں کے درمیان باہمی مفاہمت کے عمل میں مدد ملے، جس پر گزشتہ ماہ "پرنس آف ویلز" (Prince of Wales) نے زور دیا ہے، جو لوگ تفرقہ کی سرحد پار کر چکے ہوں، صرف وہی لوگ یہ بات ٹھیک ٹھیک سمجھتے ہیں کہ دوسری طرف حقیقت کیا ہے؟"

تبلیغ اسلام کا بڑا میدان:...... یورپ کے جریدہ کی رپورٹ اور تاثرات آپ نے دیکھے، اگرچہ مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں میں تبلیغ و دعوت کا کوئی منظم کام نہیں ہو رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی مجموعی دینی اور اخلاقی حالت اسلام کی طرف ان کی کشش کا ذریعہ بننے کے بجائے واقعہ یہ ہے کہ رکاوٹ بن رہی ہے اور تیسری طرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی ذرائع ابلاغ کی مہم زوروں پر ہے، لیکن ان تمام مخالف عوامل کے باوجود مغرب میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار خود اہل مغرب

کو چونکا رہی ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مغربی ممالک میں مخلصانہ دینی کام کا کتنا بڑا میدان موجود ہے اور اگر مسلمان اپنے قول و فعل کے ذریعے غیر مسلموں میں دعوت کا کام منظم طور پر انجام دیں تو نتائج کس قدر بہتر ہوسکتے ہیں؟

امریکی عورتوں کی اسلام میں دلچسپی:...... اخلاقی اور نفسیاتی لحاظ سے امریکی معاشرے میں سکون و قرار اور دل جمعی کا سخت فقدان ہے، نیز خاندانی روابط و تعلقات اور عائلی زندگی کی حالت بہت خراب ہوچکی ہے، زیادہ تر امریکی جوڑے باہمی چپقلش کا شکار ہیں، امریکہ میں عورتوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح ہے، عورتوں پر حملے اور پرس چھین لینے کے واقعات میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے، جیسا کہ امریکی عدالتوں کے جاری کردہ اعداد و شمار میں بیان کیا گیا ہے۔

''ریڈرز ڈائجسٹ'' نے اپنی ایک اشاعت میں بتایا ہے کہ آج کل امریکہ میں 19 سال سے کم عمر کی غیر شادی شدہ لڑکیوں میں سے 64ء4 فیصد با اولاد ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں 1965ء میں صرف 65ء1 فیصد کنواری مائیں موجود تھیں، کنواری ماؤں کی نصف سے زیادہ تعداد اپنے بچوں کے باپوں کے پاس نہیں رہ رہی، ان میں سے 25 فیصد سے زیادہ کبھی بھی اپنے بچوں کے پاس نہیں رہیں، غیر شادی شدہ ماؤں میں سے صرف 20 فیصد کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے عمدہ مادی امداد مل رہی ہے، کنواری ماؤں کی نصف سے بھی کم تعداد، آئندہ برسوں میں شادی کرے گی۔

60 فیصد سے زائد نوجوان امریکی لڑکیوں کو اسقاط حمل کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑتا ہے، امریکی معاشرے کے بارے میں یہ خوف ناک حقائق اس بڑے خلا کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو اس معاشرے کی بنیادوں کو متزلزل کررہا ہے، اس کا شکار عورت کو ہی بننا پڑتا ہے، جو زیادہ تر اٹھارہ برس کی عمر میں ہی معرکہ حیات میں حصہ لینے پر مجبور ہوجاتی ہیں، تاکہ وہ اپنے لئے مناسب آمدنی کا بندوبست کرسکے۔

امریکی سوسائٹی کی اس دگرگوں اخلاقی اور سماجی حالت کی بنا پر بہت سی امریکی عورتیں، دین اسلام میں دیئے گئے عورت کے مقام، عزت و احترام کو بہت حیرت سے دیکھتی ہیں، وہ اسلام کے اس پہلو سے خاص طور پر بہت متاثر ہوتی ہیں کہ ایک مسلمان عورت کتنے آرام و سکون اور عزت و وقار سے زندگی گزارتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امریکی عورتیں اسلام کی طرف راغب ہورہی ہیں، کیونکہ وہ قبول اسلام کو امریکی معاشرے میں اپنی تمام سماجی مشکلات کا حل سمجھتی ہیں، امریکہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ اسلام قبول کررہی ہیں۔

امریکہ کی ایک نومسلم خاتون ''امینہ اسلمی'' ہیں جن کا تعلق ''کولوراڈو'' امریکی ریاست سے ہے، انہوں نے 1977ء میں سعودی عرب کے ایک طالب علم کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا، محترمہ اس وقت امریکہ میں ''عالمی اتحاد برائے مسلم خواتین'' کی سربراہ ہیں، دعوت و تبلیغ کا کام تسلسل کے ساتھ کررہی ہیں، امریکیوں کو مختلف اسلامی موضوعات پر لیکچر دینے کے لئے ہر وقت مصروف رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے محترمہ کو موثر اسلوب خطابت سے نوازا۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ انہیں 3000 اشخاص کے ذاتی خطوط موصول ہوچکے ہیں، جن میں ان افراد نے ان کی تبلیغ کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا ہے۔

ایک اور خاتون ''سلمیٰ فرید مان'' نے قبولِ اسلام کے بعد ''ڈائیلاگ سوسائٹی فارینگ مسلم جنریشن'' بنائی ہے، ریاست ورجینیا اور دیگر ریاستوں میں جدید مسلم نسل کے ساتھ ان کا خصوصی رابطہ ہے۔

واشنگٹن کی امریکن یونیورسٹی کی ایک طالبہ نیکولا بالیوان ہیں، جنہوں نے قبول اسلام کے بعد جنوبی

امریکہ کی لاطینی الاصل امریکی مسلم خواتین کے ساتھ مل کر ''لاطینی امریکی مسلم خواتین سوسائٹی'' قائم کی ہے، یہ سوسائٹی بنیادی طور پر ہسپانوی زبان بولنے والوں میں اسلام کی تبلیغ کرتی ہے۔ یاد رہے کہ ہسپانوی زبان، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی دوسری بڑی زبان ہے، امریکہ میں متعدد ایسی خواتین ہیں، جنہوں نے دین اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی زندگیاں دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے وقف کردی ہیں اور امریکہ میں اسلام کو پھیلانے کے لئے مصروف عمل رہتی ہیں۔

ستمبر 1996ء میں ایک لیکچر میں مسلم مبلغ و داعی (سابق امریکی اداکار) روفیل نابریز اور محترمہ امینہ اسلمی نے شرکت کی، اس لیکچر کا موضوع تھا۔ ''تعدد ازواج'' محترمہ ''امینہ'' نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا: ''اسلام میں تعدد کا نظام مرد کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ عورت کے مفاد میں ہے، عام حالات میں ایک مرد کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی شادی کے بغیر رہے تو اس کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، اسی طرح بیوہ ہونے کی صورت میں عورت کے لئے اپنے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کا فریضہ تنہا ادا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے، بلکہ خود اپنی گزر بسر کے لئے بھی دوسروں کی دست نگر ہوتی ہے، اسے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے اسلام نے دوسری شادی کرنے کی اجازت دی ہے، گویا ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت کا فائدہ عورتوں کو ہے۔''

روفیل نابریز نے اپنے لیکچر میں کہا: ''میں نے قرآن کریم میں جب غور و فکر کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے لئے ایک ہی بیوی بنائی تھی، لہٰذا شادی میں اصل مثالی صورت یہی ہے کہ ایک خاوند کے لئے ایک بیوی ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر یعنی عورتوں کے مفاد میں مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دی، مرد کی ضروریات کے لئے نہیں بلکہ عورت کے فائدہ اور سہولت کی خاطر۔''

امریکی عورتوں میں قبول اسلام کے قوی رجحانات کے پیش نظر امریکی ذرائع ابلاغ نے اسلام اور مسلم روایات و اقدار کے خلاف ایک منظم مہم چلا رکھی ہے، یہ ذرائع ابلاغ مسلسل عورت کے پردہ و حجاب کو اپنی تنقید و استہزاء کا نشانہ بناتے ہیں، کئی امریکی فلموں میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ مسلم پردہ نشین عورت سماج سے کٹ کر گوشہ تنہائی میں رہ رہی ہے، وہ ایک قسم کی باندی ہے جس کی خاوند کے مقابلے میں کوئی عزت نہیں ہے، نہ ہی اسے خود مختاری حاصل ہے، امریکہ کی کئی ریاستوں میں با حجاب مسلمان خواتین کو بے توقیری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اپریل 1996ء میں اوکلاہوما کے مشہور سانحہ کے بعد 300 نسلی امتیازات کے واقعات ہوئے، ان میں سے ایک نسلی امتیاز کے حادثے کے نتیجے میں ''سلام'' نامی ایک مسلمان بچہ مارا گیا، اسلامی امریکی تعلقات کونسل (Cair) کی جاری کردہ رپورٹوں کے مطابق اس قسم کے سانحات اب بھی جاری ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دنوں کیلی فورنیا ریاست کے شہر سان فرانسکو کے ایئرپورٹ پر ایک مسلمان ضعیف العمر خاتون اور اس کی بیٹی کی بلاوجہ جسمانی تلاشی لی گئی۔ ''کیئر'' کی مداخلت پر ایئرپورٹ کے ڈائریکٹر نے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ مذکورہ افسر کو عنقریب ایک کورس پر بھیجا جائے گا تاکہ اسے دیگر ثقافتوں کے لوگوں کے ساتھ پیش آنے کی تربیت دی جائے۔

ان تمام تر مزاحمتوں کے باوجود اسلام امریکہ میں پھیل رہا ہے اور اس کے پھیلاؤ میں بنیادی کردار مسلم خواتین کا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مغربی عورت کی بے راہ روی ہی مغربی عمارت کے انہدام کی بنیاد بنی ہے، ہمارا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان شاء اللہ! مسلمان عورت ہی امریکہ میں اشاعت اسلام کا کلید ثابت ہوگی۔

☆......☆......☆

قسط نمبر 2

اسلام کی خاطر آزمائشیں اور قربانیاں

مولانا طارق جمیل





دنیا کی عورت کا مقام جنت کی حور سے بلند ہے:

......یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی عورت اچھی ہے، فرمایا: نہیں، نہیں، دنیا کی عورت کا مقام اونچا ہے۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیسے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بصلا تھن“ ان کی نماز کی وجہ سے ”بصیا مھن“ ”ان کے روزوں کی وجہ سے ”وبعبادتھن للہ عزوجل“ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی وجہ سے ”البس اللہ وجوھھم من نورہ“ ”ان کے چہروں کو اپنے نور میں سے نور دے گا۔

چالیس سال وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں تو دیکھنے کی لذت کم نہیں ہوگی۔ ”ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون نزلا من

غفور الرحیم“

اب بولو، کیا چاہتے ہو، جو چاہتے ہو، وہی کردوں گا، چونکہ اب تم مہمان ہو، میں میزبان ہوں، ہاں، یہاں کہا، پڑھ جا سجدے میں اور میرے سامنے آنسوؤں سے بھگو دے اپنی زمین کو اور لگادے تو اپنے آنسوؤں کا ڈھیر، پھر میری رحمت کے دروازوں کو کھلتا دیکھ اور وہاں کیا ہوگا، جب اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کرائے گا، دیکھو ناں، یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اتنا حسن دیا کہ مصر کی عورتوں کے ہاتھ کٹ گئے اور ان کو پتہ نہ چلا کہ ہمارے ہاتھ کٹ رہے ہیں، یا پھل کٹ رہے ہیں اور یہ ادنیٰ کرشمہ ہے اللہ کی قدرت کا یوسفؑ، ایک جنت کا جنتی مرد ہو یا عورت، ساری دنیا حسن یوسف سے بھر جائے تو ایک جنتی کا حسن اس سے زیادہ ہے اور پھر جنت کا حسن اور اللہ کے غیبی خزانوں کا حسن اکٹھا کیا جائے تو اللہ پاک کا حسن ان سب پر حاوی اور غالب ہے، جب اللہ اپنے چہرے سے پردہ اٹھائے گا، جو جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے، سب سے اعلیٰ نعمت ہے کہ ان گنہگار آنکھوں ہی سے اللہ اپنے بندوں اور بندیوں کو اپنا دیدار کرا کر ان سے ہم کلام ہوگا اور ایک ایک کا نام لے کر ان سے خطاب کرے گا۔ اے میرے بندے! اے میری بندی! نام لے کر، خوش تو ہو، راضی تو ہو، کیا حال ہے۔

اللہ کے نبی ایوب علیہ السلام پر مصائب:......

ایوب علیہ السلام کے بارے میں تو پتہ ہی ہوگا کہ اٹھارہ برس بیمار رہے اور سارا جسم گل گیا، آبلے چھالے، یہ وہ اٹھارہ برس کی بیماری، ایسی بیماری، شاید ہی دنیا میں کسی پر آئی، امتحان تھا، پر اللہ نے صحت بھی دے دی، تو ایک دن کسی نے پوچھا، یا نبی اللہ، وہ بیماری کے دن یاد آتے ہیں، کہنے لگے، تمہیں بتاؤں بیماری کے دن، آج کے دنوں سے زیادہ اچھے تھے، کہا، توبہ توبہ وہ کیسے اچھے تھے، کہا، جب میں بیمار تھا تو اللہ تعالیٰ روزانہ میرا حال پوچھتے تھے، ایوب کیا حال ہے، بس وہ جو کہتے تھے نہ کیا حال ہے، اس میں جو لذت تھی، میرے سارے زخموں کے درد نکال دیتی تھی اور جب اللہ کو آپ دیکھ رہے ہوں، ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، پھر اللہ آپ کا نام لے، کیا حال ہے خالد، کیا حال ہے ابوبکر اور بھائی احسان کیا حال ہے اور زینب کیا حال ہے، فاطمہ کیا حال ہے، وہ کیا انتہا ہوگی، اب اپنی پرواز تو سوچیں، کیوں گارے مٹی کے پیچھے اپنی عاقبت کو برباد کر رہے ہیں، وہ کپڑا جو پھٹ کر پرانا ہو جائے اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں جا گرے، وہ حسن، جس پر بڑھاپا چھا جائے، وہ چہرہ، جو مرجھا جائے، وہ زندگی جو موت سے بدل جائے، وہ خوشی، جو غم سے بدل جائے، وہ راحت، جو بے چینی سے بدل جائے، وہ بھی کوئی چیز ہے، جس کے لئے آدمی اپنی عاقبت کو خراب کرے، کیوں دیوانے بن گئے ہم، اللہ تعالیٰ کہے گا رضوان سے، رضوان (رضوان جنت کے ایک فرشتے کا نام ہے) رضوان، یہ میرے بندے اور بندیاں میرے دیدار کو آئے ہیں، آج پردہ ہٹا دے کہ یہ مجھے دیکھ لیں جی بھر کے، اب پردہ ہٹے گا اور اللہ پاک ”سلام قولا من رب الرحیم“ ”اے میرے بندو! تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے۔ اللہ اکبر

تو پھر ہم تو ہم ہیں، وہ فرشتے، جو جب سے سجدے میں پڑے ہیں اور جب سے رکوع میں پڑے ہیں اور جب سے اللہ کی تسبیح پڑھ رہے ہیں، وہ بھی اللہ کو دیکھ کر کہیں گے، یا اللہ، ہم تیری عبادت کا حق نہ ادا کر سکے، کہا، ہم تو ویسے ہی ہیں نا ہنجار، تو جب اللہ کو دیکھیں گے، کہیں گے یا اللہ، آپ ایسے جمال والے ہمیں تو خبر ہی نہیں تھی، ہمیں ایک سجدے کی اجازت دیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

نہیں، نہیں، اب تم مہمان اور میں میزبان اور کوئی مہمان کو تو نہیں کہتا، جا روٹی خود کھا کے آ۔ بخیل سے بخیل بھی، یہ نہیں گوارا کرے گا کہ اس کے گھر مہمان آ جائے، تو روٹی باہر سے کھائے، تو اللہ سے زیادہ بڑا سخی کون ہے،

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم مہمان، میں میزبان، دنیا میں جو سجدے کئے، دنیا میں جو میرے لئے جھکے، وہی کافی ہے، آج تم مجھ سے مانگو اور میں تمہیں دوں گا اور میں تمہارا رب تم سے راضی ہوں۔

"کلوا واشربوا هنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیة."

کھاؤ، پیو، مزے کرو، تم سے ہر پابندی کو میں نے اٹھا دیا ہے، مانگو، کہیں گے یا اللہ، کیا مانگیں، سب کچھ تو دے دیا اور کیا مانگیں، کہا، نہیں کچھ مانگو، کہیں گے، اچھا راضی ہو جا، کہیں گے، راضی ہوں تو تمہیں دیدار کرا رہا ہوں، راضی ہوں، تو تمہیں جنت میں بٹھا رہا ہوں تو تم سے ہمکلام ہوں، کچھ اور مانگو تو پھر مانگنا شروع کریں گے، تو مانگتے مانگتے، ان کی ساری عقل کی طاقتیں جواب دے جائیں گی، اللہ تعالیٰ پھر کہیں گے، نہیں کچھ نہیں مانگا اور مانگو اور ایک بات اور بتاؤں، انسان کا دماغ صرف چار پانچ فیصد کام کرتا ہے، باقی سارا سویا ہوا ہے، جو پڑھتے ہیں، ان کا سات آٹھ فیصد ہو جاتا ہے جو اور زیادہ محنت کرتے ہیں، کوئی نو فیصد ہے، آئن سٹائن کا دماغ دیکھا گیا تھا، تو گیارہ اعشاریہ دو فیصد (۱۱٫۲) فیصد اس کا استعمال ہوا تھا، باقی اس کا بھی استعمال نہیں ہوا تھا، باقی اس کا بھی سویا ہوا تھا، تو جنت میں دماغ کے سارے سیل کھل جائیں گے اور سارے سیل کام کر رہے ہوں گے، پھر اس پوری دماغ کی طاقت سے مانگے گا اور مانگتے مانگتے تھک جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کچھ نہیں مانگا اور مانگو، پھر شروع ہوں گے، مانگتے رہیں گے، پھر مانگتے مانگتے تھک جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے، کچھ نہیں مانگا اور مانگو، پھر آپ سوچ میں پڑ جائیں گے، اب کیا کریں، کوئی ادھر سے پوچھے گا، کوئی ادھر سے پوچھے گا، کوئی نبی سے پوچھے گا، کوئی کسی سے پوچھے گا، پھر مانگنا شروع کریں گے، پھر مانگتے مانگتے تھک جائیں گے، کہیں گے، یا اللہ اب سمجھ میں نہیں آتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، واہ میرے بندو! تم نے تو اپنی شان کا بھی نہ مانگا، میری شان کا کہاں سے مانگ سکتے ہو، جو تم نے مانگا، وہ دیا جو نہیں مانگا، وہ بھی دیا جاؤ، چلے جاؤ، میں تمہارا رب تم پر مہربان ہوں، راضی ہوں، موت کو موت دے دی اور بڑھاپے کو ختم کر دیا، غم کو ختم کر دیا، مصیبت کو ختم کر دیا، اس زندگی کی طرف، پھر اللہ نے کہا۔

"وفی ذلک فیلتنا فس المتنافسون"

اے میرے بندو! اس پاک زندگی کو لینے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاؤ، یہ کتنی حماقت ہے کہ پانچ وقت کی نماز پر آخرت کو سمجھا ہوا ہے کہ آخرت بن گئی کہ ہم پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے، وہاں کی محنت صرف دو گھنٹے اب تو دو گھنٹے بھی نہیں لگتے، دس منٹ میں پانچ منٹ میں عشاء کی نماز پڑھ کے فارغ ہو جاتے ہیں، جو سب سے لمبی نماز ہے، میں نے مسجد میں ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا، میں اندر ہی اندر خون کے آنسو رو رہا تھا کہ یہ تو نمازیوں کا حال ہے، بے نمازیوں کا کیا حال ہوگا تو اس نے کوئی ڈیڑھ منٹ میں چار رکعت پڑھ کے فارغ ہو گیا اور کہا، بس اب جنت ہماری ہو گئی اور جہاں رہنا نہیں، وہاں سارا دن اور دماغ لگ رہا ہے، دل بھی لگ رہا ہے، جہاں رہنا نہیں، وہاں ساری طاقت، جہاں مستقل رہنا ہے، وہاں پانچ وقت کی نماز اور وہ بھی بچانوے فیصد چھوٹ چکی، کتنے ہیں جنہوں نے آج تک کبھی صبح کا سویرا نہیں دیکھا، سورج کی کرنوں سے اٹھتے ہیں، کبھی انہیں صبح سجدے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، کتنے گھر ہیں کہ ایک کو بھی سجدے کی توفیق نصیب نہیں، کتنے گھر ہیں کہ ایک کی بھی زبان سے قرآن کے الفاظ نہیں ادا ہوتے، کتنے گھر ہیں جو قرآن کی تلاوت سے محروم ہیں، کتنے گھر ہیں، جو نماز کے سجدے سے محروم ہیں، نہ بچی، نہ بچہ، نہ مرد، نہ عورت، نہ بوڑھا، نہ بوڑھی کسی ایک کو بھی سجدے کی توفیق نصیب نہیں، کتنا بڑا بحران ہے، کتنی بڑی ہلاکت ہے، تو ہر مسلمان مرد

عورت اسے اللہ کے پاس جانا ہے، اس کی تیاری کر کے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو، حضرت معاذہ عدویہ رات آتی تو کہتیں، معاذہ تیری آخری رات ہے، کل کا سورج تو نہیں دیکھے گی، کچھ کرنا ہے تو کر لے اور یہ کہہ کر ساری رات جاگتی رہتیں، مصلے پر بیٹھے بیٹھے سو جاتی، جو سو جاتیں، پھر شروع، پھر اگلی رات آتی، معاذہ یہ آخری رات ہے، کل کا سورج نہیں آئے گا، کچھ کرنا ہے تو کر لے، پھر ساری رات بندگی میں لگتی رہتی، جب ان کا انتقال ہونے لگا تو رونے لگیں، پھر ہنسنے لگیں تو عورتوں نے کہا، روئی کس بات پر ہو، کہا، روتی اس بات پر ہوں کہ آج کے بعد نماز سے محرومی ہو جائے گی اور نماز اور روزہ آج کے بعد چھوٹ گیا، اس بات پر رونا یہ ہے اور ہنسی کس بات پر ہو، ان کے خاوند پہلے شہید ہو گئے تھے، مسلم بن اشیم رحمتہ اللہ علیہ ترقستان کے جہاد میں بہت بڑے تابعین میں سے ہیں، یعنی صحابہؓ کے شاگردوں میں، تو فرمانے لگیں، ہنسی اس بات پر ہوں کہ وہ سامنے میرے خاوند کھڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ تجھے لینے کے لئے آیا ہوں، تو اس بات پر ہنس رہی ہوں کہ اللہ نے ملاپ کر دیا کہ وہ سامنے کھڑے ہیں، صحن میں اور کہہ رہے ہیں کہ تجھے لینے کے لئے آیا ہوں اور اس کے ساتھ ہی انتقال ہو گیا، تو ہم اللہ کی ذات کو سامنے رکھ کر چلنے والے بنیں۔

فرعون کی باندی کا اسلام اور مصائب برداشت کرنا:......فرعون کی باندی تھی، مسلمان ہو گئی چپکے چپکے اپنا اسلام کو چھپائے پھرتی تھی اور جیسے پیسہ نہیں چھپتا، ایسے اسلام بھی نہیں چھپتا، ایمان بھی نہیں چھپتا، بخیل آدمی پیسہ چھپا لے، پر ایمان نہیں چھپ سکتا، اگر بن جائے، ہمارا تو بنا ہوا نہیں، اگر بن جائے، فرعون کو پتہ چل گیا کہ وہ مسلمان ہو گئی تو اس نے اس کو بلوایا، اس کی دو بیٹیاں تھیں، ایک دودھ پیتی، ایک ساتھ چلتی، پھر ایک بہت بڑی دیگ میں کڑھائے میں تیل ڈالا، نیچے آگ جلائی، جب وہ ابلنے لگا تو کہنے لگا، اگر مجھے رب مانتی ہے تو تیری بیٹیاں تجھے مبارک، اگر موسیٰ کے رب کو رب مانتی ہے تو پہلے تیری بیٹیوں کو جلاؤں گا، پھر تجھے جلاؤں گا، اس نے کہا، یہ تو میری دو ہیں اور ہوتی تو میں وہ بھی اللہ پر قربان کر دیتی، تجھے جو کرنا ہے، وہ کر لے، ہمیں تو نماز کی توفیق نصیب نہیں، یہاں جان کے سودے اللہ مانگتا ہے، اس نے بڑی بیٹی کو اٹھا کر اس کے سامنے تیل میں ڈال دیا، جس ماں کے سامنے بچہ تلا جا رہا ہو، اس کی کیفیت کے لئے کوئی الفاظ دنیا کی کوئی زبان لا سکتی ہے؟ اس کے اندر کے جذبات کی ترجمانی کے لئے دنیا کی کوئی لغت الفاظ لا سکتی ہے، الفاظ کا دائرہ تنگ ہے، ماں کا جو سینہ پھٹا اور کلیجہ چاک ہوا، اللہ کی رحمت کو جوش آیا، اللہ نے ماں کی آنکھوں سے غیب کا پردہ اٹھا دیا، ماں نے اپنی بچی کی روح کو نکلتے دیکھا اور وہ کہہ رہی ہے، اماں صبر کرو، جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے، صبر کرو، وہ جنت ہے، پھر اس نے دودھ پیتی جو تھی نہ وہ زیادہ قریب ہوتی ہے دل کے، زیادہ محبت ہوتی ہے اس سے، اس کو پکڑا اور اس کے سامنے تیل میں ڈال دیا، اب وہ پکوڑے کی طرح تلی جا رہی ہے، اللہ نے اپنے بندے سے جو محبت میں تشبیہ دی کہ میں باپ سے زیادہ اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں، ماں سے تشبیہ دی ہے، ماں سے زیادہ محبت کرتا ہوں، اس ماہتا کو اب دیکھو، جس کے سامنے دو بچیوں کو پکوڑا بنا دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے غیب کا پردہ اٹھایا، پھر ماں نے اپنی بچی کی روح کو نکلتے دیکھا۔ کہا، اماں صبر صبر۔

"فان لک من الاجر کذا و کذا"

وہ جنت ہمارے سامنے تیار ہے، پھر اس کو بھی اٹھا کر کڑھائی میں ڈال دیا، تینوں ماں بیٹیاں جل کے اللہ پر قربان ہو گئیں اور ان کی ہڈیوں کو دفن کر دیا، اس بات کو دو ہزار سال گزر گئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری معراج کو اٹھی

ہے، بیت المقدس فلسطین سے، جب آپ آسمان کی طرف کو چلے تو نیچے سے جنت کی خوشبو آئی، مصر قریب ہے وہاں سے، مصر قریب ہے تو جنت کی خوشبو آئی، آپ نے فرمایا کہ جبرئیل جنت کی خوشبو آرہی ہے، کہاں سے آرہی ہے، عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرعون کی باندی جہاں دفن کی گئی تھی، وہاں سے آرہی ہے اور دو ہزار سال گزر چکے ہیں اور اللہ کا حبیب وہاں سے جنت کی خوشبو سونگھتا ہوا آسمان پر جارہا ہے۔

فرعون کی لاڈلی بیوی آسیہ کا اسلام:......اس منظر کو دیکھ کر حضرت آسیہ مسلمان ہوگئیں، فرعون کی بیوی تھیں آسیہ، وہ مسلمان ہوگئیں، کس بات پر مسلمان ہوئی کہ کوئی ماں اپنے بچوں کی قربانی نہیں دے سکتی، سوائے حق پر، یقیناً موسیٰ علیہ السلام کا دین سچ ہے، ورنہ یہ یقیناً سودا کرجاتی اور آسیہ سب سے محبوب ترین بیوی تھی فرعون کی اور جب پتہ چلا کہ بیوی مسلمان ہوگئی تو اپنے ہی گھر میں ماتم پڑگیا، سارے حیلے بہانے کرڈالے، کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، تو آخر قید میں ڈالا، بھوک کا مزہ چکھا اور ایمان ایسی چیز ہے، جتنی مشقت آئے، اتنا اندر چلا جاتا ہے، جیسے کیل ہوتا ہے ناں، اس کو جتنا زور سے مارو، اتنا اندر چلا جاتا ہے، جتنا زور سے مارو، اتنا اندر چلا جاتا ہے، ایمان پر جتنی مشقت آئی ہے، اتنا اندر چلا جاتا ہے اور جتنی راحت آتی ہے، اتنا باہر نکلنا شروع ہوجاتا ہے، وہ مشقت آئی، بھوک آئی، سہتی گئیں، پھر اس نے کوڑوں کی سزا تجویز کی، پھر کوڑے بھی کھالئے، اس نے کہا، یہ نہیں مانتی، سولی پر چڑھاؤ، آخری حد یہ تھی سولی چڑھادو، یہ سب سے پہلا سولی ایجاد کرنے والا، سب سے پہلا ایجاد کرنے والا پھانسی کو سولی کو، فرعون تھا کہ وہ ایک لکڑی لے کر اس کے ہاتھ یوں کھلے کرکے ہاتھ کی ہتھیلی میں کیل گاڑھ کے لکڑی کے اندر کیل چلا جاتا تھا اور پاؤں لکڑی کے ساتھ ملا کر پاؤں میں کیل گاڑھ کے اور لکڑی کے اندر کیل چلے جاتے تھے، اس طرح لکڑی کو کھڑا کردیتے تھے اور اسی طرح وہ سسکتا سسکتا اس پر تڑپتا ہوا وہ مرجاتا تھا، اس نے کہا، چڑھادو، اس کو بھی سولی پر چڑھانے لگے، ہاتھ پاؤں میں کیل گڑھ گئے، جن ہاتھوں نے کبھی تنکا بھی ٹیڑھا نہ کیا تھا ان میں کیل گڑھ گئے، یہ ایمان ایسی چیز ہے تو اس نے کہا، اس کی کھال کھینچ دو، زندہ کی، اس وقت اللہ کی بارگاہ میں دعا کی ہے، وہ دعا ایسی اونچی اٹھی ہے اور اس طرح عرش کو ہلایا ہے کہ اللہ نے ہمیشہ کے لئے اس کو قرآن پاک میں لکھ دیا کہ قیامت تک یہ امت قرآن پڑھتی رہے اور اس امت کی عورتیں آسیہ کے قصے کو یاد کرکے عبرت پکڑتی رہیں، کیا دعا کی ہے۔

"رب ابن لی عندک بیتا فی الجنۃ"

اے ایمان والو! میں تمہیں کہانی سناؤں، اللہ کہہ رہے ہیں، اے ایمان والو! آؤ سنو کس کی امراۃ فرعون۔ فرعون کی بیوی کی کہانی سنو۔ "اذا قالت" "جب وہ سولی پر لٹکی اور اس نے کہا۔" "رب ابن لی عندک" "اے اللہ، اپنے پڑوس میں مجھے گھر دے دے، جنت میں، جنت بعد میں مانگی، اللہ کا پڑوس پہلے مانگا۔" "عندک بیتا فی الجنۃ" "تیرے قرب میں جنت میں اور" "نجنی من فرعون و عملہ ونجنی من القوم الظالمین" اور مجھے فرعون اور اس کے ظلم سے نجات دے دے، یہ دعا اللہ کے عرش تک پہنچی ہے اور الفاظ کی شکل میں قرآن میں آئی ہے، قیامت تک پڑھتے رہو، اس سے عبرت پکڑتے رہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جنت کے فرشتے رضوان سے کہ پردے اٹھادو اور آسیہ کو اس کا گھر جنت میں کھڑے کھڑے دکھادو، سولی پر لٹکے لٹکے جنت میں گھر دیکھا اور جونہی گھر کو دیکھا ساتھ ہی اللہ نے روح کو قبض کرلیا، دوسری دعا بھی قبول ہوگئی کہ فرعون کے ظلم سے نجات دے کہ یہ سولی پر لٹک کر مرنا بڑا مشکل ہے، میری جان نکال لے وہیں جان نکل گئی اور جنت میں گھر بھی دیکھ لیا۔

جنت میں حضرت آسیہؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح:......اب اگلی سنیں، جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہونے لگا تو حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی خاتون، پہلی بیوی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدیجہؓ جب تو جنت میں جائے تو اپنی سوکن کو میرا اسلام کہنا، یارسول اللہ میں تو پہلی بیوی ہوں تو میری سوکن کون ہے، کہا، فرعون کی بیوی آسیہ کا اللہ نے جنت میں مجھ سے نکاح کردیا ہے، انہوں نے کیا دعا کی تھی۔ "عندک" اے اللہ تیرے پڑوس میں گھر ہو اور آپ کا مقام جنت میں سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہے، جس کا نام ہے وسیلہ ہم اذان کے بعد دعا مانگتے ہیں۔

"اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آۃ محمدن الوسیلۃ"

اے اس دعوت کامل کے رب ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما۔

وسیلہ کیا ہے، جنت کا سب سے اعلیٰ مقام ہے جو اللہ کے عرش کے ساتھ لگا ہوا ہے اور اللہ کے بالکل پڑوس اور قریب میں ہے، حضرت آسیہ کی دعا سن وعن اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور سب سے قرب نصیب فرما کر اپنے حبیب کی زوجیت کا شرف بخشا، تو میرے بھائیو اور بہنو! یہ جو تبلیغ کا کام ہورہا ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، یہ پرانا سبق یاد کروانے کی محنت ہے کہ ہم نے مسلمان بننا سیکھا ہی نہیں، ڈاکٹر بننا سیکھا، انجینئر بننا سیکھا، کپڑے خریدنا سیکھا، زیور بنوانا سیکھا، گھر بنانا سیکھا، مسلمان بننا نہیں سیکھا، ہر مرد اور عورت مسلمان بن کے زندگی گزارے، کب سیکھا ہے، کس نے سکھایا ہے، اسکول میں سیکھا، ماں باپ کو فکر ہے کہ اس کی پڑھائی اچھی ہوجائے، اسکول والوں کو یہ فکر ہے کہ یہ پاس ہوجائے، باپ کو فکر ہے کہ میری دکان چل جائے، ماں کو فکر ہے کہ گھر کی صفائی ہوتی رہے، کچن صاف رہے، کپڑے صاف رہیں، فلاں کی شادی، فلاں کا یہ ڈنر، فلاں کا وہ ڈنر، نہ ماں کو غم ہے کہ میرے بیٹے کی زندگی مسلمان بن کے گزرے، نہ باپ کو فکر ہے کہ میرے بیٹے کی زندگی مسلمان بن کے گزرے، یہی سلسلہ چلا آرہا ہے تو کون ہمیں کس نے ہمیں بتایا کہ مسلمان بن کر زندگی گزارو، آج کی نسل پر بہت بڑا یہ ظلم ہے کہ انہیں مسلمان بن کر زندگی گزارنے کو بتانے والا ہی کوئی نہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیا کہ اچھے بیٹے نیک بنو، ہاں جی! ہم نے تو بچے کو قرآن پڑھادیا ہے، اچھا بھئی قرآن پڑھنے سے اس کے اندر اتر گیا، زندگی سکھانی پڑے گی، مسلمان بننا سکھانا پڑے گا، ہماری ساری ترغیبیں اس وقت چلتی ہیں کہ یہ بن جاؤ، وہ بن جاؤ، میرے والد صاحب مرحوم مجھے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے، مجھے تقریباً ہر تیسرے چوتھے دن لیکچر ملتا تھا، ہمارے علاقے میں ایک غریب سا گھرانہ تھا، اس کا ایک لڑکا ڈاکٹر بن گیا، پھر بڑے پیسے کمائے، بڑی اس کی واہ واہ ہوگئی، مجھے ہمیشہ اس کی مثال دیتے، دیکھتے نہیں وہ کتنا غریب تھا، اس کا بیٹا ڈاکٹر بن گیا اور وہ کتنا یہ ہوگیا وہ ہوگیا، تو ڈاکٹر بنے گا تیری بھی ایسی عزت بنے گی۔

آج ہر ماں، باپ یہی سبق اپنی اولاد کو دے رہا ہے، کبھی کسی ماں، باپ نے بتایا ہو بیٹا تجھے مرنا ہے اور قبر میں جانا ہے، اس کے لئے تیاری کرلے، تجھے تقویٰ کام دے گا۔ تجھے اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے ہم چاہتے ہیں اپنے پیچھے صدقہ جاریہ چھوڑ کر جائیں، ہمارے بعد تم ہمارے لئے کوئی دعا کرنے والے بنو، کچھ نفع پہنچانے والے بنو، تمہاری ڈاکٹری تو قبر میں ہمارے کام نہیں آئے گی، تمہارا ذکر اور تلاوت اور قرآن ہماری قبر میں ہمارے کام آئے گا، تو ہم مسلمان بننا سیکھ رہے ہیں، جو کوئی باہر سے آئی ہوئی چیز نہیں، ہم نے مسلمان بننا سیکھا نہیں، ہم مسلمان بن کر زندگی گزارنا سیکھیں۔

..................(جاری ہے)..................

حضرت سعید بن زید رضؓ

محمد سعید علوی

زید بن عمرو بن نفیل لوگوں کے ہجوم سے دور کھڑے ہو کر قریش کو دیکھ رہے تھے جو ایک تہوار کے موقع پر جشن منانے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے، انہوں نے مردوں کو دیکھا جو بیش قیمت ریشمی عمامے اپنے سروں پر باندھے، قیمتی یمنی چادروں کو لپیٹے بڑے فخر و غرور کے ساتھ اتراتے پھر رہے تھے، ان کی نظریں ان عورتوں اور بچوں پر پڑیں جو زرق برق لباس زیب تن کئے اور نادر قسم کے زیورات سے آراستہ میلے کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے، ان کی نگاہیں ان جانوروں کی طرف بھی گئیں، جنہیں مکہ کے خوشحال لوگ قسم قسم کے زینتوں سے آراستہ کر کے بتوں کے سامنے ذبح کرنے کے لئے کھینچے لئے جا رہے تھے وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے بولے: ''قریش کے لوگو! بکری کو اللہ نے پیدا کیا، اسی نے آسمان سے پانی برسایا، جس کو پی کر وہ سیراب ہوئی، اسی نے زمین سے گھاس اگائی، جس کو کھا کر وہ آسودہ ہوئی اور تم ہو کہ اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لئے کھینچے لئے جا رہے ہو، میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑے نادان اور جاہل لوگ ہو۔'' یہ سن کر ان کے چچا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے والد خطاب غصے میں بھرے ہوئے ان کے پاس پہنچے اور انہیں تھپڑ مارتے ہوئے بولے: ''تیرا ناس ہو، تیری یہ بکواس ہم مسلسل سنتے اور اسے برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں، مگر اب ہمارے صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔'' پھر انہوں نے اپنے قبیلے کے اوباشوں اور لچوں، لفنگوں کو ان کے خلاف ابھار دیا جو ان کے پیچھے پڑ گئے اور ان کو اتنا ستایا کہ انہیں مجبوراً مکہ چھوڑ کر کوہ حرا کی طرف نکل جانا پڑا، چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی کبھی وہ بھی چھپ کر مکے میں داخل ہو پاتے تھے، ایک مرتبہ وہ قریش کی لاعلمی میں ورقہ ابن نوفل، عبداللہ بن جحش ، عثمان بن حارث اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب سے جا ملے، ان کی اس مجلس میں وہ گمراہی زیر بحث تھی، جس میں قریش کے لوگ سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے تھے، آخر زید نے اپنے ساتھیوں سے کہا:'' خدا کی قسم، تم لوگوں کو یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ ہدایت پر نہیں ہیں، انہوں نے دین ابراہیمی کو فراموش کر دیا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں، لہٰذا اگر نجات چاہتے ہو تو اپنے لئے تو دین تلاش کرو اور اسی کے مطابق زندگی گزارو۔'' چنانچہ ان میں سے چاروں مرد، حنیفیت (دین ابراہیمی) کی تلاش میں یہودی اور نصرانی عالموں اور دیگر مذاہب کے اصحاب علم کے پاس پہنچے، ان میں سے ورقہ ابن نوفل نے تو نصرانیت اختیار کر لی، لیکن عبداللہ بن جحش اور عثمان بن حارث کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے، رہے زید بن عمرو بن نفیل تو ان کی تلاش حق کی ان سرگرمیوں کی روداد انہیں کی زبانی سنئے، وہ کہتے ہیں:

''میں نے یہودیت اور نصرانیت پر غور کیا مگر مجھے ان دونوں مذاہب میں ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے مجھے ان کے دین حق ہونے پر اطمینان حاصل ہوتا، چنانچہ میں نے ان دونوں سے صرف نظر کر لیا اور دین ابراہیمی کی تلاش میں مختلف علاقوں کی خاک چھانتا پھرا، اسی سلسلے میں جب شام پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ فلاں راہب کے پاس کتاب اللہ کا علم ہے میں اس کے پاس پہنچا اور اپنے مقصد سے اسے باخبر کیا، میری باتیں سن کر اس نے کہا: ''مکی بھائی! میرا خیال ہے کہ تم دین ابراہیمی کی تلاش میں ہو۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''مجھے اس کی جستجو ہے۔''

تب اس نے مجھ کو بتایا کہ ''تم وہ دین ڈھونڈ رہے ہو، جس کا آج کہیں وجود نہیں ہے، تم اپنے شہر واپس جاؤ، اللہ تعالیٰ عنقریب وہاں سے ایک شخص کو منصب رسالت پر مامور کرنے والا ہے، جو دین ابراہیم کی تجدید کرے گا، اگر تم اس کو پا لو تو اسے لازم پکڑ لینا۔'' زید، نبی موعود کی طلب میں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے وہاں سے مکہ طرف واپس لوٹے، ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا، لیکن زید آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے کیونکہ دوران سفر بدوؤں کی ایک ٹولی نے حملہ کر کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو قتل کر ڈالا اور ان کی تشنہ کام آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے سیراب نہ ہو سکیں، جس وقت وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے انہوں نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا:

''اللھم حرمتنی من ھذا الخیر فلا تحرم منه ابنی سعیدا ''......''خدایا! اگرچہ تو نے مجھے اس خیر سے محروم کر دیا ہے مگر میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ کرنا۔'' اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے زید کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دیا چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو زید کے بیٹے سعید ان لوگوں میں سے تھے جو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور اس میں کسی حیرت و استعجاب کی بات اس لئے نہیں ہے کہ ان کی نشوونما ایک ایسے گھرانے میں ہوئی تھی جو ان گمراہیوں سے سخت متنفر تھا جس میں قریش کے لوگ مبتلا تھے اور ان کی پرورش ایک ایسے باپ کی آغوش تربیت میں ہوئی تھی جو زندگی بھر حق کی تلاش میں سرگرداں رہا اسے موت آئی تو اس حال میں کہ وہ حق کو پا لینے کی آرزو دل میں لئے تیزی سے اس کا پیچھا کر رہا تھا، سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے بلکہ ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ حضرت عمر کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا بھی دولت سے ایمان سے بہرہ ور ہوئیں۔ اس قریشی نوجوان نے اپنی قوم کے ہاتھوں اپنے دین کی آزمائش کی راہ میں ایسی ایسی زہر گداز اور صبر آزما اذیتوں کا سامنا کیا جن کا وہ اپنے مقام بلند کی وجہ سے مستحق تھا لیکن قریش اس کو دین اسلام سے پھیر لینے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ اس کے برعکس وہ اور اس کی بیوی دونوں مل کر ایک نہایت وزنی اور کفر کی نہایت اہم شخصیت کو اسلام کی طرف کھینچ لینے میں کامیاب ہو گئے، یعنی وہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا سبب بنے، حضرت سعید بن زید رضی اللہ

تعالیٰ عنہ جس وقت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، اس وقت ان کی عمر بیس سال سے بھی متجاوز نہ تھی اس کے بعد انہوں نے اپنی پوری جوانی اور اس کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں اسلام کی راہ میں کھپا دیں، وہ بدر کے سوا تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، غزوۂ بدر کی عدم شرکت بھی ان کی کسی غفلت یا بے اعتنائی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ایک دوسری اہم ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی، انہوں نے کسریٰ شاہ ایران کو تخت و تاج سے محروم کرنے اور قیصر، شہنشاہ روم کو اس کے ملک سے بے دخل کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور مسلمانوں کو جب بھی کسی خطرناک معرکے کا سامنا کرنا پڑا، حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں بے مثال جرات و شجاعت کا مظاہرہ کیا اور نہایت تابناک اور قابل تعریف کارنامے انجام دیئے، ان کی دلیری و جانبازی کا حیرت ناک کارنامہ وہ ہے جو جنگ یرموک میں انہوں نے انجام دیا تھا، جو تاریخ کا روشن ترین باب ہے، اس کی ایک ہلکی سی جھلک ان کے اس بیان سے ہمارے سامنے آتی ہے جسے تاریخ نے ان کے ان الفاظ میں ہمیشہ کے لئے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے:

''غزوۂ یرموک کے موقع پر ہماری تعداد تقریباً چوبیس ہزار تھی، اس کے مقابلے میں رومی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی وہ اس طرح بھاری قدموں کے ساتھ ہماری طرف بڑھ رہے تھے جیسے پہاڑ ہوں، جنہیں خفیہ ہاتھ حرکت دے رہے ہوں، ان کے راہب اور بزرگ مذہبی پیشوا اپنے ہاتھوں میں صلیبیں اٹھائے ان کے آگے آگے چل رہے تھے، وہ بلند آواز سے اپنی فوج کی فتح و کامرانی کی دعائیں مانگ رہے تھے اور ان کے پیچھے ان کی پوری فوج ان کے الفاظ کو اس طرح بلند و آہنگی کے ساتھ دہرا رہی تھی جیسے بجلی گرج رہی ہو، جب مسلمانوں نے ان کو اس حال میں دیکھا تو ان کی کثرت تعداد کی وجہ سے ان کے اوپر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور ان کے دلوں میں ان کا خوف سرایت کر گیا، اس وقت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فوج کے سپہ سالار تھے، کھڑے ہوئے اور انہوں نے مسلمانوں کو جہاد و قتال اور جانبازی پر ابھارتے ہوئے کہا: ''اللہ کے بندو! اللہ کی مدد کرو، وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا، اللہ کے بندو! اللہ کی راہ میں ڈٹ جاؤ اور صبر سے کام لو، صبر یقیناً کفر سے نجات کا، رضائے الٰہی کا حصول کا اور ذلت و عار کو رفع کرنے کا ذریعہ ہے، اپنے نیزے کو تان لو، اپنی ڈھالوں کو آڑ بنا لو اور جب تک میں تمہیں حملہ کرنے کا اشارہ نہ کروں، خاموشی اختیار کئے رہو اور دلوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو۔'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے آگے فرماتے ہیں: ''اسی وقت مسلمانوں کی صف میں سے ایک شخص باہر نکلا اور آگے بڑھ کر اس نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا۔ میں اسی وقت خدا کی راہ میں اپنی جاں نثار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، تو کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں۔'' انہوں نے کہا۔ ''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں میری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے سلام پہنچانے کے عرض کر دینا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے رب نے ہم سے جو وعدے کئے تھے وہ سب ایک ایک کر کے پورے ہوگئے۔'' حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے جیسے ہی اس کی باتیں سنیں اور اسے میان سے تلوار کھینچ کر دشمن کے مقابلے میں جاتے دیکھا، زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا نیزہ سیدھا کر لیا اور لڑنے کے لئے تیار ہوگیا اور دشمن کی طرف سے سب سے پہلا سوار جو ہماری طرف بڑھا اسے اپنے نیزے میں پرو لیا، پھر دشمن پر جھپٹ پڑا، اس وقت اللہ تعالیٰ میرے دل سے ہر قسم کے خوف و ہراس کو دور کر چکا تھا اور پھر سارے مسلمان رومیوں پر

یکبارگی ٹوٹ پڑے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نصرت اور کامیابی سے نواز نہیں دیا، برابر ان سے مصروف جدال رہے۔''

اس کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کی فتح میں شریک ہوئے، جب اہل دمشق نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی تو حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس کو مدینے کے لوگ بہت دنوں تک بیان کرتے رہے، ہوا یہ کہ اروی بنت اویس نامی ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی زمین کا ایک حصہ غصب کر کے اپنی زمین میں شامل کر لیا ہے، پہلے تو وہ اس بات کو مسلمانوں میں ادھر ادھر بیان کر کے سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدنام کرتی رہی، پھر اسے ایک مقدمے کی شکل میں مروان کی عدالت میں پیش کر دیا جو اس وقت مدینے کا گورنر تھا، جب مروان نے اس معاملے میں گفتگو کرنے کے لئے چند آدمیوں کو ان کے پاس بھیجا تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معزز صحابی کو بہت شاق گزری اور انہوں نے فرمایا: ''لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اس کی زمین دبالی ہے، میں یہ ظالمانہ حرکت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے

''من ظلم شبرا من الارض طوقه یوم القیامة من سبع ارضین۔'' ...... ''جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین غصب کرے گا، قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔'' پھر انہوں نے اس کے حق میں بددعا کرتے ہوئے فرمایا۔ ''خدایا! وہ کہتی ہے کہ میں نے اس کے اوپر ظلم کیا ہے اگر وہ جھوٹی ہے تو اسے نابینا کر کے اسی کنویں میں گرا دے جس کے بارے میں وہ مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔'' اس کے چند ہی دنوں کے بعد وادی عقیق میں ایسا زبردست سیلاب آیا جس نے پچھلے سارے ریکارڈ توڑ دیئے، اس سیلاب نے دونوں زمینوں کے درمیان واقع حد فاصل کو ظاہر کر دیا جس کے متعلق دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا تھا، اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملے میں حق پر تھے اور ایک مہینہ گزرتے گزرتے وہ عورت اندھی ہوگئی اور ایک دن جب وہ اپنی اس زمین میں گھوم رہی تھی، کنویں میں گر پڑی، حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں، ہم لوگ اس وقت، اپنے لڑکپن میں ایک شخص کو دوسرے شخص سے یہ کہتے ہوئے سنتے تھے۔'' اللہ تعالیٰ تجھے اندھا کر دے جیسا کہ اروی کو کیا ہے۔'' اور اس میں کسی تعجب کا مقام نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''مظلوم کی بددعا سے، بچو، کیونکہ اس کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔''

خصوصاً اس وقت خدا اور بندۂ مظلوم کے درمیان کیسے کوئی حجاب ہوتا جب مظلوم حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو ان دس نفوس قدسیہ میں سے تھے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ

☆......☆......☆

قرآن مجید کے بارے میں ہندو علماؤں کے تاثرات

قرآن مجید کے بارے میں بابا بھوپندر ناتھ باسو فرماتے ہیں:...... تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاک روب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

بابو بپن چندر پال کہتے ہیں:...... قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات، پات کا امتیاز موجود نہیں ہے، نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بناء پر بڑا سمجھا جاتا ہے...... (☆☆)



''تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں؟'' اس استفہامی مصرعہ کو بار بار دہراتے اور بے قرار ہو ہو کر بلبلاتے، اور ہے بھی یہ سوال کچھ اسی قسم کا، آج انسانیت زمین کے اس خاکی کرہ پر تڑپ رہی ہے، زندگی کا مطلب کیا ہے؟ اس سوال کو حل کرنا چاہتی ہے، ایک ڈیوڑھی کے سوا خود ہی سوچئے کہ دنیا میں کون سا آستانہ ایسا باقی رہا ہے جہاں واقعی اس سوال کے جواب کی صحیح توقع کی جائے؟ اس تنہا، واحد آستانے سے ٹوٹنے والا خود سوچے کہ کہاں جائے گا، کس کے پاس جائے گا؟ موسیٰ ہوں یا عیسیٰ، ابراہیم ہوں یا یعقوب علیہم السلام یا ان کے سوا کوئی اور، اس راہ کے ان سب راہبروں نے اپنے اپنے وقتوں میں جو راہ پیش کی تھی، جب وہ ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں، تاریخ جانتی ہے کہ ڈھونڈھنے والوں کو ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ نہیں مل سکتی تو اب دنیا کہاں جائے اور اس کے سوا کہ

جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

(اقبال)

کا فیصلہ کرتے ہوئے ''تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں؟'' کہتا ہوا اسی چوکھٹ کے ساتھ چمٹ جائے، جس کے سوا شہادت والوں کو غیب تک پہنچنے اور پہنچانے کا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہیں رہا ہے۔

بہر حال اسپتال سے نکلنے کے بعد ڈاکٹروں کے حسب مشورہ چھوٹا ناگپور کے شہر ہزاری باغ میں کچھ دن گزارے کہ نسبتاً وہاں کا موسم اس زمانے میں ٹھنڈا سمجھا جاتا ہے کہ آب و ہوا کی تبدیلی عموماً صحت پرور ہے، ہزاری باغ ہی میں پہلے اٹھنے بیٹھنے اور آخر میں کچھ چلنے پھرنے کی قوت بتدریج واپس ملنے لگی، پھر اپنے دیہاتی مستقر گیلانی کی طرف واپس ہو گیا، تقریباً چھ مہینے اس سلسلے میں ختم ہوئے، جامعہ عثمانیہ سے اتنے دنوں تک غائب رہا، تنخواہ بھی نصف ملتی رہی اور ڈاکٹری علاج میں مصارف کا غیر معمولی بار عائد ہوا، غالباً جنوری ۱۹۲۸ء میں پھر جامعہ عثمانیہ میں رجوع ہو گیا اور کام کرنے لگا۔ تقریباً یہ سال بھی پورا ہوا، مولانا عبدالباری ندوی استاذ جامعہ اور فقیر کچھ دن سے ایک ہی مکان میں رہنے لگے تھے۔ بیماری کے نازک دنوں میں مولانا نے زبانی ہی نہیں بلکہ عملی ہمدردی بھی فرمائی، واپسی کے بعد پھر ان ہی کے ساتھ قیام رہا کیوں کہ تعلقات اس عرصہ میں بہ نسبت پہلے کے اور زیادہ قریب ہو چکے تھے کہ اچانک

مولانا نے حج کے ارادے کا اعلان کیا، مولانا نے بھی اعلان کیا اور ان کے بچپن کے رفیق قدیم مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق کی طرف سے بھی اسی اعلان کے اعادے کی خبریں مجھ تک پہنچنے لگیں تھیں اور گو مولانا عبدالماجد صاحب کے ساتھ رہنے سہنے کا موقع زندگی میں کبھی نہیں ملا، لیکن جن دنوں بیمار ہوا تھا، اس سے کچھ پہلے مولانا سے نیاز مندی کا رشتہ قائم ہو چکا تھا، پٹنہ اسپتال میں جب تقریباً بے ہوش پڑا ہوا تھا اور پہلا آپریشن ہوا تھا، آپریشن کے بعد کچھ خفت محسوس ہوئی، آنکھیں کھل گئیں، تو یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اپنے سرہانے دیکھتا ہوں کہ دعا میں اٹھائے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ کوئی کھڑا ہوا ہے، اتنا ہوش واپس آ چکا تھا، پہچان کر آنکھوں میں آنسو بھر گئے کہ ہمارے کرم فرما مولانا، مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق ہیں۔

باہم نگر یستم گز شتیم

گویا حیات بعد الموت کے بعد پہلی نظر ان ہی پر پڑی، یہی مقدر ہو چکا تھا، میری علالت کی تشویش ناک خبروں سے بے چین ہو کر مولانا پٹنہ میری عیادت کے لئے تشریف لے آئے تھے۔

الغرض علالت کے اس دوران میں منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اس غیر مترقبہ نعمت سے بھی سرفرازی ہوئی کہ مولانا عبدالماجد اور مولانا عبدالباری ان دونوں بزرگوں کے ساتھ روابط میں غیر معمولی استحکام واستواری پیدا ہو گئی اور امید اسی کی ہے کہ ان بزرگوں کی ذرہ نوازیوں سے دنیا کے ساتھ ''الآخرہ'' میں بھی استفادہ کا موقع ان شاء اللہ عطا کیا جائے گا کہ ان رواسم وروابط کی بنیاد ''تقویٰ'' پر قائم ہے، ساری خلتیں جس دن عداوتوں سے بدل جائیں گی۔ الا المتقین کو اس عام قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

☆......☆......☆

خلاصہ یہ ہے کہ حیدر آباد کے جس مکان میں خاکسار اور مولانا عبدالباری مقیم تھے، اب اس مکان میں صبح و شام حج اور اس کے مقدمات وتمہیدات کا تذکرہ چھڑا اور اس طرح چھڑا کہ جیسے جیسے سفر کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا، اس تذکرے کے سوا دوسرے تذکروں کی گنجائش کم ہوتی جاتی تھی، سامنے یہ قصہ تھا اور اس عرصہ میں مولانا عبدالماجد صاحب کے مکاتب میں بھی حج ہی کے ارادے اور تیاریوں کا ذکر ہوتا، سمند ناز پر جو مسلسل تازیانے کا کام کر رہا تھا، ہوک دل میں اٹھتی تھی، علالت کے طویل سلسلے نے جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، میری مالی حالت کو زبونی کی آخری حدود تک پہنچا دیا تھا، قرض اور دیون کے بار ہی سے پیٹھ جھکی ہوئی تھی، ایسی صورت میں دبی ہوئی آرزو کے ابھرنے کا موقع کیا تھا؟ مولانا عبدالباری اپنے ملنے جلنے والوں سے جب مسئلہ حج پر گفتگو شروع فرماتے تو ندامت وخجالت کی زردی چہرے پر پھیل جاتی، زبان بھی بند ہو جاتی اور شاید شنوائی کا رشتہ بھی قلب کے ساتھ باقی نہ رہتا، لوگ مختلف مشورے مولانا کو دیتے، یہ کیجئے، وہ کیجئے، حج کے پرانے تجربہ کار سفر کے نشیب وفراز اور ضرورتوں سے آگاہ کرتے اور دور پلنگ پر لیٹا ہوا ایک معذور ومجبور صرف کروٹوں پر کروٹیں بدلنے کے سوا کچھ نہ کرتا تھا، نہ کچھ کر سکتا تھا۔

دن گزرتے رہے، قصے ہوتے رہے، یہاں تک کہ شاید ہفتہ عشرہ سے زیادہ وقفہ باقی نہ رہا کہ حیدر آباد سے حج کی رخصت کی کارروائی مکمل کراتے کے بعد مولانا عبدالباری اپنے رفیق کو اسی مکان میں چھوڑ کر روانہ ہو جائیں، ولولے اٹھتے تھے اور دب دب جاتے تھے، لیکن وقت کی تنگی اپنے آخری حدود پر پہنچ گئی تھی کہ اچانک عزم کی بجلی سی تھی جو سینے میں چمک اٹھی، شاید رات کی تاریکی میں اس عزم کا مقدس نور قلب میں پیدا کیا گیا، دوسرے دن وہی جو مہینوں سے اس مسئلہ کے متعلق مولانا عبدالباری کے لئے کچھ اجنبی اجنبی سا بنا ہوا تھا، اسی نے مولانا سے عرض کیا کہ ''فرمایئے اپنی ہم رکابی

میں اس کو بھی شریک ہونے کی اجازت مل سکتی ہے، جس کی شرکت کا بہ ظاہر کوئی ذریعہ سردست پیش نظر نہیں ہے۔" یہ مولانا کے دل کی بات تھی، چونکہ میری طرف سے کسی رجحان کو نہیں پاتے تھے، وہ خاموش تھے، میرے اس عرض پر شگفتہ ہوگئے، مگر جس تالے کی کنجی گم ہے، اس کے کھلنے کی صورت کیا ہوگی؟

اب کیا بتاؤں کہ جس تالے کی کنجی میری ناقص وجاہل عقل کے نزدیک گم شدہ تھی، وہ میرے سامنے کس رنگ میں لائی گئی؟ تفصیل سن کر کیا کیجئے گا۔ "بیدہ الخیر" نے اپنا ہاتھ کھول دیا، نہ کسی سے قرض ہی لینا پڑا، اور نہ امداد واعانت کی رسوائی وذلت کی برداشت کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے پر مجبور ہوا، کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی، اسی ہفتہ عشرہ کے تنگ وقت میں ساری کارروائی نیچے سے اوپر تک طے پا گئی اور ٹھیک جس دن مولانا لکھنو اس لئے روانہ ہوئے کہ والدین کو ساتھ لے کر سفر حج پر روانہ ہوجائیں، خاکسار بھی اپنے اعزہ واقربا سے ملنے اور رخصت ہونے کے لئے حیدر آباد سے راہی بہار ہوا، ماہ رمضان المبارک کی آخری تاریخوں میں گھر پہنچا، عید کی نماز پڑھی، اور اہل وطن سے رخصت ہوکر بمبئی کے ارادے سے روانہ ہوگیا، میرے منجھلے بھائی برادرم مکارم احسن گیلانی سلمہ گیا تک بمبئی میل پر سوار کرنے کے لئے ساتھ آئے، صرف ایک دری، ایک کمبل، دو چادروں کے علاوہ دو تکیے بستر میں رکھے گئے، ان تکیوں سے روئی نکال لی گئی تھی اور یہ ہمارے برادر عزیز مکارم سلمہ کی جدت طرازی تھی کہ روئی کی جگہ ان ہی دو تکیوں میں انہوں نے آٹھ دس جوڑے کرتوں اور پائجاموں کے اور بنیان وغیرہ رکھ دیئے، اب یہی دونوں تکیے میرے تکیے بھی تھے اور یہی کپڑوں کا بقچہ بھی، ٹرنک بھی یہ سوٹ کیس بھی، یہ تو مختصر سا بستر اتھا، ایک ٹفن کیریر اور چمڑے کا پورٹ منٹو جیسا ایک بیگ، بس یہی کل کائنات سامان سفر کی تھی۔

بمبئی میل رات کے تین چار بجے گیا سے روانہ ہوتی ہے، مجھے میرے عزیز بھائی نے ریل کے ڈبے میں بٹھا دیا اور ان کے سینے میں جو دبی ہوئی آواز تھی، گریہ اور بکا کی آواز کے ساتھ مل جل کر نکل رہی تھی، وہ کہہ رہے تھے۔

"سرکار کے دربار میں جارہے ہیں، اس غریب دور افتادہ امتی کا سلام عرض کردیجئے گا اور عرض کردیجئے گا کہ امت جس حال میں ہے اس کی طرف توجہ فرمائی جائے، ایمان واسلام کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بغاوت پر لوگ آمادہ نظر آرہے ہیں، عہد وفا کا بھلایا جارہا ہے۔"

کچھ یہ اور اسی قسم کی باتیں بے ساختہ رخصت کرتے وقت وہ کہتے جارہے تھے، میرا دل بھی بھر آیا، گاڑی نے سیٹی دے دی، اپنے عزیز بھائی کے اس آخری پیغام کے سوا اب دماغ اور دل میں کچھ نہ تھا، گاڑی روانہ ہوگئی، دونوں بھائی ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے جدا ہوگئے کہ "امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو جس کی دعا سمیٹ سکتی ہے، وہاں جاکر کچھ پیروی کیجئے گا، گڑگڑائیے گا، روئیے گا۔"

☆......☆......☆

رات کی تاریک فضا کو بمبئی میل کا دیوہیکل انجن چیرتا، پھاڑتا، چیختا چلاتا ہوا چلا جارہا تھا اور اسی طویل گاڑی کے ایک گوشہ میں خدا جانے کن کن آرزوؤں پر لوٹتے ہوئے ایک فقیر بے نوا بمبئی سے قریب ہوتا جارہا تھا، رات کٹ گئی، دن آیا، وہ بھی گزر گیا، پھر رات آئی اور دوسرے دن کی صبح آٹھ بجے وکٹوریہ ٹرمینس پر گاڑی ٹھہر گئی، پلیٹ فارم پر مولانا عبدالماجد صاحب کی جھلک محسوس ہوئی، وہ پہلے تشریف لاچکے تھے، نوازش فرمائی تھی کہ جو تنہا آرہا ہے، اس کو اپنے ساتھ شہر لے جائیں، مرحوم مولانا شوکت علی کے ساتھ "خلافت ہاؤس" میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، فقیر کو بھی وہیں لے جاکر اس کمرے میں ٹھہرایا، جس میں ہمارے فاضل قدیم دوست مولانا عرفان مرحوم قیام فرماتے تھے، اب اس وقت یاد نہ رہا کہ بمبئی جمعیت العماء کے رکن خاص تھے اور کسی

مسجد میں جس کا نام اب یاد نہ رہا، اسی میں مولانا ریاض النور کا قیام تھا، کبھی کبھی ان سے ملنے چلا جاتا تھا، انہوں نے میرے ساتھ یہ دیکھ کر پان کا عادی ہوں، چند سیر گنکا (بھوپال والا) بنوا کر یہ کہتے ہوئے حوالے کردیا کہ حجاز میں پان نہ ملے گا، اس وقت یہی گنکا مغتنم ثابت ہوگا، سامان سفر میں ٹفن کیریر جو تھا بمبئی ہی میں اسے چھوڑ دیا گیا اور بجائے اس کے ایک کیمپ کارٹ جہاز پر لیٹنے پوٹنے کے لئے اور سمندر کے نظارے کے لئے کپڑے کی ایک آرام دہ کرسی خریدی گئی، آخر وقت جہاز میں سوار ہونے کا آگیا، سمندر کا یہ پہلا سفر تھا کیمپ کارٹ اور آرام کرسی خوب کام آئی، دس دن جہاز میں گزرے، ملا علی قاری کی کتاب المناسک ساتھ تھی، اسی سے مسائل کا التقات کر کر کے ان حاجیوں کو بتادیا جاتا تھا جو پوچھتے تھے، کبھی کبھی رات کی تاریکی میں جہاز کی آخری بالائی سطح پر تنہا چلا جاتا، سامنے سمندر کا پانی اور جگمگاتے تاروں سے بھرے ہوئے آسمان کا سناٹے کے اس عجیب وغریب وقت میں نظارہ، جہاز بڑھتا جارہا تھا، اس خطہ اور پاک سرزمین کی طرف بڑھتا جارہا تھا، دل کی گہرائیوں سے جس کے متعلق رہ رہ کر آواز آتی تھی۔

فرخا شہرے کہ تو باشی دراں
اے خنک شہرے کہ تو باشی دراں
وائے امروزم خوشا فردائے من
مسکن یا رست شہر شاہ من

(اقبال مرحوم)

برادر عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ کا یاد دلایا ہوا "پیغام" دماغ کی سطح پر پہنچ کر مچلنے لگا، بے ساختہ زبان سے مصرعے نکلنے لگے، ابتداء تو مادری زبان اردو ہی سے شروع ہوئی۔

ہر ایک سے ٹکرا کر
ہر شغل سے گھبرا کر
ہر کام سے پچتا کر
ہر فعل سے شرما کر
آمد بدرت بنگر
اے خاتم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد فارسی کے مصرعوں کا زور بندھا، نیچے اتر آیا، روشنی میں قلمبند کرنے لگا، خاتمہ عربی کے چند مصرعوں پر ہوا۔ "عرض احسن" کے نام سے یہی نظم موسوم ہوئی اور پیش کرنے کے لئے "تحفۂ درویش" تیار ہوگیا، مولانا عبدالماجد سے جہاز ہی میں تذکرہ کیا گیا، سنا، کس حال میں سنا، سنانے والے اور سننے والے کے سوا شاید کوئی دوسرا موجود نہ تھا، دل کے حوصلے نکلے، نکالے گئے، دوسرے دن مولانا نے نظم کی نقل مانگ لی، غالباً عدن کے ساحل سے یا جزیرہ قامران (کامران) سے جو ڈاک انہوں نے ہندوستان روانہ کی، اسی میں یہ نظم بھی تھی، دلی سے اس زمانہ میں "ملت" نامی اخبار جعفری صاحب کا نکلتا تھا، پیش ہونے سے پہلے ہی شاید یہ نظم "ملت" میں شائع ہوگئی، بعد کو تو خدا جانے کتنی دفعہ طبع ہوئی، طبع ہونے کے ساتھ غائب ہوجاتی ہے، حتیٰ کہ اس وقت بجز اس مکتوبہ مسودہ کے مطبوعہ شکل میں اس نظم کی کوئی کاپی خود پیش کرنے والے کے پاس بھی موجود نہیں ہے۔

اسی حال میں دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا، پیشانی کی آنکھوں کے لئے مسلسل ایک بسیط نظارہ وہی نیلا پانی سمندر کا اور نیلے رنگ کا آسمان، اکتا دینے والا نظارہ تھا، لیکن جہاز جس کا نام غالباً اکبر تھا، شاید ہزار سے اوپر آبادی کو لئے ہوئے پانی پر ایک مستقل گاؤں کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا، مولانا عبدالباری اور ان کے والدین، مولانا عبدالماجد اور ان کی اہلیہ محترمہ اخت العرفات کے علاوہ حضرت مولانا محمد علی بانی وناظم ندوۃ العلماء (مونگیر) کے تینوں صاحبزادے مولانا شاہ لطف اللہ مرحوم، مولانا نور اللہ، مولانا منت اللہ ان کی والدہ اور ہمشیرہ اس خاص تعلق کی وجہ سے جو حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ خاکسار رکھتا ہے، یہ مجمع وحدت کی شکل میں جہاز پر سمٹا

ہوا تھا، گویا ایک مختصر سا قافلہ اکیس آدمیوں کا بن گیا، اس کا مادی فائدہ یہ ہوا کہ اکیس آدمیوں کے اس قافلے میں بعضوں کے پاس فرسٹ کلاس کے بھی ٹکٹ تھے اور زیادہ درجۂ سوم کے ٹکٹ والے تھے، فرسٹ کلاس کے ٹکٹ والوں کے طفیل میں تھرڈ کلاس والوں کو عرشہ پر قیام کا بھی موقع ملا اور درجہ اول کے بیت الخلاء غسل خانہ کے استعمال کا بھی حق حاصل ہوا، یہ بھی ہوتا کہ فرسٹ کلاس والوں کے کیبن (کمرے) کے استعمال کی ضرورت اکیس آدمیوں کے اس قافلے میں کسی کو اگر ہو جاتی، تو اس اجتماعی شکل کا فائدہ یہ بھی تھا کہ ضرورت پوری ہو جاتی، یعنی فرسٹ کلاس کے ٹکٹ والے صاحب عرشہ پر چلے آتے اور اپنی جگہ تھرڈ کلاس والے صاحب کو بھیج دیتے، عرشہ میں کمپ کارٹ کھٹولے سے خوب مدد ملی۔

اس جہازی بستی کے باشندوں کے لئے ایک ہی مسجد کا انتظام تو ممکن نہ ہو سکا، مگر جماعت کی نماز متفرق جگہوں پر ہوتی رہتی تھی، ایک ٹکڑی کی امامت کا فرض بھی فقیر کے سر تھوپا گیا اور جہاز میں چند موتیں بھی ہوئیں، ان کے جنازے کی نماز بھی اپنے پیشۂ ملائیت کی وجہ سے فقیر ہی نے پڑھائی، اسی سلسلے میں بجائے مٹی کے پانی میں دفن ہونے کا تماشا بھی دکھایا گیا، مرنے والے مرحوم کے پاؤں میں کوئی وزنی چیز (پتھر یا لوہا) ڈال دیا جاتا تھا اور ایک چکنے تختے پر کفن پہنائی ہوئی لاش رکھ دی جاتی جو آسان کے ساتھ سرک کر پانی میں چلی جاتی، جہازی بستی کے اس آبی قبرستان کا نظارہ بڑا دردناک تھا، بحالت مسافرت گھر سے دور اجنبیوں کے درمیان دنیا کے قیام کی مدت پوری کر کر کے لوگ سمندر کی تاریک و عمیق گہرائیوں سے "عالم نور" کی طرف روانہ ہو رہے تھے، مرنے والوں کو ان کی آبی قبروں میں سلاتے ہوئے بڑھنے والے آگے بڑھے جاتے تھے۔

☆......☆......☆

حالانکہ ہفتہ دن سے زیادہ مدت نہ گزری تھی، لیکن جانتے ہیں جی جس چیز کو دیکھنے کے لئے سب سے زیادہ بے چین تھا وہ زمین کی مٹی تھی، وہی مٹی جس پر برسوں چلتے پھرتے رہے، اسی سے نکلے، اسی پر زندگی بخشی گئی، اسی پر سوتے اور اسی پر جاگتے تھے، خطرہ بھی اس کا دل پر نہیں گزرا تھا کہ جیسے پیاسا پانی کے لئے ترس جاتا ہے، ایسا وقت بھی اسی زمینی زندگی میں آئے گا کہ ہم مٹی کو دیکھنے کے لئے ترسیں گے، مگر ترسے اور خوب ترسے، یہ ہفتہ مٹی پر نہیں بلکہ پانی پر گزرا، اسی پانی پر جس کے نیچے مٹی تھی، مگر میرے لئے تو صرف پانی ہی پانی تھا، عجب پانی! آنکھوں سے جب تک دیکھئے، وہ پانی تھا، مگر ہاتھوں سے چھونے کے بعد معلوم ہوتا تھا کہ شاید گوند ہے، جو پانی میں گھول دیا گیا ہے اور زبان پر رکھنے کے ساتھ ہی نہ پوچھئے کہ ذائقہ کی قوت اس پانی کو کیا پاتی تھی۔ "تلخ نمک کا محلول" حیرت ہوتی تھی کہ اس کڑوے کسیلے، غلیظ گاڑھے پانی کو ہمارے گھروں تک خوش مزہ، شیریں، صاف و پاک، خنک بنا کر کیسے پہنچایا جاتا ہے، سمندر کے اسی تلخ و تند پانی کو ہر قسم کی آلائشوں اور ناگوار عناصر سے پاک و صاف کر کے انسانی آبادیوں پر الٹنے والا ہر سال کس طرح الٹتا ہے، کیسے الٹتا ہے؟ قدرت کے ہاتھوں کا یہی الٹا ہوا سمندری پانی جو بمبئی میں جہاز کی ٹنکیوں میں بھرا گیا تھا، جب ختم ہو گیا، تو انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے میکانیکی آلات سے سمندر کے اس تلخ و تند پانی کو صاف کیا گیا اور جہازی بستی کے آبادکاروں میں یہی پانی تقسیم ہونے لگا، اس میں شک نہیں کہ ناگوار عناصر سے تو شاید یہ پانی پاک ہو گیا تھا، لیکن "گوارائی" کی ایجابی کیفیت سے پھر بھی محروم تھا، پیاس تو اس سے بجھ جاتی تھی، لیکن جی نہیں بھرتا تھا، اس وقت بھی یہی سمجھ میں آیا کہ "قرآن کسی انسان کا مصنوعی کلام نہیں بلکہ قدرتی کلام ہے۔" اس دعویٰ کو پیش کرتے ہوئے یہ مطالبہ جو کیا گیا ہے کہ "اس جیسا کلام لاؤ" تو قدرتی اور مصنوعی چیزوں میں امتیاز کا اس کے سوا اور معیار ہی کیا

ہو سکتا تھا۔"

بہر حال مصنوعی ہی سہی لیکن پانی کی پیاس اس مصنوعی صاف کئے ہوئے پانی سے بجھی رہتی تھی، لیکن اس آبی قلمرو میں پہنچ کر مٹی یا خاک دھول کی نئی پیاس کا نیا تجربہ جو پیش آیا تھا، اس کے بجھنے بجھانے کی کوئی صورت غالباً ایک ہفتہ تک سامنے نہ آئی کہ یکا یک بعض دوربین نگاہ والوں کی طرف سے ہنگامہ شروع ہوا کہ افریقہ کی سمت میں کچھ دھندلے دھندلے سے دخانی سائے دکھائی دے رہے ہیں، جہاز کی آبی آبادی میں غل مچ گیا، جو تھا اسی دھندلے دھندلے سائے کی جستجو اور تلاش میں منہمک ہو گیا، گویا ساری آبادی جہاز کے ایک ہی حصہ کی طرف پلی اور دھنسی چلی جاتی تھی، تب معلوم ہوا کہ مٹی اور ریت، خاک دھول کی جو نئی پیاس مجھے تڑپا رہی تھی اس پیاس کا تنہا شکار میں ہی نہ تھا، یہ کیا ہے؟ کوئی پہاڑ ہے، کوئی ٹیلا ہے، یا صرف آنکھ کا دھول ہے؟ طرح طرح کے وسوسے تھے، خیالات تھے جو مختلف دماغوں اور دلوں میں پیدا ہوتے تھے، اپنے اپنے احساس کا اظہار ہر ایک کر رہا تھا، سنائی کا شعر:

آب چوں کم شود بجاں جوئند
چو بیا بند کون ازو شوئند

اس وقت بجائے پانی کے مٹی پر منطبق ہو رہا تھا، نعمت کی قدر نعمت کے زوال کے بعد ہوتی ہے، آج مٹی اور دھول بھی اس نعمت زائلہ کی شکل اختیار کئے ہوئے تھی، خدا خدا کر کے دھوکے کا بادل پھٹا اور پانی سے دور بہت دور، واقعی ساحل کی کیچڑ کا کچھ حصہ چہرے سے نقاب الٹتے ہوئے بشارت کا پیغام مٹی کے ان پیاسوں کے لئے بننے لگا۔

شور بلند ہوا کہ "کامران" کا جزیرہ آ رہا ہے، یہ عرب کے علاقہ یمن سے تعلق رکھنے والا عربی جزیرہ تھا، یہ بھی معلوم ہوا کہ قرنطینہ کے لئے اس جزیرہ میں جہاز والوں کو اتارا جائے گا اوروں کا تو حال معلوم نہیں، لیکن جس خاک سے پیدا ہوئے تھے اس کے فراق کی یہ مدت اپنے لئے ہی ناقابل برداشت بنتی جا رہی تھی، گونہ اطمینان ہوا کہ قرنطینہ ہی کے لئے سہی مگر زمین کے دیکھنے کا موقع تو میسر آئے گا اور اس سے بھی زیادہ تحت الشعور شاید ایک اور جذبہ بھی مخفی تھا، واقعہ یہ ہے کہ زمین کے کرے میں تعدد کا خیال ان ناموں کی وجہ سے جو پیدا ہو گیا ہے جن سے زمین کے مختلف حصوں کو لوگوں نے موسوم کر رکھا ہے، ایشیا، یورپ، امریکہ و افریقہ، یا ہند، چین، ایران و مصر وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ صرف اصطلاحی باتیں ہیں اور واقعے میں خاک کا ایک تودہ ہے جس میں کہیں کہیں پہاڑ، کہیں پانی کے بڑے ذخیرہ پائے جاتے ہیں، لوگوں نے یہ یا اسی قسم کی چیزوں کو حد بنا کر فرض کر لیا ہے کہ فلاں نام والے ملک کی سرحد اس پر ختم ہو جاتی ہے یا فلاں حد سے شروع ہوتی ہے، جغرافیہ کے اٹلسوں میں ان ہی فرضی حدود کے اندر گھرے ہوئے ارضی حصوں کو مختلف رنگوں سے رنگین کر دیا جاتا ہے، واقعہ کی کل نوعیت اتنی ہی ہے لیکن سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے لوگوں نے ان فرضی بلکہ وہمی حدود میں اتنی اہمیت پیدا کر دی ہے کہ دنیا ان ہی وہمی اور فرضی حدود کے احترام و سالمیت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو گئی، محبت و عداوت کے واقعی جذبات کے چند اساسی محوروں میں ایک بڑا اہم محور وہم کی یہی پیداوار ہے اور کچھ ایسا سمجھا دیا گیا ہے کہ جیسے لفظوں میں چین کا لفظ ہند سے اور ہند کا لفظ عرب کے لفظ سے جدا ہے، اسی طرح واقع میں بھی زمین کے یہ علاقے جو ان ناموں سے موسوم ہیں، ایک دوسرے سے جدا اور ایک الگ ہیں، گویا جیسے مریخ کا کرہ زہرہ اور زہرہ کا کرہ مشتری سے تعلق رکھتا ہے، وہی تعلق کرۂ زمین کے ان علاقوں میں بھی ہے۔

بہر حال ہے تو اوطان یا ممالک و اقالیم کا یہ قصہ بالکل وہم کا اختلاق، مگر کیا کیجئے کہ بچپن سے ذہن انسانی میں جو باتیں رچا اور بسا دی جاتی ہیں، عقل لاکھ زور

مارے لیکن ان کا دل سے نکلنا مشکل ہے، تجرید و تفرید میں "نبوت" اور وہ بھی "نبوت کسریٰ" سے بلند منزل پر اور کون ہو سکتا ہے لیکن سیرت کی کتابوں میں اس مشہور واقعہ کا تذکرہ کیا ہی جاتا ہے کہ مکہ سے ایک صاحب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے، آپ نے مکہ کا حال پوچھا، آنے والے صاحب میں غالباً کچھ شعریت بھی تھی، انہوں نے مکہ کی چاندنی راتوں کی بھی چند خصوصیتوں کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ ایسے الفاظ میں کیا کہ راوی کا بیان ہے۔"اغرورقت عیناہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا، چپ رہو۔ (سہیلی) ہر مسلمان خواہ کسی ملک میں رہتا ہو، اس کے کان میں عرب کا ذکر ہوش سنبھالنے سے پہلے گونجنے لگتا ہے، کثرت ذکر غیر معمولی تعلق اس ملک سے پیدا کر دیتا ہے، جس وقت کامران کا ساحل قریب آنے لگا، عرب کے ساتھ تعلق کا بھی غیر معمولی جذبہ متلاطم ہونے لگا، ساحل کے قریب سمندری چیلیں (سی گل) اڑ رہی تھیں، پرندوں پر بھی شاید ایک ہفتہ کے بعد نظر پڑی تھی، ساحل آگیا، شاید کشتیوں میں بیٹھ کر ہم لوگ جزیرے میں اترے اور "بسم اللہ الذی بعزتہ و جلالہ تتم الصالحات" کہتے ہوئے اور یہ سوچتے ہوئے کہ سر زمین عرب پر پہلی دفعہ قدم رکھنے کا موقعہ دیا گیا ہے، جی چاہتا تھا کہ بجائے قدم کے سر سے اس پاک زمین کے مس کی سعادت میسر آتی مگر رفقاء سفر کا حجاب مانع ہوا، لوگ قرنطینہ کے قصوں میں تھے اور دیوانہ ادھر سے ادھر چھلانگیں مارتا پھرتا تھا، کیا ٹھکانہ تھا ان ولولوں کا جو اس تصور کے ساتھ دل میں جوش مارتے تھے کہ

"اب میں عرب میں ہوں، عرب ہی کے ایک قطعہ پر گھوم پھر رہا ہوں۔"

دن تو کچھ غسل اور بھپارے وغیرہ کی اصطلاحی مشغولیتوں میں گزرا، بڑی خنک اور لطیف تھی وہ رات جو اس جزیرے میں غروب آفتاب کے بعد ہمارے سامنے آئی، یاد پڑتا ہے کہ چاندنی بھی غالباً تھی، تنہائی جب کبھی رات کی اس تاریکی میں میسر آجاتی تھی پھر نہ پوچھئے کہ اس جزیرے کے بالو اور ریت کو کس کس چیز پر ڈالتا تھا۔ "خاک برسرکن" غم کے موقع کا فعل ہے لیکن آج غایت مسرت و نشاط میں اسی فعل کا اعادہ کرایا جارہا تھا، کامران کی ٹھنڈی منور ہماری یہ رات گزر گئی، صبح کو آفتاب نکلنے کے بعد غالباً دوسرے دن ہم لوگ اسی جہاز پر واپس کر دیئے گئے جس سے اتارے گئے تھے، قرنطینہ کی جگہ کامران میں ساحل کے کنارے تھی، کچھ سرکاری مکانات بنے ہوئے تھے، انگریزی حکومت کی طرف سے کچھ حکام یہاں مسلط تھے، بظاہر آبادی اندرون جزیرے میں تھی جس کے دیکھنے کا موقع نہ ملا، غالباً اسی آبادی سے انڈے مرغی اور ضرورت کی دوسری چیزیں لے کر اعراب جزیرہ قافلہ میں آئے ہوئے تھے، سب سے زیادہ حیرت اس پر ہوئی کہ اناس کے مربے کے بند ڈبے اس جزیرہ میں ۴، ۴ یا اس کے قریب ارزاں قیمت پر مل رہے تھے، لوگوں نے خوب لیا اور کھایا، غالباً فرانس میں یہ ڈبے پیک کئے گئے تھے اور اس جزیرے تک میں اتنے ارزاں داموں پر وہ فروخت ہو رہے تھے، خیال آتا ہے کہ انگریزی حکومت کی طرف سے طبی محکمہ کے افسروں میں ایک نوجوان عورت بھی تھی، اجنبی مردوں کے ساتھ، اس لیڈی ڈاکٹر کو رہنے سہنے کی اجازت جن ماں باپ نے دے رکھی تھی، ان پر افسوس ہوا مگر ناموس کا مسئلہ جن قوموں میں کسی حال میں بھی محل افسوس باقی نہیں رہا ہے، ان پر افسوس کرنے والے ہی شاید مستحق افسوس ہوں۔

☆......☆......☆

جہاز میں پھر لوگ سوار ہو گئے، وہی پانی اور آسمان کا بسیط نظارہ پھر سامنے تھا، دن کے وقت کبھی کبھی نظارے کی اس بساط میں ان مچھلیوں کی وجہ سے جنبش پیدا ہو جاتی

تھی، جو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی مانند ہزاروں کی تعداد میں جہاز کے ساتھ ساتھ اڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، وہ مچھلیاں اڑیں گی تو کیا؟ دراصل مل کر ایک جگہ سے پھاند کر دوسری جگہ پہنچتی تھیں۔

بحر احمر جس کا نام دریائے قلزم بھی ہے، جدہ کا ساحل اسی سمندر کے کنارے ہے، اس کے تنگ ترین دہانہ باب المندب سے جہاز ٹھیک صبح کے وقت پاس ہو رہا تھا۔

عدن کے دیکھنے کے موقعہ نہ ملا، شاید رات کو گزر گیا، یا جہاز اس کے قریب نہ ہوا۔

اسی عرصے میں اچانک جہاز میں ایک نیا چرچا شروع ہوا، لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یلملم کا میقات (جہاں سے حجاج احرام باندھتے ہیں) اب آنے والا ہے، سمندر ہی میں جہاز یلملم کے سامنے آجائے گا، جہاز میں گھنٹی بجے گی اور لوگ احرام باندھنے میں مشغول ہو جائیں گے، معلوم ہوا کہ یلملم کا پہاڑ جہاز سے نظر نہیں آتا، جہاز کا کپتان اپنے نقشہ کی بنیاد پر مطلع کرتا ہے، خاکسار ان باتوں کو سن رہا تھا، دل میں ایک خیال تھا، اسے اب تک دبائے چلا جارہا تھا، لیکن اب وقت آگیا کہ فیصلہ کیا جائے۔ عام طور پر:

"اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اگر تمہارے پاس (اے پیغمبر) آئیں اور اللہ تعالیٰ سے گناہ کی مغفرت طلب کریں اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لئے مغفرت کے طلب گار ہوں گے تو پائیں گے وہ اللہ کو قبول کرنے والا بڑا مہربان۔" (النساء)

کی قرآن آیت کی تلاوت اس وقت لوگ کر دیتے ہیں، جب مدینہ منورہ کی حاضری کا مسئلہ چھیڑا جاتا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے مسئلے کا استنباط اس قرآنی نص سے سب سے پہلے کس نے کیا، لیکن اس استنباط کو غیر معمولی حسن قبول حاصل ہوا، گویا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ (آئیں تمہارے پاس) کا یہ مطلب کہ اس کا تعلق صرف اسی زمانے کے ساتھ محدود نہیں ہے جب روضۂ اطہر سے باہر مدینہ منورہ میں آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما تھے، بلکہ روضۂ اطہر میں عزلت گزیں ہو جانے کے بعد بھی خدمت مبارک میں جو حاضر ہوگا وہ استغفار کے اس قرآنی دستاویز سے مستفید ہو سکتا ہے، تو اب اس مطلب کی حیثیت ایک اجتماعی مسئلہ کی ہے، فقہ و حدیث اور مناسک کی ہر وہ کتاب جس میں کسی نہ کسی حیثیت سے مدینہ منورہ کی حاضری کا تذکرہ کیا گیا اس میں اسی اجتماعی تفسیر کے ساتھ اس قرآنی نص کے درج کرنے کا عام رواج ہے۔

اسی اجتماعی "تفسیر" نے شاید اسی زمانہ میں جب سفر حجاز کی نیت کر چکا تھا، قرآن ہی کی دوسری آیت یعنی:

"اور جب آئیں تمہارے پاس وہ لوگ جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو، تو کہو سلام ہو تم پر، واجب کیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو (یہ کہ) جو کرے تم میں سے کوئی بری بات نادانی سے پھر پلٹ پڑے (یعنی توبہ کرے) اس کے بعد اور سنور جائے تو وہ بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا مہربان ہے۔" (الانعام)

سے یہ احساسات قلب میں پیدا ہوئے کہ اس نص قطعی کی رو سے یہ یقینی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "السلام علیکم" کی دعا ہر اس شخص کو میسر آتی ہے جو ایمان کے ساتھ آستانہ نبوت کبریٰ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتا ہے اور یہ خبر بھی براہ راست اللہ کے آخری رسول رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اس کو پہنچائی جاتی ہے کہ توبہ و اصلاح کے بعد اپنے مالک کو وہ غفور (بہت بڑا بخشنے والا) اور رحیم پائے گا۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت ہی کے مضمون کا اعادہ الانعام کی اس آیت میں اس اضافے کے ساتھ کیا گیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "سلامتی" کی دعا بھی قطعی طور پر ہر وہ مومن حاصل کرتا ہے جو بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ہے۔.................(جاری ہے)

خاندانی اختلافات اور ان کا حل

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

آج کے اس دور میں معاشرے میں شاید ہی کوئی خاندان یا گھرانہ ایسا ہوگا جس کے افراد کے درمیان کوئی اختلاف اور جھگڑا نہ ہو، آج ہر خاندان اور ہر گھرانہ جھگڑوں اور آپس کے اختلاف کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے، جس کی وجہ سے زندگی عذاب بنی ہوئی ہے، راحت اور چین وسکون غارت ہو چکا ہے، معاشرے کا ہر ہر فرد ان اختلافات سے پریشان، متفکر اور ان پر گریہ کناں ہے، لیکن ان جھگڑوں اور اختلافات کے اسباب کیا ہیں اور ان سے بچنے اور نکلنے کا راستہ کیا ہے...... اس سے وہ غافل ہے۔
زیر نظر مضمون میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم نے خاندانی اختلافات کے اسباب کو خوب واضح کر کے بیان کیا ہے اور ان سے بچنے کا طریقہ کیا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کو بھی واضح طور پر بیان کیا ہے......
آیئے! خاندانی اختلافات اور جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایئے...... خاندانی اختلافات کے اسباب پر غور کریں اور ان کا علاج زیر نظر مضمون میں تلاش کر کے ان پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی دعوت دیں...... ان شاء اللہ، آپ کا گھرانہ اور خاندان جنت کا نمونہ بن جائے گا اور چین وسکون کی زندگی نصیب ہوگی۔

سوال کے ذریعہ طلب پیدا کرنا:...... حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا: کیا میں تمہیں ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز، روزے اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو تھا کہ جب کسی چیز کی اہمیت بیان کرنی منظور ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خود ہی سوال فرمایا کرتے تھے، تاکہ ان کے دل میں طلب پیدا ہو جائے، اگر دل میں طلب ہو تو اس وقت جو بات کہی جائے اس کا اثر بھی ہوتا ہے اور اگر دل میں طلب نہ ہو تو کیسی بھی اچھی سے اچھی بات کہہ دی جائے، کیسا ہی اچھے سے اچھا نسخہ بتا دیا جائے، بہتر سے بہتر تعلیم دے دی جائے، ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، یہ طلب بڑی چیز ہے۔

دین کی طلب پیدا کریں:...... اس لئے بزرگان دین نے فرمایا کہ انسان کی کامیابی کا راز اس میں ہے کہ انسان اپنے اندر دین کی طلب اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کی طلب پیدا کرلے، جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ خود نواز دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے، اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا و پست

یعنی پانی کم تلاش کرو، پیاس زیادہ پیدا کرو، جب پیاس پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ پھر

اوپر اور نیچے ہر طرف سے پانی جوش مارتا ہے، یہ طلب بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کے دلوں میں پیدا فرما دے۔ آمین

"طلب" بے چینی پیدا کرتی ہے:...... یہ "طلب" ہی وہ چیز ہے کہ جب ایک مرتبہ انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو پھر انسان کو چین لینے نہیں دیتی، بلکہ اس کو بیتاب رکھتی ہے، جب تک انسان کو مقصود حاصل نہ ہو جائے انسان کو چین نہیں آتا، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب انسان کو بھوک لگ جائے اور "بھوک" کے معنی ہیں "کھانے کی طلب" تو جب انسان کو بھوک لگی ہوئی ہوگی تو کیا انسان کو چین آئے گا؟ کس دوسرے کام کو کرنے کا دل چاہے گا؟ جب کھانے کی طلب لگی ہوئی ہے تو آدمی کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک کہ اس کو کھانا نہ مل جائے، اگر انسان کو پیاس لگی ہوئی ہے تو "پیاس" کے معنی ہیں "پانی کی طلب" جب تک پانی نہیں مل جائے گا، اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں "دین" کی بھی ایسی ہی طلب پیدا فرما دے، جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو انسان کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک دین حاصل نہ ہو جائے بلکہ بے چینی لگی رہتی ہے۔

صحابہؓ اور دین کی طلب:...... حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ ان میں سے ہر شخص کو یہ بے چینی لگی ہوئی تھی کہ مرنے کے بعد میرا کیا انجام ہونا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے، اس کے بعد یا جہنم ہے یا جنت ہے، لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اس بے چینی کا نتیجہ یہ تھا کہ صبح سے لے کر شام تک معمولی معمولی کاموں میں بھی فکر لگی ہوئی ہے کہ معلوم نہیں کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے مطابق ہے یا نہیں؟ کہیں اس کی وجہ سے میں جہنم کا مستحق تو نہیں ہو گیا۔

حضرت حنظلہؓ کو فکر آخرت:...... یہاں تک کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آ کر عرض کیا: "یارسول اللہ! نافق حنظلة "حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے، اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ میں تو منافق ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیسے منافق ہو گئے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا ہوں تو اس وقت تو آخرت کی فکر لگی ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر بیوی بچوں کے پاس گھر جاتے ہیں تو اس وقت دل کی یہ کیفیت باقی نہیں رہتی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں تو منافق ہو گیا، اس لئے کہ آپ کے پاس ایک حالت ہوتی ہے اور گھر جا کر دوسری حالت ہو جاتی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا اور فرمایا کہ اے حنظلہ! یہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے، کسی وقت انسان پر ایک حال کا غلبہ ہو جاتا ہے اور دوسرے وقت دوسری حالت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اس لئے پریشان نہ ہوں، بلکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں، ان میں لگے رہو، ان شاء اللہ بیڑا پار ہو جائے گا، لہٰذا یہ فکر کہ میں کہیں منافق تو نہیں ہو گیا، یہ آخرت کی طلب ہے جو بے چین کر رہی ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ اور فکر آخرت:...... حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی، خلیفہ ثانی، جن کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے اور جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس راستے سے عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) گزر جاتے ہیں، اس راستے سے شیطان نہیں گزرتا، شیطان راستہ بدل دیتا ہے، وہ عمر جن کے بارے میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کے اندر تمہارا محل دیکھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تمام باتیں سننے کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! خدا کے لئے یہ بتاؤ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی جو فہرست تمہیں بتائی ہے، ان میں کہیں میرا نام تو نہیں ہے؟ یہ فکر اور طلب لگی ہوئی ہے۔

طلب کے بعد مدد آتی ہے:......اور جب طلب لگ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے عطا فرما ہی دیتے ہیں، اس لئے مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آب گم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آب از بالا وپست

"پانی تلاش کرنے سے زیادہ پیاس پیدا کرو۔" دل میں ہر وقت کھٹک اور بے چینی اور بیتابی لگی ہوئی ہو کہ مجھے صحیح بات کا علم ہو جائے اور جب یہ طلب پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرما ہی دیتے ہیں، ان کی سنت یہ ہے کہ کسی سچے طالب کو جس کے دل میں طلب صادق ہو، آج تک اللہ تعالیٰ نے رد نہیں فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا یہ انداز تھا کہ آپ حضرات صحابہؓ میں پہلے طلب پیدا فرماتے تھے، اس لئے پہلے آپ نے ان سے سوال کیا کہ کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اور اجر وثواب کا ایسا درجہ نہ بتاؤں جو نماز سے بھی افضل، روزوں سے بھی افضل اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ یہ سوال کر کے ان کے اندر شوق اور طلب پیدا فرما رہے ہیں۔

نماز کے ذریعہ قرب خداوندی:...... صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ضرور بتایئے۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کو تو ہر وقت یہ دھن لگی ہوئی تھی کہ کون سی چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا عطا کرنے والی ہے اور اب تک روزے کی نماز کی اور صدقے کی فضیلت سن چکے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے، ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے اور جتنے نوافل زیادہ پڑھتا ہے، وہ اتنا ہی میرے قریب ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک درجہ ایسا آ جاتا ہے کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، گویا کہ نوافل کی کثرت کے نتیجے میں وہ انسان اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ اس انسان کا سراپا اللہ تعالیٰ کی رضا کا مظہر بن جاتا ہے، صحابہ کرام نماز کی یہ فضیلت سن چکے تھے، اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ نماز سے زیادہ افضل کیا چیز ہو گی۔

روزے کی فضیلت:......روزے کی یہ فضیلت بھی صحابہ کرامؓ سن چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دوسری عبادتوں کا اجر تو میں نے مقرر کر دیا ہے کہ فلاں عبادت کا ثواب دس گنا، فلاں عبادت کا ثواب سو گنا اور فلاں عبادت کا ثواب سات سو گنا، لیکن روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الصوم لی وانا اجزی به (نسائی، کتاب الصیام، باب فضل الصیام) یہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، یعنی روزے کا جو اجر وثواب میں عطا کرنے والا ہوں وہ تمہاری گنتی میں اور تمہارے پیمانوں میں اس اجر وثواب کا تصور آ ہی نہیں سکتا، یہ روزہ چونکہ میرے لئے ہے، اس لئے اس کا اجر وثواب بھی اپنی شان کے مطابق دوں گا، اپنی عظمت کے مطابق دوں گا، صحابہ کرامؓ روزے کی یہ فضیلت سن چکے تھے، اس لئے ان کے ذہنوں میں یہ تھا کہ روزہ بہت زیادہ افضل عبادت ہے۔

صدقہ کی فضیلت:......صحابہ کرامؓ صدقہ کی یہ فضیلت سن چکے تھے کہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے

سے سات سو گنا اجر وثواب ملنا تو یقینی ہے اور یہ سات سو گنا ثواب بھی ہمارے حساب سے نہیں بلکہ جنت کے حساب سے ملنا ہے، اس لئے صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ صدقہ کرنا بہت افضل عبادت ہے۔

سب سے افضل عمل جھگڑے ختم کرانا:......اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا میں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس نماز سے بھی افضل ہے، اس روزے سے بھی افضل ہے، اس صدقہ کرنے سے بھی افضل ہے جن کی فضیلتیں تم نے سن رکھی ہیں؟ چنانچہ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے دل میں شوق پیدا ہوا اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ چیز ضرور بتائیں تا کہ ہم وہ چیز حاصل کریں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات سے بھی زیادہ ثواب عطا فرما دیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ چیز:

"صلاح ذات البین"

ہے، یعنی اگر دو مسلمانوں کے درمیان ناچاقی، اختلاف اور کشاؤ ہو گیا ہے یا دو مسلمانوں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہیں تو اب کوئی ایسا کام کرو جس کے نتیجے میں ان کے درمیان وہ جھگڑا ختم ہو جائے اور دونوں کے دل میں آپس میں مل جائیں اور دونوں ایک ہو جائیں، تمہارا یہ عمل نماز سے بھی افضل ہے، روزے سے بھی افضل ہے، صدقہ سے بھی افضل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بیان تھا۔

صلح کرانا نماز روزے سے افضل ہے:......لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ اس حدیث میں نماز روزے سے نفلی نماز روزے مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف تم ساری رات نفلی نمازیں پڑھتے رہو، سارا دن نفلی روزے رکھو اور بہت سا مال نفلی صدقہ کرو، تو ان میں سے ہر کام بڑی فضیلت اور ثواب کا ہے، لیکن دوسری طرف دو مسلمان بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہے، اور اس جھگڑے کی وجہ سے دونوں کے درمیان ناچاقی پیدا ہو گئی ہے، تو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اگر تم تھوڑا سا وقت صرف کرو گے اور ان کے دل اور گلے ملوا دو گے اور ان کے درمیان محبت پیدا کرا دو گے تو اس صورت میں تم نے جو ساری رات نفل نمازیں پڑھی تھیں، نفل روزے رکھے تھے اور سینکڑوں روپے نفل صدقہ کے طور پر دیئے تھے، ان سب سے زیادہ اجر وثواب تمہیں اس عمل میں حاصل ہو جائے گا، آپ اندازہ کریں کہ کتنی بڑی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی۔

آپس کے اختلافات دین کو مونڈنے والے ہیں:......ایک طرف تو یہ فرما دیا کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں محبتیں، بھائی چارہ اور اخوت قائم کرنا تمام نفلی عبادتوں سے افضل ہے اور دوسری طرف اگلا جملہ اس کے بالکل برعکس ارشاد فرما دیا کہ:

"وفساد ذات البین هی الحالقة"

یعنی آپس کے جھگڑے، آپس کی نفرتیں اور ناچاقیاں یہ مونڈنے والی چیزیں ہیں، ایک دوسری حدیث میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ آپس کے یہ جھگڑے تمہارے بالوں کو مونڈنے والے ہیں بلکہ یہ جھگڑے تمہارے دین کو مونڈنے والے ہیں، کیونکہ جب آپس میں نفرتیں ہوتی ہیں اور جھگڑے ہوتے ہیں تو اس جھگڑے کی وجہ سے انسان نہ جانے کتنے بے شمار گناہوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، ان جھگڑوں کے نتیجے میں ایک دوسرے کی غیبت ہوتی ہے، ایک دوسرے پر بہتان لگایا جاتا ہے، ایک دوسرے کی ایذاء رسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں تو یہ جھگڑے بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔

جھگڑوں کی نحوست:......ان جھگڑوں کی نحوست یہ ہوتی ہے کہ انسان دین سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور دین کا نور جاتا رہتا ہے اور دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے، اسی

وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جابجا یہ تاکید فرمائی کہ آپس کے جھگڑوں سے بچو۔

مصالحت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جماعت چھوڑ دینا:...... دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پوری حیات طیبہ میں مسجد نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے، ظاہر ہے کہ آپ کی موجودگی میں کون نماز پڑھائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون نماز با جماعت کی پابندی کرے گا، لیکن پوری حیات طیبہ میں صرف ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہیں لاسکے، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی اور نماز کے وقت حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ فلاں قبیلے میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان جھگڑا ہوگیا ہے، چنانچہ ان کے جھگڑے کو ختم کرانے کے لئے اور ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قبیلہ میں تشریف لے گئے، اس مصلحت کرانے میں دیر لگ گئی، یہاں تک نماز کا وقت آگیا، صحابہ کرامؓ نے جب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں تو اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت فرمائی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں تشریف لائے۔

پوری حیات طیبہ میں صرف یہ ایک واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں نماز کے وقت مسجد نبوی میں تشریف نہ لاسکے، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے اور جھگڑا ختم کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس لئے قرآن وحدیث ان ارشادات سے بھرے ہوئے ہیں کہ خدا کے لئے مسلمانوں کے درمیان جھگڑوں کو کسی قیمت پر برداشت نہ کرو، جہاں کہیں جھگڑے کا کوئی سبب پیدا ہو، فوراً اس کو ختم کرانے کی کوشش کرو، اس لئے کہ یہ جھگڑے دین کو مونڈ دینے والے ہیں۔

جنت کے بیچ میں مکان دلانے کی ضمانت:...... ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انا زعیم ببیت فی وسط الجنۃ لمن ترک المراء وھو محق

میں اس شخص کے لئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے، یعنی وہ شخص حق پر تھا اور حق پر ہونے کی وجہ سے اگر وہ چاہتا تو اپنے اس حق کو وصول کرنے کے لئے مقدمہ دائر کردیتا، یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرلیتا جس کے نتیجے میں اس کو اس کا حق مل جاتا، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ جھگڑا بڑھے گا اور جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ، لہٰذا اپنا حق ہی چھوڑ دیا، ایسے شخص کے لئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کو جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں، اتنی بڑی بات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

یہ ضمانت دوسرے اعمال پر نہیں:...... یہ ذمہ داری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسرے عمل پر نہیں لی لیکن حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے چھوڑنے والے کے لئے یہ ذمہ داری لے رہے ہیں، اس کے ذریعے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ آپس کے اختلافات ختم کردو، اللہ کے بندے بن جاؤ اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ اور جھگڑے کے جو جو اسباب ہوسکتے ہیں، ان کو بھی ختم کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے وحدت میں اخوت میں اور محبت میں ایک نور رکھا ہے، اس نور کے ذریعے انسان کی دنیا بھی روشن ہوتی ہے اور آخرت بھی روشن ہوتی ہے اور اگر آپس میں جھگڑے ہوں، فساد ہوں تو یہ ظلمت ہے، دنیا میں بھی ظلمت اور آخرت میں بھی ظلمت، جو انسان کے دین کو مونڈ کر رکھ دیتی ہے۔

قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں:...... ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل و المقتول کلاھما فی النار

اگر دو مسلمان تلوار کے ذریعے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کھڑے ہوجائیں اور آپس میں لڑائی کرنا شروع کردیں تو اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کردے گا تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا، یارسول اللہ! قاتل تو جہنم میں جائے گا کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا، لیکن مقتول جہنم میں کیوں جائے گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

انہ کان حریصاً علی قتل صاحبہ

کیونکہ یہ مقتول بھی اپنے مدمقابل کو مارنے کے ارادے سے چلا تھا، اسی لئے تلوار اٹھائی تھی کہ اگر میرا داؤ چل گیا تو میں ماردوں گا، لیکن اتفاق سے داؤ اس کا نہیں چلا بلکہ دوسرے کا داؤ چل گیا، اس لئے یہ مقتول بن گیا اور وہ قاتل بن گیا، اس وجہ سے یہ بھی جہنم میں وہ بھی جہنم میں۔ اس لئے فرمایا کہ کسی مسلمان کے ساتھ لڑائی کا معاملہ ہرگز نہ کرو۔

حبشی غلام حاکم کی اتباع کرو:...... ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی حبشی غلام بھی تم پر حاکم بن کر آجائے تو اس کے خلاف بھی تلوار مت اٹھاؤ، جب تک وہ ''کفر بواح'' کا ارتکاب نہ کرے، کیوں کہ اگر تم اس کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے تو کوئی تمہارا ساتھ دے گا اور کوئی دوسرے کا ساتھ دے گا، اس کے نتیجے میں مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہوجائیں گے اور ان کے درمیان منافرت پیدا ہوجائے گی اور مسلمانوں کے درمیان افتراق، انتشار اور ناچاقی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قیمت پر بھی برداشت نہیں فرمایا، آپ نے فرمادیا کہ:

کونوا عباد اللہ اخواناً

اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

آج زندگی جہنم بنی ہوئی ہے:...... جب ہمارے ذہنوں میں عبادت کا خیال آتا ہے تو نماز، روزے کا تو خیال آتا ہے، صدقہ کا خیال آتا ہے، ذکر اور تسبیح کا خیال آتا ہے، تلاوت قرآن کریم کا خیال آتا ہے اور الحمدللہ یہ سب بھی اونچے درجے کی عبادتیں ہیں، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان سے بھی اونچے درجے کی چیز مسلمانوں کے درمیان آپس میں صلح کرانا ہے اور آج ہمارا معاشرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اتنا دور چلا گیا ہے کہ قدم قدم پر منافرت ہے، جھگڑے اور لڑائیاں ہیں، نااتفاقیاں ہیں اور اس کی وجہ سے زندگی جہنم بنی ہوئی ہے حالانکہ آپ نے یہ فرمادیا کہ یہ چیز دین کو مونڈنے والی ہے، اس نے آج ہمارے دین کو مونڈ ڈالا ہے، جس کی وجہ سے اس کی شناعت، قباحت اور اس کی برائی ہمارے دلوں میں بیٹھی ہوئی نہیں ہے۔

لوگوں کے درمیان اختلاف ڈالنے والے کام کرنا:...... اگر ہمارے معاشرے میں کوئی بے نمازی ہے یا کوئی شراب پیتا ہے یا کسی اور گناہ میں مبتلا ہے تو اس کو تو ہمارے معاشرے میں الحمدللہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص برا کام کررہا ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا کام کررہا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان لڑائیاں ہورہی ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان جھگڑے ہورہے ہیں تو اس کی طرف سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ اتنا بڑا مجرم ہے، جتنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مجرم قرار دے رہے ہیں اور اس بات کی فکر بھی کسی کے دل میں نہیں ہے کہ ان جھگڑوں کو کیسے ختم کیا جائے؟ لہٰذا یہ بہت بڑا باب ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا اور آپس میں صلح کرانے کو نماز روزے اور صدقے سے بھی افضل قرار دیا۔

......(جاری ہے)......

شادی بیاہ کے اسلامی احکام

مفتی مولانا عبدالرؤف سکھروی — قسط نمبر: 1

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین دے کر بھیجا وہ ایک کامل اور مکمل دین ہے، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس دین کے کامل و مکمل ہونے کا اعلان کیا ہے...... اللہ تعالیٰ کے اس دین پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل و مکمل طور پر عمل کر کے امت کے لئے اسوۂ حسنہ چھوڑ دیا ہے...... ایک مسلمان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق پورا کرے...... ایک طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کر کے دکھائی تو دوسری طرف معاشرت اور معاملات بھی انجام دیئے...... انہی معاشرتی معاملات میں ایک شادی بیاہ بھی ہے، جسے آج ہم نے دین سے دوری اور غیر مسلموں کی نقالی کی بناء پر ایک مشکل اور پریشان کن معاملہ بنا دیا ہے، حالاں کہ شریعت مطہرہ میں شادی نہایت ہی آسان ہے......

معاشرے کی اسی ضرورت کو دیکھتے ہوئے ماہنامہ حیا اپنے قارئین کی خدمت میں زیر نظر مضمون قسط وار پیش کر رہا ہے...... جس میں شادی بیاہ کا مسنون طریقہ مذکور ہے اور مروجہ رسومات کی حقیقت اور شریعت میں ان کا حکم کیا ہے...... نیز شادی بیاہ میں ہونے والے دیگر گناہوں اور قباحتوں کا بھی ذکر ہے......

ٹھنڈے دل سے اس مضمون کو پڑھئے اور خود فیصلہ کیجئے...... کیا ہماری شادی شریعت کے معیار کے مطابق ہے؟؟

نکاح بھی ایک عبادت ہے:...... جس طرح نماز ایک عبادت ہے اور روزہ ایک عبادت ہے، حج اور زکوٰۃ ایک عبادت ہے، ایسے ہی مسلمان مرد و عورت کا نکاح کرنا بھی ایک عبادت ہے اور جس طریقہ سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا ایک طریقہ ہے، جو شریعت سے ثابت ہے، اسی طریقہ سے نکاح کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے، جو نکاح شریعت کے مطابق ہوگا، سنت کے موافق ہوگا، وہ نکاح عبادت

ہوگا اور باعث اجر و ثواب ہوگا اور خیر و برکت سے بھرپور ہوگا اور جو نکاح اور جو شادی بیاہ شریعت سے ہٹ کر ہوگا، سنت کے خلاف ہوگا تو اگرچہ نکاح منعقد ہو جائے لیکن نکاح کی جو برکتیں ہیں اور اللہ پاک نے اس میں دنیا و آخرت کے جو فائدے رکھے ہیں، وہ نکاح ان سے خالی رہ جائے گا، جیسے خلاف سنت نماز پڑھنے سے اگرچہ نماز کا فرض اتر جائے اور خلاف سنت حج و عمرہ کرنے سے حج و عمرہ کا واجب ادا ہو جائے، لیکن سنت سے ہٹ کر ادا کرنے کی وجہ سے اور سنت کے خلاف عمل کرنے کی وجہ سے نماز کی نورانیت اور مقبولیت ختم ہو جاتی ہے، حج و عمرہ مقبول نہیں ہوتا، ایسے ہی وہ نکاح بھی خیر و برکت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ جب ان کے ہاں نکاح کی تقریب ہو تو اپنے اس نکاح کو شریعت اور سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں، جیسے نماز ہمیں سنت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، حج و عمرہ اور ہماری دیگر عبادتیں سنت کے مطابق ہونی چاہئیں، اسی طرح ہمارا نکاح بھی سنت کے مطابق ہونا چاہئے اور جیسے نماز کا طریقہ، حج و عمرہ کا طریقہ اور دیگر عبادتوں کے طریقے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ثابت ہیں، اسی طرح نکاح کرنے کا طریقہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اور ثابت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بھی نکاح کئے ہیں اور اپنی بیٹیوں کے بھی نکاح کئے ہیں، صحابہ کرامؓ کے نکاح بھی پڑھائے ہیں، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہوں گی، ان کا نکاح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے اور کس طرح کیا ہے؟ اس کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اسی کا خلاصہ آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں تاکہ کم از کم ہمیں یہ معلوم تو ہو کہ ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کس طرح کیا تھا؟ اور پھر ہم بھی اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں اور اس طریقہ میں جو ہدایات و تعلیمات ہیں، وہ ہمیں معلوم ہوں اور ہم ان کو محفوظ رکھیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کا واقعہ:...... جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ساڑھے پندرہ سال کی ہوئیں، تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے عذر فرما دیا اور معذرت کر لی کہ میری بیٹی کی عمر کم ہے اور تمہاری عمر زیادہ ہے۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی عمر اکیس سال ہو گئی تھی، انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نعمت عظمیٰ کے عطا فرمانے کی درخواست کی، ان کی درخواست کو سن کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آیا کہ یہ رشتہ منظور کر لیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور منگنی ہو گئی۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے انس! جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بلا کر لاؤ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دیا اور مہر تقریباً چار سو درہم مقرر فرمایا اور ایک طباق میں تھوڑے سے چھوارے رکھ کر حاضرین کو پہنچائے، اس کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر

پہنچادو، چنانچہ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمراہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون جنت کی رخصت فرمادی، حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا کر آ گئیں، یہ دونوں جہاں کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی رخصتی ہے جو جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: پانی لاؤ! وہ ایک پیالہ میں پانی لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اندر لعاب مبارک ڈالا اور فرمایا کہ ذرا سامنے ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اور ان کے سینے مبارک پر کچھ پانی چھڑکا، پھر فرمایا کہ پیٹھ میری طرف کرو، پھر ان کے دونوں شانوں پر پانی چھڑکا اور پھر دعا دی کہ اے اللہ! میں ان کو اور ان کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں، پھر ان سے فرمایا کہ باقی پانی تم پی لو، چنانچہ انہوں نے پانی پی لیا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پانی لاؤ! وہ گئے اور وہ بھی پانی لے کر آئے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا کٹورا لے کر اس میں لعاب مبارک ڈالا اور ان کے سر اور سینے پر کچھ پانی چھڑکا، لیکن پشت کی طرف دونوں شانوں کے درمیان نہیں چھڑکا اور ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کے لئے عطا فرمایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد ایک پیالہ میں پانی لیا، اور سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر پانی پر دم کیا اور دونوں کے آگے پیچھے چھڑکا اور پینے کے لئے بھی فرمایا اور یہ فرمایا کہ تم اس سے وضو کرو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک اور نصیب دار اولاد ہونے کی دعا دی اور اچھی اچھی پاکیزہ دعائیں عطا فرمائیں اور فرمایا کہ خیر و برکت کے ساتھ اور طہارت کے ساتھ رہو۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز:......جہیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزیں عطا فرمائیں، جن میں چار گدے، دو رضائی، دو چاندی کے بازو بند، ایک چادر، ایک تکیہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ اور ایک چکی آٹا پیسنے کے لئے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک پلنگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، یہ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے جہیز میں عطا فرمائیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جانے کے بعد گھر کے اندر کے کاموں کے انجام دینے کی ذمہ داری مثلاً گھر کی صفائی و ستھرائی، کھانا پکانا، آٹا پیسنا، پانی بھرنا، حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سپرد فرمائی اور گھر سے باہر کے کاموں کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوپر ڈالی کہ گھر سے باہر کے کام انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ولیمہ:......نکاح کے بعد دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولیمہ فرمایا، ولیمہ کے اندر چند صاع مکوہ، ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اور چند جو کی روٹیاں اور کچھ کھجوریں تھیں، بس اس طریقہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ولیمہ فرمایا۔

یہ مختصر سا طریقہ ہے اس نکاح کا، جس کے کرنے والے دونوں جہاں کے سردار ہیں اور جس کا نکاح ہو رہا ہے، وہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، اور جس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں، تو تمام نبیوں کے سردار اپنی بیٹی کا کس سادگی کے ساتھ اور کس اختصار کے ساتھ اور کس سہولت و آسانی کے ساتھ اور کتنے معمولی مہر پر اپنی بیٹی کا نکاح فرما رہے ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس سادگی کے ساتھ ہلکا پھلکا ولیمہ کر رہے ہیں، یہ وہ طریقہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

مذکورہ واقعہ میں ہمارے لئے ہدایات:......اس میں ہمارے لئے بڑی ہدایات ہیں اور بڑی تعلیمات ہیں اور دراصل یہ طریقہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے، اللہ کرے کہ ہم دل و جان سے ان ہدایات کو اور ان تعلیمات کو سنیں اور سمجھیں اور جب اس کا موقع آئے تو ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ آمین

پہلی ہدایت:...... سب سے پہلی بات جو اس طریقہ سے معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب لڑکیاں اور لڑکے بالغ ہو جائیں اور نکاح کے قابل ہو جائیں اور مناسب رشتہ مل جائے تو پھر بغیر کسی معتبر عذر کے ان کے نکاح میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، جلد ہی نکاح کر دینا چاہئے، بلاوجہ یا بلا عذر لڑکے یا لڑکی کو بغیر نکاح کے رکھنا مناسب نہیں، البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو تو الگ بات ہے۔

دوسری ہدایت:......دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نکاح کے اندر لڑکے اور لڑکی کی عمروں کے درمیان تناسب ملحوظ رکھنا چاہئے، لڑکے کی عمر لڑکی سے کچھ زیادہ ہونی چاہئے، جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اکیس سال اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عمر اس وقت ساڑھے پندرہ سال تھی، تقریباً چار پانچ سال کا فرق ہے، تو معمولی سا فرق ہو، اس کے برعکس نہیں ہونا چاہئے کہ لڑکی بڑی عمر کی ہو اور لڑکا چھوٹی عمر کا ہو، یا بہت زیادہ فرق ہو، یہ مناسب نہیں، اگرچہ کم زیادہ عمر کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے، کیونکہ نکاح تو باہمی رضا مندی کے ساتھ ہوتا ہے اور باہمی رضا مندی میں چھوٹی عمر والی لڑکی بڑے عمر کے لڑکے سے نکاح کر لے، یا چھوٹی عمر والا لڑکا کسی بڑی عمر کی عورت سے نکاح کر لے تو جائز تو ہے، لیکن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو دیکھیں تو اس کے اندر جو بات سمجھ میں آ رہی ہے، وہ بڑی اہم اور قابل قدر اور قابل توجہ ہے، لہٰذا جہاں تک ہو سکے ہم اس کے مطابق اس نیک کام کو انجام دیں، تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نور اس نکاح کے اندر رچ بس جائے اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں اور وہ ہمیں حاصل ہو جائیں۔

سنت سے عمروں کے تناسب کا ثبوت:......تو دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عمر کا تناسب بھی ہونا چاہئے اور اس کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، چنانچہ مذکورہ واقعہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رشتہ پیش کیا، لیکن ان کی عمر زیادہ تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست پیش کی، لیکن ان کی عمر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ تھی، ان کی درخواست بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمائی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ان کی درخواست قبول فرمائی، لہٰذا کس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کا جوڑ اور تناسب دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تناسب دیکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے ہر مومن مرد و عورت کو اس کا خیال رکھنا چاہئے، لیکن جہاں کوئی مجبوری ہو یا کوئی عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

تیسری ہدایت:......تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی بیٹی کے نکاح کرنے کا وعدہ اور ان کی درخواست کس سادگی کے ساتھ قبول فرمائی، نہ خاندان جمع ہوا، نہ برادری آئی، نہ قوم آئی اور نہ کوئی لینا دینا اور کرنا دھرنا ہوا، کس سادگی اور کس اختصار کے ساتھ ذرا سی دیر میں یہ مسئلہ طے ہو گیا۔

منگنی کی حقیقت:......معلوم ہوا کہ منگنی کی حقیقت اصل میں اتنی ہی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے درخواست کرتے ہیں اور لڑکی والے اپنے اطمینان کے بعد درخواست قبول کر لیتے ہیں، بس منگنی تو اس کا نام

ہے، اس حد تک اگر کوئی منگنی کرے تو اس کے اندر کوئی خرچہ ہی نہیں، یہ بات ٹیلی فون اور خط و کتابت سے بھی طے ہوسکتی ہے، اگر دونوں گھرانے قریب ہیں تو آ کر اور بیٹھ کر بھی طے کر سکتے ہیں، اس کے سوا دوسرے لوازمات کچھ بھی نہیں ہیں۔

لیکن ہمارے معاشرے میں اس میں چاروں طرف لوازمات و رسومات کی جو ایک طویل اور مضبوط دیوار حائل ہے اس کو پھلانگنا ہر ایک کا کام نہیں اور نہ ہی ہر ایک کے بس کی بات ہے، اس کا یہاں کوئی نام و نشان ہی نہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے، انہوں نے درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی، بس منگنی ہوگئی۔

لہٰذا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نقش قدم کو اپنے ذہن میں جمائیں اور اس سے ہٹ کر جو کچھ ہم نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور انہیں ضروری قرار دے لیا ہے کہ ان کے بغیر منگنی ہو ہی نہیں سکتی، ان سے ہم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو چھوڑ کر وہ وہ مصیبتیں اور پریشانیاں ہم نے اپنے اوپر بڑھالی ہیں کہ جس کے نتیجے میں منگنی جو انتہائی آسان اور سہل تھی، وہ کس قدر مشکل اور مصیبت بن گئی ہے۔

دو لفظوں میں منگنی اور شادی کی حقیقت:......

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے منگنی اور نکاح کے بارے میں ایک لفظ ایسا ارشاد فرمایا ہے کہ جس میں ہمارے اس دور کی منگنی اور شادی کی ساری حقیقت بیان ہوگئی ہے، مختصر سے دو لفظوں میں حضرت نے سب کچھ بیان کردیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے کی منگنی ''قیامت صغریٰ'' ہے اور شادی ''قیامت کبریٰ'' ہے۔

ہمارے زمانے کی شادی بیاہ اور منگنی کا نقشہ کھینچنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہوسکتا، یہ منگنی قیامت بنی ہوئی ہے، اس میں اتنی رسمیں اور خرافات اور اس قدر نمود و نمائش اور پھر ان سے بڑھ کر بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب اور طرح طرح کی پابندیاں اور لوازمات پائے جاتے ہیں کہ نماز و روزہ سے بڑھ کر وہ ضروری ہیں، کوئی نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، حج نہ کرے، زکوٰۃ نہ دے، کوئی پوچھنے والا نہیں، لیکن اگر منگنی کی ان رسموں کو انجام نہ دیا جائے اور ان کی خانہ پوری نہ کی جائے تو جناب لعن و طعن کی بارش شروع ہوجاتی ہے، طعن و تشنیع سے آدمی کا جینا دوبھر کردیا جاتا ہے، یہ ایک ایسی مصیبت ہم نے بنالی کہ واقعی جیسے حضرت نے فرمایا کہ قیامتِ صغریٰ ہے، یہ بات حقیقت ہے، اس کے مقابلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ سلم نے کس طرح آسانی اور سادگی سے اپنی چہیتی کی منگنی فرمائی، یہ بھی ہم دیکھ لیں۔

نکاح کا پیغام کون دے؟:...... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کا پیغام لڑکے والوں کو دینا مناسب ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں کو پیغام دیں اور لڑکی والے اس کو قبول کریں اور اس کے برعکس بھی جائزہ ہے کہ لڑکی والے لڑکے والوں کو پیغام دیں، مگر مذکورہ واقعہ میں طریقہ دیکھئے کہ حضرت علیؓ خود درخواست لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آرہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی درخواست قبول فرمارہے ہیں، کرنے والے کون ہیں؟ کس کا نکاح ہورہا ہے؟ کس سے ہورہا ہے؟ یہ سب دیکھتے چلے جائیں، یہ ہیں ہمارے رہبر اور رہنما اور یہی ہمارے اصل طریقے ہیں جس میں دنیا و آخرت کی نجات ہے، اس لئے اسی طریقہ کو اختیار کریں اور اس سے ہٹ کر آج کل ہم جو کچھ کررہے ہیں، اس سے اپنے آپ کو بچائیں، خصوصاً جو حرام اور ناجائز کام اور ناجائز اور خلاف شرع رسمیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں، ان سے اپنے آپ کو ضرور ہی بچانے کی کوشش کریں۔

......(جاری ہے)......

انبیاء کے دیس میں

قسط نمبر:8

بنت حضرت مولانا عبدالمجیدؒ

دنیا کی زندگی ایک سفر ہے، ہر انسان اپنے اپنے سفر پر رواں دواں ہے، اس سفری زندگی میں چھوٹے بڑے سفر ہوتے رہتے ہیں، جو انسان کو بہت کچھ سکھا جاتے ہیں اور اس کے ذہن میں انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ ذیل میں ''حیا'' کی مشہور رائٹر بنت عبدالمجید صاحبہ کا سفرنامہ پیش ہے، جو دلچسپ معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

دور دور سے طواف کرتے ہوئے نگاہیں جھکا کر ہم نے سات چکر مکمل کئے، پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کئے، جیسے جیسے رات ہوتی جارہی تھی، مطاف میں رش بھی بڑھتا جارہا تھا، مختلف اقوام، مختلف قبائل، علاقوں، ملکوں اور مختلف رنگ و زبان اور نسلوں کے لوگوں کو کون سی چیز تھی، جو یہاں کشاں کشاں کھینچ لائی، یہ منظر وحدت ملی کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے لگا کہ مسلمان کسی ایک خطے یا ایک قوم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ایک ہی ذات کی کبریائی کے قائل، ایک ہی کتاب اور ایک ہی نبی کی درس گاہ سے تعلیم پانے والے وہ افراد ہیں، جو بتان رنگ و بو توڑنے کے بعد وجود میں آئے اور ایسی وحدت کی مثال قائم کی، جس میں جڑنے کے بعد، نہ تورانی باقی رہتا ہے، نہ ایرانی، نہ افغانی، یہ وحدت جب تک برقرار رہی، ہماری تاریخ چمکتی رہی، اسی وحدت کا صدقہ تھا کہ مسلمان کے آگے کہسار دب گئے، فاصلے سمٹ گئے، دریا منجمد ہوئے اور طوفان رکتے رہے، ایک عورت کی پکار پر معتصم بے چین ہوا تھا، لیکن جب اس وحدت کی طنابیں کاٹ دی گئیں تو نہ کوئی معتصم بے تاب ہوا اور نہ ہی کوئی محمد بن قاسم بیدار ہوا، پاکستان کا زخمی وجود نگاہوں کے سامنے لہرا گیا تھا، کیا کیا نہ ہوا، لیکن وحدت ملی کا جذبہ بیدار نہ ہوا، اس خیال کے آتے ہی ہم نے پاکستان کے لئے خوب دعائیں مانگیں، مسمار مساجد، علماء کی شہادت، بلوچستان کی حالت زار، جامعہ حفصہ و لال مسجد کا منظر، سوات و وزیرستان کے شام و سحر، پھر حکمرانوں کی بے حسی......انگ انگ کا درد جاگ اٹھا۔

کس کس کی خدائی کی شکایت کروں یارب!
ہر موڑ پر کچھ لوگ خدا بن کر کھڑے ہیں

کچھ دیر مطاف میں بیٹھے رہے، میرے خیالوں کی تان اس وقت ٹوٹی، جب امی نے اٹھنے کا حکم دیا، برآمدوں سے گزر کر باہر صحن میں آئے، ابو نے کہا کہ میں کھانا لے کر آتا ہوں، تم لوگ ہوٹل پہنچو، ہمارا ہوٹل قریب تھا، پانچ منٹ کا راستہ تھا، حرم سے نکل کر سیدھا سیدھا چلتے ہوئے ہوٹل پہنچ جاتے، باہر نکل کر میں نے کہا: سنا ہے یہاں کی آئس کریم بہت مزے کی ہوتی ہے، امی نے بھائی کو بھیجا

اور بھائی چھ کپ لے آئے، ہوٹل پہنچ کر کھانا وغیرہ کھایا، یہاں کی آئس کریم واقعتاً مزے کی لگی، ایک کپ میں سفید، براؤن، پنک اور گرین فلیور مکس تھے۔

یہاں کی شان ہی الگ ہے، حرم، ہوٹل، طعام اور آرام، نہ فکر نہ غم و آلام! سب کی ٹانگوں میں گلٹیاں بن گئی تھی، لہٰذا کھانا کھاتے ہی سب نے بستروں کی راہ لی۔

محبت استاد:...... پانچ مئی بروز منگل کی آب وتاب اپنے عروج پر تھی، قافلے جوق در جوق گزرتے چلے جارہے تھے، عاشقوں کا منظر عاشقی روح کو تسکین پہنچا رہا تھا، پل پل نے قریب خداوندی میں اضافہ کیا، ایک ہی چوکھٹ تھی، جہاں تسکین و امان کا سامان ہے، کبھی زمزم کی لذت، کبھی حرم کی رحمت، ہر نماز کے بعد طواف کرنے چلے جاتے، دل چاہتا تھا کہ اسی در کے ہو رہیں، مجھے یہاں سری نمازوں سے زیادہ جہری نمازوں میں مزہ آتا، انتظار رہتا کہ کب جہری نماز کا وقت آئے گا، امام کی دل سوز قرأت کانوں میں رس گھولتی، بقول شاعر:

شراب عشق کو مسجد میں جا کے پیتا ہوں
رکوع میں بچتی ہے سجدہ میں جا کے پیتا ہوں

عشاء کے بعد جب ہم باہر نکلے تو بھائی، جو ابھی اندر ہی تھے، ان کے انتظار میں صحن میں بیٹھ گئے، اسی اثناء میں کراچی سے ابو کے دوست مولانا عبداللہ صاحب کا فون آیا، جنہوں نے اطلاع دی کہ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے مسافر راہ عدم ہوگئے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' ہمارے دل کو ایک دھچکا لگا، سرزمین پاکستان ایک آفتاب علم ونور سے محروم ہوگئی، ابو جی کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، کیونکہ ابو نے حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے ۱۹۸۰ء میں دورہ تفسیر کیا، اسی شرف تلمذ کی بناء پر ابو کو ان سے گہری عقیدت تھی، پھر ابو نے اسی شب ارادہ کیا کہ کل اپنے استاد مرحوم کے لئے عمرہ ادا کریں گے۔

چھ مئی بروز بدھ کو ظہر کی نماز ادا کر کے ابو نے اور بھائیوں نے احرام باندھا، حرم کے سامنے ہی سے بس مسجد تنعیم جاتی ہے جہاں سے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں اور نیت کرتے ہیں، اسے مسجد عائشہ رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے، یہ مسجد مدینہ روڈ پر واقع ہے، ہم بس کے ذریعے مسجد عائشہ تک گئے، گرمی اتنی شدید تھی کہ جسم جھلس رہا تھا، بار بار ٹھنڈا پانی پی کر بھی قرار نہیں آرہا تھا، 20 منٹ بعد ہم مسجد عائشہ پہنچے، یہاں بھی زائرین کا رش تھا، یہ مسجد بھی نہایت کشادہ اور خوبصورت ہے، مسجد کے حصے سے کچھ دور وضو خانہ ہے، میں تو بے تاب ہو کر بھاگی کہ جا کر وضو کروں، شاید کچھ سکون مل جائے، لیکن جب نل کھولا تو اس میں سے بھی گرم پانی آرہا تھا، جائے نماز کے لئے مسجد کے احاطے میں جانے لگے تو ایک کونے میں پانی کے نل نظر آئے، جو پینے کا پانی تھا اور ٹھنڈے پانی کی مشینیں لگی تھی، میں نے اور امی نے پینے کے پانی سے منہ دھویا تو سکون ملا، میں نے بوتل میں پانی بھر کر سر پر انڈیلا اور اپنا دوپٹہ گیلا کر کے اوڑھا، جس سے بہت سکون اور ٹھنڈک ملی، یہاں دو رکعت طواف کے نفل ادا کئے، پھر باہر نکل کر گاڑی تلاش کرنے کے لئے ہم درختوں کے سائے میں کھڑے ہوگئے دھوپ اتنی تیز تھی کہ جو دوپٹہ میں نے اندر پانی سے تربتر کیا تھا، وہ باہر نکل کر یکدم خشک ہوگیا، ایک گاڑی آئی، لیکن اس میں ایئر کنڈیشن نہیں تھا، اللہ جزائے خیر دے، ابو نے ہماری وجہ سے ایئر کنڈیشن گاڑی بک کروائی اور ہم حرم تک پہنچے۔

نماز عصر میں کچھ وقت باقی تھا، اس لئے ابو قریبی سوق بن داؤد سے سینڈوچ لے آئے، یقین مانیں، جیسے ہم صحن حرم میں اترے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھی، جبکہ باہر اتنی گرمی تھی اور یہاں لوگ بے فکری سے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، عصر کی نماز کے بعد ہم نے طواف کیا، ابو نے کہا کہ سعی مغرب کے بعد کریں گے، اس لئے ہم ترکی برآمدے میں چلے گئے، نماز کے بعد ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک چھت سے چھوٹا کبوتر کا بچہ گرا، بالکل چھوٹا سا تھا، جو ابھی اڑنا بھی نہیں جانتا تھا، چھت پر کسی کبوتر نے گھونسلا بنایا ہوا تھا اور یہ اسی سے گرا تھا، ہم نے اس سے تھوڑی دیر کھیلا، آخر کو حرم کا کبوتر تھا، پھر اسے کونے میں جہاں تعمیری کام ہو رہا تھا اور چند کبوتر بھی تھے، وہاں چھوڑ دیا اور خود سعی کرنے چلے گئے، جب ہمارا آخری چکر تھا تو حرم کی فضاؤں میں اذان گونجنے لگی، چکر پورا کیا، ابھی ہم مروہ پر ہی تھے کہ جماعت کھڑی ہوگئی اور لوگ جہاں تھے، وہیں صفیں بن گئیں، اقامت کی، اللہ اکبر ہوئی اور دوڑتے قدموں کو یکدم بریک لگ گئی، ہم نے مروہ پر نماز ادا کی، اس کے بعد یہ قافلہ آبلہ پا ہوٹل کی سمت رواں دواں ہوگیا، جیسے جیسے لمحے بیت رہے تھے، ہمیں واپس لوٹنے کا خیال تڑپا رہا تھا اور یہاں کا صحیح حق نہ ادا ہونے پر شرمساری کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

7 مئی بروز جمعرات کو حرم کی رونق اور بڑھ گئی تھی، جمعرات اور جمعے کو یہاں کے مدارس، اسکولوں اور سرکاری اداروں کی چھٹی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ان دنوں میں حرم میں رش بڑھ جاتا ہے، جمعے کی دوپہر کو ہماری مدینہ روانگی تھی، ابو کی تمنا تھی کہ ایک احرام مسجد جعرانہ سے باندھا جائے، لہٰذا طے ہوا کہ رات کو مسجد جعرانہ جایا جائے، ہماری شام و سحر حرم میں گزرتی، عشاء کی نماز کے بعد فندق جا کر احرام باندھا، ابو نے قیمے والے پراٹھے خرید لئے کہ یہ کھا کر گزارا کر لیں، کیونکہ کھانا کھانے کا ٹائم نہیں تھا، پھر ہم ٹیکسی کروا کر مسجد جعرانہ روانہ ہوئے۔

مسجد جعرانہ:...... یہ مسجد طائف کے راستے میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ۸ ہجری میں غزوۂ حنین کے بعد یہاں سے احرام باندھا تھا، ہم مکہ کی حسین شاہراہوں پر سے تیز رفتاری کے ساتھ پونے گھنٹے میں مسجد جعرانہ پہنچے، یہاں سے سیدھی سڑک طائف تک جاتی ہے، ڈرائیور نے بتایا کہ طائف سرسبز و شاداب علاقہ ہے، سڑکوں پر سناٹا تھا، اکا دکا گاڑیاں ہی چل رہی تھی، مسجد جعرانہ سفید رنگ کی خوبصورت مسجد ہے، جو تھوڑی سی بلندی پر بنائی گئی ہے، مسجد میں کوئی ایک فرد بھی نہیں تھا، سوائے ایک چوکیدار کے، جو گیٹ پر بیٹھا تھا، اس کے علاوہ کوئی نہ تھا، خواتین کے لئے الگ جگہ بنائی گئی ہے، مسجد میں سبز رنگ کی قالین بچھی ہوئی ہے، ہم نے یہاں عمرہ کے نفل ادا کئے، پھر دوبارہ سے ہمارا سفر حرم کی طرف ہوگیا، ایک بجے ہم حرم کی پر رونق فضاؤں میں تھے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے مطاف میں اتر گئے، پونے دو بجے کے قریب طواف شروع کیا، ایسا لگ رہا تھا، جیسے حج کے ایام ہوں، پورے مطاف میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ میرے ذہن و دماغ میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے یہ اشعار گونجنے لگے۔

سرگشتہ و درماندا، بے ہمت و ناکارہ
وارفتہ و سرگردان، بے مایہ و بے چارہ
شیطان کا ستم خوردہ، اس نفس کا دکھیارہ
ہر سمت سے غفلت کا چھائے ہوئے اندھیارہ
آج اپنی خطاؤں کا لادے ہوئے پشتارہ
دربار میں حاضر ہے اک بندہ آوارہ
آیا ہوں تیرے در پہ خاموش نوا لے کر
نیکی سے تہی دامن انبار خطا لے کر
لیکن تیری چوکھٹ سے امید سخا لے کر
اعمال کی ظلمت میں توبہ کی ضیا لے کر
سینے میں تلاطم ہے دل شرم سے صد پارہ
دربار میں حاضر ہے اک بندہ آوارہ

یہی تو وہ چوکھٹ ہے، جہاں فلک سے رحم لانے اور بخشش پانے کے لئے والہانہ نالے اٹھتے ہیں، من میں اپنے کرتوتوں، شیطان کے چرکوں، نفس کے زخموں کی کسک کا احساس تازہ ہوگیا، دل میں جھوٹے خداؤں سے توقعات کی حماقتوں، زمانے کی بے وفائیوں کا، راہ حق کی صعوبتوں، منزل کی دشواریوں اور زندگی کی شکایتوں کا درد درد جاگ اٹھا، جذبات کے تلاطم میں لڑکھڑاتی زبان ربی ربی سے آگے بڑھنے نہیں پائی،

احساسات کا ریلہ لفظوں کی شکل اختیار کرنے کی بجائے ہچکیوں کا رخ اختیار کر گیا اور سرکشی کی منہ زور موجیں شکستگی کے ساحل سے ٹکرا کر فنا ہونے کو تھیں۔

میں دعا مانگتی ہوں تجھ سے لذت دعا کے لئے
ورنہ خبر میری مجھ سے بہتر ہے تجھے

مقام ابراہیم پر نوافل ادا کرنے کے بعد زمزم کی طرف گئے، زمزم پیا اور اس سے ہاتھ منہ دھویا، اب سب کے سامنے برقعہ اوپر کر کے پاؤں دھونا مشکل تھا، لہٰذا میں نلوں کے قریب گئی، یہاں نیچے بہت سارا زمزم گرا ہوا تھا، اس میں جا کر کھڑی ہوگئی، اس لئے پاؤں اور برقعے کا دامن بھیگ گیا، لیکن اس پر امی نے مجھے زبردست ڈانٹ پلائی، لیکن ہم بھی مجبور تھے، زمزم کے شوق نے ہمیں بھیگنے پر مجبور کیا، اب ہم سعی کے لئے شعائر اللہ صفا و مروہ کی طرف گئے، سعی کے چکر ابھی پورے ہونے والے تھے کہ تہجد کی اذان شروع ہوگئی، سعی کے دوران قافلے والوں کو با آواز بلند ان کا امیر، معلم دعائیں پڑھواتا ہے، جس کی وجہ سے صفا و مروہ کی درمیانی جگہ گونج رہی ہوتی ہے، لیکن جیسے ہی اذان ہوئی، سب کی زبانوں پر گویا قفل لگ گئے، مکمل سکوت میں اللہ کی وحدانت کی صدا دل کے در و دیوار ہلا رہی تھی۔

فجر کی اذان سے کچھ وقت پہلے ہماری سعی بحمد اللہ مکمل ہوگئی، ہم یہاں دعا کر کے نکلے، حرم میں جمعہ کی صبح کی وجہ سے انتہائی رش تھا، اسی وجہ سے مردوں کے برآمدوں کے پیچھے تہہ خانے بنائے گئے ہیں، جسے عام اوقات میں قفل بند رکھا جاتا ہے، انتہائی ازدہام کے اوقات میں کھولا جاتا ہے، تمام مقامات کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے، لہٰذا ہم نچلے تہہ خانے میں نماز پڑھنے چلے گئے، یہاں ایئر کنڈیشن نہیں تھا بلکہ چھت پر پنکھے لگے ہوئے تھے:

آ گیا جب لڑائی میں عین وقت نماز
کھڑے ہو گئے ایک ہی صف میں محمود و ایاز

نماز فجر کے کچھ دیر بعد تک ہم ذکر و اذکار میں مشغول رہے، پھر اشراق کی نماز کے بعد اپنے فندق کی راہ لی، ناشتے میں ابو نے راستے سے حلوہ پوری خرید لی تھی اور نبیذ شعیر کی بوتلیں خریدی، عبدالواحد نے حلیب الفراولہ خریدا اور ہوٹل پہنچ کر ناشتہ کیا، حلق ابو اور بھائی نے خود ہی کیا اور پوری رات جاگنے کی وجہ سے نیند کا غلبہ تھا، سب کی آنکھیں خمار آلود تھی، لہٰذا بستروں کو اپنا مسکن بنایا اور میٹھی میٹھی نیند سو گئے۔

10 بجے ابو نے بڑی مشکل سے جگایا، ہم مکمل مدہوش تھے، کبھی امی اٹھاتی اور کبھی ابو جگاتے، آخر جب تک ابو نے اچھی طرح ہمیں ڈانٹ نہ لیا، ہم سے آنکھیں بھی نہ کھلی، اس وقت ہم سوچتے کہ والدین کتنی بڑی نعمت ہیں، آخر کو یہ تو ہم سے بھی زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے، لیکن وقت مقررہ پر جاگ کر ہمیں بار بار جگانے آ رہے ہیں، گھر میں اگر کسی کو چار سے پانچ مرتبہ جگانا پڑے تو مجھے اتنا غصہ آ جاتا ہے کہ ڈھیٹ کی آنکھ نہیں کھل رہی اور یہاں امی ابو اتنی شفقت سے بار بار جگا رہے ہیں اور جو ڈانٹ پڑ رہی ہے، اس میں بھی شفقت پوشیدہ ہے۔

جمعہ کی وجہ سے سڑکیں اور صحن حرم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، قدم سے قدم ملا کر لوگ دھیرے دھیرے چل رہے تھے، اللہ اکبر! کتنی جبینیں بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہونے کو بے تاب ہیں، ہم اس ازدہام میں حرم پہنچے، جدھر نظر اٹھاؤ، سر ہی سر تھے، ایک انچ جگہ بھی خالی نہیں تھی، نچلی منزل مکمل تھی، لہٰذا ہمیں بالائی منزل پر جانا پڑا، یہاں کچھ مصلے خالی تھے، لیکن نماز تک کوئی جگہ بھی باقی نہیں بچی تھی، ایک گھنٹے تک ہم تلاوت کرتے رہے، پھر جمعہ کی اذان ہوگئی، تقریر جمعہ میں امام حرم کی آواز دل کے پردوں کو چیر رہی تھی، وہ بار بار امہ مسلمہ کو مخاطب فرماتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

اتقوا اللہ! کونوا عباد اللہ اخواناً ......امت مسلمہ کو انہوں نے نہایت فصیح بلیغ اور مدلل انداز میں پکارا

اور وحدت کا درس دیا، بالحقیقت دور حاضر میں ضرورت بھی اسی امر کی ہے کہ امت مسلمہ و اعتصمو بحبل اللہ جمیعاً پر عمل پیرا ہو جائے، اس کے بعد خطبہ جمعہ اور جمعہ ہوا اور پھر ہم نے جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد ہم سورۃ الکہف پڑھنے میں مشغول ہوگئے، جب کہ ایک ہجوم تھا جو ہمیں آتا جاتا نظر آ رہا تھا، جب مجمع کی شدت میں کچھ کمی ہوئی تو ابو نے ہمیں بلایا کہ اب ہوٹل چلنا چاہئے، کیونکہ ہمارا سامان بکھرا ہوا تھا اور ہمیں پیکنگ کرنی تھی، اتنا رش تھا کہ چیونٹی کی چال چلتے چلتے بڑی مشکل سے آدھے گھنٹے بعد ہوٹل پہنچے، کچھ دیر بعد ابو بھی کھانا لے آئے، اس کے بعد ہم نے سب سامان پیک کیا اور عصر سے کچھ دیر قبل سامان سمیت نیچے اترے اور سامان ہوٹل سے کاؤنٹر پر رکھوا کر عصر کی نماز کے لئے حرم شریف گئے، نماز کے بعد ہوٹل لوٹے اور اپنے سامان لے کر حرم کے باب الملک فہد کی طرف گئے، اسی طرف سے بس اور گاڑیاں روانہ ہوتی ہیں، سیٹیں ابو نے پہلے ہی بک کروا رکھی تھیں، جب ہم بس میں بیٹھ گئے تو بس چلنے میں ایک گھنٹہ لگا۔

دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی راہی:......اب ہمارا سفر دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شروع ہو چکا تھا، دل مضطرب پرندے کی مانند تھا، اگر اڑ کر پہنچ سکتے تو پرواز کر لیتے، لیکن صبر سے ہی دنیا قائم ہے، عرب کے ریگزاروں، پہاڑوں سے ہوتے ہوئے ہمارا مبارک سفر وسیلہ ظفر جاری تھا۔

رسول خدا کا دیار اللہ اللہ
مدینے کی دلکش بہار اللہ اللہ
دیار نبی پر تصدق دل و جان
ہیں صد رشک گل اس کے خار اللہ اللہ
یہی آرزو ہے یہی ہے تمنا
کہ ہو میرے دل کی پکار اللہ
تمنا میں تیری بسر ہو رہے ہیں
تمنا کے لیل و نہار اللہ اللہ

بس نہایت تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی، دل بے تاب اور آنکھیں نمناک تھیں، مغرب کی نماز کے لئے بس چھوٹی سے مسجد کے قریب رک گئی اور ڈرائیور نے عشرین دقائق (20 منٹ) کا با آواز بلند نعرہ لگایا، راستے کی اس مسجد کا پانی حد درجہ نمکین تھا، کلی کرتے وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے نمک منہ میں انڈیل دیا گیا ہو۔

بیس منٹ بعد ڈرائیور نے ہارن پہ ہارن بجانا شروع کر دیا، نماز کی ادائیگی سے فراغت پا کر ہم دوبارہ بس میں سوار ہوئے، سفر عقیدت ایک بار پھر جاری تھا اور زبان پر صل علیٰ کی صدائیں بازگشت کرتی رہیں، عشاء کی نماز کے لئے بس ایک اور مسجد کے سامنے رکی، مسجد کے اردگرد ریگستان تھا اور کچھ فاصلے پر ایک بیکری تھی، مسجد میں ہم نے نماز ادا کی اور اس کے بعد بیکری سے کیک پیس بسکٹ اور چپس کے پیکٹ خرید کر لے آئے اور بس میں ہی کھاتے رہے، کیونکہ یہاں کھانے کا ہوٹل نہیں تھا اور نہ ہی کھانے کی اتنی طلب تھی، ہمیں تو بس مدینہ پہنچنے کی جلدی تھی، ہم سے اگلی سیٹ پر عرب فیملی تھی، ان کے چھوٹے بچے نہایت خوش اخلاق تھے اور عربی زبان میں ہم سے بات چیت کرتے رہے، ایک بچہ جس کا نام ”محمد“ تھا، وہ تو اتنے پر اعتماد طریقے سے مشغول کلام تھا کہ ہم اس سے متاثر ہوئے، والد صاحب سے عجیب و غریب اور بڑے پن کے ساتھ سوالات کرتا رہا، کبھی ابو کو جوس کی بوتل لا کر دیتا اور کبھی چاکلیٹ، سیب، مسواک وغیرہ ہدایہ دیتا رہا، حالانکہ اس کی عمر پانچ یا چھ برس ہی تھی، وہ کم عمر بچہ ابو کی شفقت سے اس قدر متاثر ہوا کہ ابو کے ساتھ بیٹھ گیا اور ابو کے ہاتھ چومنے لگا۔

مدینۃ الرسولؐ کے اسماء مقدسہ:......گاڑی شہر مدینہ کے جوار میں پہنچ گئی تو ابو نے ہمیں چستی اور نشاط کرنے کا حکم دیا، اب ہم اچک اچک کر باہر جھانکتے کہ کہیں سے کوئی مینار

وگنبد نظر آئے، جس سے دل کو تسکین ہو۔

چیک پوسٹ سے گزرتے ہی مدینہ کی رونقیں نظر آنے لگی، کشادہ سڑکیں، اونچی اونچی قطار در قطار روشنیاں اور گھنے درختوں کے جھنڈ نہایت دلکش معلوم ہو رہے تھے، ہم سب کا مقابلہ تھا کہ کون پہلے مسجد نبوی کے مینار دیکھے گا، کیونکہ بس تو بہت دور ہوتی ہے اور مینار اپنی بلندی کی وجہ سے دور سے ہی نمایاں ہوتے ہیں، جو سب سے پہلے دیکھے گا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت کرتا ہوگا۔ (یہ کوئی مستند قول نہیں، بلکہ ہم نے ابھارنے کے لئے یہ فقرہ کہا تھا) اس لالچ کے بعد سب کے سر بلند ہوئے اور نگاہیں چار اطراف طواف کرنے لگیں۔

وہ رہا مینار! عبدالماجد بھائی نے آواز سے کہا، کہاں ہے کہاں؟؟ وہ رہا رہا!!! بھائی فرط مسرت سے جگمگانے لگے کہ انہوں نے مینار کی تعیین کی ہے۔

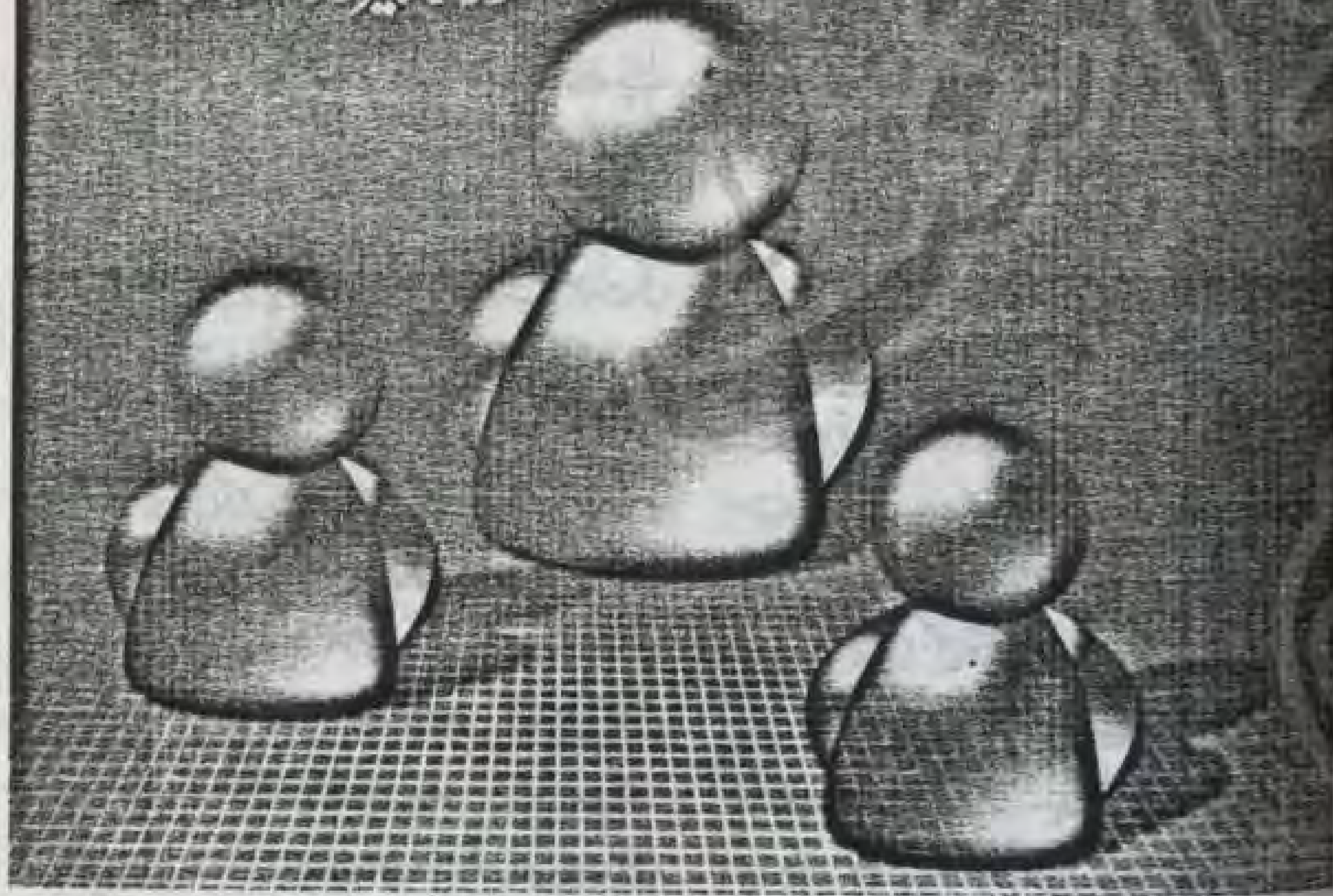
اب دل بے قرار و پر اضطرار، مضطرب و مضمحل تھا، بالآخر چھ گھنٹے کی طویل مسافت کے بعد بس اپنی منزل مقصود پر پہنچی، اپنا سامان سمیٹ کر ہم کھڑے تھے کہ ایک گاڑی ابو نے کروالی اور اس کے ذریعے مدینہ کے قریب میں ہوٹل "اسور قرطاج" کے سامنے پہنچے، یہاں کچھ دیر ویٹنگ روم میں انتظار کرنا پڑا اور ابو نے کاؤنٹر پر تمام معاملات طے کئے، یہاں ہمیں دو کمرے چھٹی منزل پر دیئے گئے، لیکن دونوں کمروں میں قدرے فاصلہ تھا، دونوں مخالف سمت میں تھے، ایک سے دوسرے کمرے میں جانے کے لئے پوری راہداری سے گزرنا پڑ رہا تھا، والد صاحب نے کہا کہ ہماری فیملی ہے، لہٰذا ہمیں متصل کمرے چاہئے، فی الوقت کوئی کمرہ خالی نہ تھا، ایک دن کے بعد ہمیں کمرے تبدیل کر کے دینے کا وعدہ کیا گیا، یہ کمرے قدرے کشادہ اور نظافت و قرینے سے مزین تھے، سچ تو یہ ہے کہ شہر نبی کی ہر چیز ہی پیاری اور آئینہ جمال ہے، تین افراد ایک کمرے میں اور بقیہ تین افراد دوسرے کمرے میں چلے گئے، ہم بچے مصر کے واقعے سے سہمے ہوئے تھے، اس لئے بار بار اٹھ کر لاک چیک کرتے کہ کہیں دروازہ بند ہی تو نہیں ہو گیا، یا کھلے گا بھی، اسی خطرے کے پیش نظر ضروری سامان وغیرہ بھی اپنے کمرے میں رکھا، رات نہایت پر سکون گزری اور نیند بھی میٹھی میٹھی سی آئی، ہفتے کی صبح ہر چیز نکھری اور کھلی کھلی محسوس ہوئی، دھیرے دھیرے بے تاب قدم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ کی جانب اٹھ رہے تھے، دل میں شوق اور امنگوں کی طغیانی اور محبت کا سیل رواں نم آنکھوں سے بہہ رہا تھا۔

ہمارا رہائشی ہوٹل باب عبدالسلام کے قریب تھا، بلکہ اس سے پہلے ہی ہوٹل پڑتا تھا، نہایت قریب فوراً پہنچ جاتے، ہمارے کھڑکی سے صحن حرم بھی صاف نظر آتا تھا، مسجد کے صحن میں اب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھتریاں لگا دی گئی ہیں، جس سے فرش سورج کی تمازت وحدت سے محفوظ رہتا ہے اور زائرین حضرات کو بھی سہولت رہتی ہے، لمبا راستہ عبور کر کے ہم مسجد کے اندرونی باب عبدالمجید تک پہنچے، اس دروازے کا اندرونی حصہ خواتین کے لئے مخصوص ہے اور اس کے سامنے ہی کشادہ صحن چاروں طرف سیمنٹ کی دیواریں لگا کر بنایا گیا ہے اور اس کے پاس ہی چھوٹے سے لکڑی کے کیبنٹ میں شرطی حضرات نگرانی کے لئے جلوہ افروز رہتے ہیں اور لحہ بھر بھی اپنی ذمہ داری سے غفلت نہیں برتتے، اندرونی احاطے کے ہر دروازے پر بھی دو برقعہ پوش نگران خواتین مستعد رہتی ہیں اور ہر داخل ہونے والی خاتون کی نہایت سرعت و ہوشیاری سے چیکنگ کر کے اندر جانے کا اذن دیتی ہیں، ہم نے اپنے ہینڈ بیگ کی چیکنگ کروائی اور ہمیں اذن دخول مل گیا۔ ماربل کا ٹھنڈا فرش اور اے سی کی ٹھنڈک نے ماحول کو لطیف سا بنا دیا تھا، سرخ نرم غالیچے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹھنڈے زمزم کے کولروں کی لمبی لمبی قطاریں لگیں تھیں، قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

..................(جاری ہے)..................

چھ چیزوں کی زینت

مولانا پیر ذوالفقار احمد



معیار کی اہمیت:...... آج کل کی انتہائی جدید سائنسی دنیا میں ہر پڑھا لکھا شخص معیار کو پرکھنے والا بن گیا ہے، ہر چیز میں اس کو کوالٹی چاہئے، لباس میں کوالٹی، جوتوں میں کوالٹی، گھر بنیتو اس کے ہر ساز و سامان میں کوالٹی، غرض یہ کہ ہر چیز میں لوگ کوالٹی کا خیال رکھتے ہیں، اچھی کوالٹی والی چیز کو زیادہ قیمت دے کر خریدتے

ہیں، چنانچہ جو فیکٹریوں والے لوگ ہیں، وہ اپنے منیجر کو کہتے ہیں کہ ہمیں عمدہ معیار کی چیز چاہئے اور اس کے لئے انہوں نے "چیز کے معیار کو پرکھنے والا ادارہ" کے نام سے ادارے بنادیئے، تو اب سوچئے کہ ہمیں اگر چند ٹکوں کے عوض میں کوئی چیز خریدنی ہو تو ہم کوالٹی مانگتے ہیں، اسی طرح اللہ رب العزت، جس نے اپنی رضا اور اپنی جنت کو بندے کو دینا ہے تو وہ بھی اس کے بدلے میں عمل کی کوالٹی مانگتے ہیں۔ "خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا" "موت اور زندگی کو پیدا اس لئے کیا تاکہ آزمائیں تم میں سے کون بہترین کوالٹی کا عمل کرتا ہے، تو ایک ہے عمل کرنا، یہ تو ضروری ہے ہی اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ بہترین عمل کرنا، یہ بھی مطلوب ہے، تو (اب سوال یہ ہے کہ) ہم اپنے اعمال کی کوالٹی کو کیسے بڑھائیں؟ تو اس سے متعلق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قوال منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ چیزوں کی زینت کو چھ اعمال میں رکھا ہے۔

نعمت کی زینت شکر ادا کرنا:...... سب سے پہلے ہے نعمت کہ اللہ تعالیٰ نے نعمت کی زینت کو شکر ادا کرنے میں رکھا ہے، جس شخص نے نعمت کا شکر ادا کرلیا اس نے اپنے عمل کو مزین کرلیا، ہمارے اوپر اللہ رب العزت کی بے انتہا نعمتیں ہیں۔ "وان تعدو انعمۃ اللہ لاتحصوھا" "اگر تم اللہ رب العزت کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم گن ہی نہیں سکتے، اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ انسان کے اندر اس کے دماغ سے جو پیغامات (جس رگ کے ذریعے) اس کے سب اعضاء میں جاتے ہیں، اس وائرنگ Nerves کہتے ہیں، اتنی (کثیر مقدار میں) Nerves ایک بندے کے اندر استعمال ہوئی ہے کہ بک آف میڈیسن میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر بندے کی ایک نس کو دوسرے سے جدا کرکے سب کو آپس میں گرہ لگا کر باندھیں تو یہ اتنی لمبی ہوں گی کہ دو مرتبہ چاند کے گرد چکر لگا سکتا ہے، یعنی اتنی Nerves ایک بندے میں استعمال ہوئی ہیں کہ پوری دنیا کا دو مرتبہ چکر لگ سکتا ہے، تو ہمیں اللہ رب العزت کی نعمتوں کا احساس ہی نہیں کہ اللہ رب العزت کی ہم پر کتنی نعمتیں ہیں۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا واقعہ:...... ہمارے ہاں بیرون ملک سے ایک ڈاکٹر صاحب آئے، ہم نے انہیں کھانا کھلایا، تھوڑی دیر بات چیت ہوئی، پھر ہم نے کہا کہ بستر لگا ہوا ہے، آپ آرام کیجئے، وہ بستر کے اوپر دیوار کے ساتھ اوٹ (ٹیک) لگا کر بیٹھ گئے، ہم نے سوچا کہ چند معمولات کریں گے، اس کے بعد سو جائیں گے، جب صبح تہجد کے وقت آکر دیکھا تو وہ اسی طرح بیٹھے سو رہے تھے، تو پوچھا کہ آپ لیٹے نہیں؟ تو وہ کہنے لگے کہ مجھے ایک بیماری ہے، جس کی وجہ سے میں لیٹ کر سو نہیں سکتا، انسان جب کھانا کھاتا ہے تو کھانے والی کی نالی کے اندر ایک Non Retum Valve لگا ہوتا ہے جو کھانے کو اندر تو جانے دیتا ہے لیکن باہر نہیں نکلنے دیتا، اسی وجہ سے اگر کوئی انسان کھانے کے بعد سر کے بل الٹا کھڑا ہوجائے تو کھانا منہ سے باہر نہیں نکلتا، تو ان ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میری وہ طاقت (Valve) کمزور ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے میں اگر کھانا کھانے کے بعد لیٹ جاؤں تو Valve پیٹ میں ہوتا ہے وہ منہ کے راستے باہر آجاتا ہے، پچھلے سات سال سے میں لیٹ کر سونے کی نعمت سے محروم ہوں، ان کی اس بات سے پہلے ہم سونے کو تو نعمت سمجھتے تھے لیکن (یہ اب پتہ چلا کہ) لیٹ کر سونا بھی تو ایک نعمت ہے، پھر ہم نے تحقیق شروع کی تو پتہ چلا کہ کتنے جانور ایسے ہیں جو لیٹ کر نہیں ہوسکتے، زرافہ ایک جانور ہے، جس کا اونٹ کی طرح اونچا سا قد ہوتا ہے، اس کے سونے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ درخت کے کسی تنے کے اوپر اپنا سر رکھ دیتا ہے اور کھڑے کھڑے سو جاتا ہے، تو لیٹ کر سونا یہ بھی تو ایک نعمت ہے، ہمیں اس نعمت کا بھی ادراک نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جاسکتا:...... تو سچی بات یہ ہے کہ آسمان کے ستاروں کو گنا جاسکتا ہے، زمین کے ذرات کو گنا جاسکتا ہے، ساری دنیا کے سمندروں کے پانی کے قطروں کو تو گنا جاسکتا ہے، لیکن اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گنا نہیں جاسکتا، اس لئے کہ پروردگار عالم نے خود فرمادیا۔ "وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا" اتنی نعمتیں ہیں کہ تم ان کو گن بھی نہیں سکتے، تو ان گنت نعمتیں اللہ رب العزت نے عطا فرمائیں تو حق بنتا ہے کہ ہم ان نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

نعمتوں کا شکر کیا ہے؟:...... سوال یہ ہے کہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا کیا ہوتا ہے؟ تو نعمتوں کا شکر ادا کرنا، ایک تو یہ ہے کہ انسان زبان سے اللہ رب العزت کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، آج اگر کوئی بندہ کسی کو پیپسی کی بوتل پیش کرے تو اس کو بھی شکریہ کہہ دیتے ہیں اور جس پروردگار نے پیدا کیا، جس پروردگار نے دستر خوان پر اتنی نعمتیں بخشیں (ادھر حال یہ ہے کہ) پورا کھانا کھالیتے ہیں لیکن کھانے کی دعا ہمیں یاد نہیں رہتی، تو سوچنے کی بات ہے کہ ہم نے اللہ رب العزت کا کیا شکر ادا کیا؟ تو ایک ہے زبان سے اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا، الحمدللہ جس نے کہہ دیا گویا اس نے نعمت کا شکر ادا کردیا، لیکن دیکھا یہ ہے کہ زبان سے بھی تعریف کرنا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ ایک صاحب کو ہم جانتے ہیں، ان کو اللہ نے اتنا اچھا کاروبار دیا کہ اگر وہ اپنے علاوہ چالیس گھرانوں کو سنبھالنا چاہیں تو آسانی کے ساتھ سنبھال سکتے ہیں، تو اتنا کھلا رزق اللہ نے انہیں دیا، ایک موقع پر ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ کام کیسا چل رہا ہے؟ تو کہنے لگے کہ "بس گزارہ ہے" سن کر اتنی حیرت ہوئی کہ یا اللہ! جس شخص کا رزق اتنا کھلا کہ چالیس فیملیز کو سپورٹ کرسکتا ہے، کیوں اس کی زبان سے تعریف ادا نہیں ہوتی؟ حق تو یہ بنتا تھا کہ وہ یوں کہہ دے کہ میں اپنے اللہ پر قربان جاؤں، اس نے مجھے میری اوقات سے بہت بڑھ کر عطا کیا ہے، میں تو ساری زندگی سجدے میں سر رکھ کر پڑا رہوں، تو بھی اپنے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرسکتا، مگر ایسے الفاظ کہنا ذرا مشکل ہوتے ہیں، ہمیں چاہئے کہ ہمارے سامنے جب اللہ رب العزت کا تذکرہ ہو تو خوب تعریف کریں، ماں بیٹے کی تعریف کرتے نہیں تھکتی، بیوی خاوند کی تعریف کرتے نہیں تھکتی تو ہم اللہ رب العزت کی تعریف کرتے ہوئے کیوں تھک جاتے ہیں؟ عام طور پر دیکھا کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ کوئی اچھا کام ہو تو اس کا ذمہ دار خود کو بناتا ہے اور اگر غلطی ہو تو دوسرے کے سر پر تھوپ دیتا ہے۔

ایک صاحب انٹرویو دینے کے لئے گئے اور انٹرویو میں کامیاب ہوگئے، آپ ان سے پوچھیں کہ کیا بنا؟ تو وہ کہیں گے کہ جی اس نے یہ سوال پوچھا تو میں نے یہ جواب دیا، اس نے یہ کہا، تو میں نے سوچ کر یہ کہا، تو اب اس کے ہر جواب میں "میں میں" ہوگا کہ میں نے یہ کیا، تو خود کریڈٹ لے رہا ہے اور یہی نوجوان ناکام ہوکر آئے، پھر پوچھیں کہ کیا بنا؟ تو کہے گا کہ جی اللہ کی مرضی اللہ کو جو منظور تھا ہوگیا، تو جب نوکری ملی تھی تب اللہ کی مرضی نہیں تھی کیا؟ اس وقت کیوں اللہ کا نام یاد نہیں آیا تو سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نعمتیں لینا چاہتے ہیں لیکن ہمیں ان کا شکر ادا کرنا نہیں آتا، تو یہ بھی ہمیں سیکھنا چاہئے۔

ابن عطاء اللہ اسکندریؒ نے الحکم کے نام سے بہت حکمت بھری باتیں لکھی ہیں، یوں لگتا ہے کہ جیسے وہ اس امت کے لقمان حکیم تھے، وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ "من لم یشکر النعمۃ فقد وتعرض لزوالھا" جو شخص نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا، وہ اس نعمت کو واپس لئے جانیکے لئے پیش کرتا ہے، اللہ یعنی اس نعمت کو لے لیجئے مجھے نہیں چاہئے یہ۔ "ومن شکرھا فقد قیدھا بعقالھا" اور جس نے نعمت کا شکر ادا کیا اس نے نعمت کو نکیل ڈال کر اپنے پاس رکھ لیا، اس لئے فرمایا کہ "الشکر قید الموجود، وصید المفقود" کہ شکر جو موجود ہے تو اس کی قید ہوا کرتی ہے اور جو نہیں موجود تو اس کا شکار ہوا

کرتی ہے، شکر ادا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے بہت زیادہ نوازتے ہیں تو ہمیں نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے، گھر پر نظر پڑے الحمدللہ، بیوی بچوں پر نظر پڑے الحمدللہ، کام کاروبار پر نظر پڑے الحمدللہ، آئینہ دیکھیں الحمدللہ، تو اللہ کی کتنی نعمتیں ایسی ہیں جو بن مانگے اللہ رب العزت نے ہمیں عطا فرمادیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانی شکل میں پیدا فرمایا، یہ بھی اس کی نعمت ہے، پھر ہمیں ایمان کی نعمت عطا فرمائی، یہ بھی اللہ کا احسان ہے، پھر اس کے بعد اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا کیا، یہ بھی اللہ کا احسان ہے، تو ہمیں چاہئے کہ نعمتوں کا شکر ادا کریں، یاد رکھئے! جو پروردگار نعمتوں کو دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتوں کو لینا بھی جانتا ہے، اگر ہم نعمتوں کا شکر ادا نہیں کریں گے تو یہ نعمتیں ہم سے واپس لے لی جائیں گی، کتنے لوگوں کو دیکھا کہ حضرت دعا کریں ایک وقت تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگاتا تھا سونا بن جاتی تھی، آج سونے کو ہاتھ لگاتا ہوں تو وہ مٹی بن جاتا ہے تو جب نعمتیں ملی ہوئی تھیں تو کتنا اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا جو غریب لوگ تھے حقدار لوگ تھے، کتنا ان کی مصیبتوں میں ان کی مدد کی تھی، اس وقت تو نہ سورج کا چڑھنا یاد تھا نہ اس کا غروب ہونا، دولت کا نشہ تھا، اب جب وہ چھن جاتی ہے تو افسوس کرتے ہیں، تو عقل مند انسان وہ ہے جو نعمتوں کی موجودگی میں نعمتوں کی حفاظت کرے تو فرمایا کہ نعمت کی زینت شکر ادا کرنے میں ہے۔

بلا کی زینت:...... دوسری چیز یہ فرمائی کہ بلا کی زینت صبر کرنے میں ہے، ہر انسان اس دنیا میں آزمایا جاتا ہے اور یقین کریں سب سے زیادہ آزمائش انہیں پر آتی ہے جو زیادہ مقرب ہوتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔"ای الناس اشدبلاء "کن لوگوں پر سب سے زیادہ آزمائشیں آئیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"الانبیاء ثم الامثل فالامثل "انبیاء پر، پھر جوان سے زیادہ مشابہت رکھنے والے ہیں اور پھر جوان سے زیادہ مشابہت رکھنے والے ہیں تو بلائیں تو آتی ہیں، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے خود بلا مانگی ہو، آپ حیران ہوں گے کہ بلا تو کوئی نہیں مانگتا، مگر یہ ممکن ہے کہ ہم نے بلا مانگی ہو اور ہمیں ملی ہو، وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ مثلاً ہم نے تو یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ہمیں حوض کوثر کا جام عطا فرمادینا، تو ہم نے یہ دعا مانگی اور یہ قبول بھی ہوگئی، مگر عمل اس قابل تھے نہیں، تو ہوگیا یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس بندے پر کوئی بیماری، کوئی پریشانی، کوئی مصیبت بھیج دیتے ہیں اگر وہ بندہ اس پر صبر کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس صبر کو بہانہ بنا کر وہ مرتبہ عطا فرمادیتے ہیں، تو اس لئے مشکلات کی وجہ سے فوراً بے صبری کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔

یہ دنیا تو ہے ہی مسائلستان، کون سا ایسا بندہ ہے کہ جس کے ساتھ مسئلہ نہیں۔

دریں دنیا کسے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

ترجمہ:...... اس دنیا میں کوئی بے غم نہیں، اگر کوئی ہے تو وہ بنی آدم نہیں۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ مسئلہ تو ہونا ہی نہیں چاہئے، یہ نظریہ غلط ہے، بلکہ اگر کوئی انسان ایسا ہو کہ جس کے ساتھ کوئی مسئلہ نہ ہو تو یہ پریشان ہونے والی بات ہے، اس لئے کہ دنیا میں تو مسئلے ہوں گے، البتہ وہ جگہ جہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، اس کا نام جنت ہے، اس میں داخل ہوتے ہی انسان کہے گا کہ "الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن "تو دنیا میں تو ہمیں اس کے ساتھ واسطہ ہے، اس لئے اگر کوئی مصیبت یا پریشانی آئے تو انسان اس پر صبر کرے۔

ہمارے بزرگوں نے ایک عجیب بات لکھی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ ایک فقرہ اکثر بولتے تھے، ایک دوسرے کو سناتے تھے، وہ یہ کہ "استقبال المصائب بالتجمل ومواجهة النعم بالتذلل "اگر اللہ تعالیٰ نعمتیں عطا

کرے تو عاجزی سے اس کا استقبال کریں اور اگر اللہ رب العزت بلائیں بھیجیں تو صبر کے ساتھ اس کا استقبال کریں تو نعمت پر شکر ادا کرنا یہ عمل کی زینت ہے اور بلا پر صبر کرنا یہ بھی اس کی زینت ہے، بے صبری کرنے سے بلا نہیں ٹلتی بلکہ اس پر جو اجر ہوتا ہے وہ ضائع ہوجاتا ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے عطا فرماتے ہیں تو ہمیں صابر بن کر زندگی گزارنا چاہئے۔

محسن کی زینت:...... تیسری چیز یہ فرمائی کہ محسن کی زینت احسان نہ جتلانے میں ہے، اگر ہم کسی پر احسان کریں تو اسے جتلائیں نہ، ہمارے بزرگوں نے کہا کہ "نیکی کر دریا میں ڈال" اس کا معنیٰ یہی ہے کہ نیکی کرو اور بھول جاؤ، مگر عجیب بات یہ ہے کہ نیکی ہمیں نہیں بھولتی، برائی کریں تو وہ بھول جاتی ہے، پرانا کسی پر کوئی احسان کیا ہوگا تو وہ یاد ہوگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ دوسرا بندہ ہمارے سامنے تعریف کرے کہ ہم نے اس کے ساتھ بھلا کیا، اسی لئے فرمایا:"لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی" "تم احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر اپنے عمل کو باطل مت کرو، تو ہمیں چاہئے کہ ہم صبر کریں اور صبر کرکے اللہ سے اجر مانگیں اور اگر کسی بھی معاملے میں کسی کے اوپر ہم احسان کریں تو وہ اللہ کے لئے ہو، پھر اس احسان کو بھول جائیں۔

امام اعظمؒ کا ایک واقعہ:...... امام اعظم ابوحنیفہؒ ایک دفعہ ایک دروازے پر کھڑے تھے، مگر اس کے سائے میں نہیں بلکہ دھوپ میں کھڑے تھے، ایک شاگرد کا گزر ہوا، اس نے کہا کہ حضرت آپ دیوار کے سائے میں کھڑے ہوجائیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے صاحب خانہ کو قرض حسنہ دیا تھا، آج اس نے واپسی کا وعدہ کیا تھا، میں وہ لینے آیا ہوں، اب میں اس کی دیوار کے سائے میں کھڑے ہوکر اتنا فائدہ بھی اٹھانا پسند نہیں کرتا، تو اتنا بے ضرر ہو کہ وہ اللہ کے لئے عمل کیا کرتے تھے، صحابہ عمل کو چھپاتے تھے، چنانچہ اگر کسی بندے کو دیکھتے کہ وہ ضرورت مند ہے اور ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے تو وہ چیزیں خرید کر رات کے وقت ان کے دروازے کو کھول کر اندر وہ گٹھڑی ڈال دیتے تھے اور بتا دیتے تھے کہ یہ آپ کے لئے ہے، اور اس گھر والے کو یہ نہیں پتہ چلتا تھا کہ یہ گٹھڑی دینے والا کون ہے؟

حضرت ابوبکرؓ کا اپنے عمل کو چھپانا:...... دور صدیقی میں سیدنا عمر فاروقؓ ایک مرتبہ ابوبکر صدیقؓ سے ملنے کے لئے آئے، ابوبکرؓ نے ایک جگہ معاشرے کے ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے، جو بیمار تھے، نادار تھے، معذور تھے، اور پھر جس نے ان کی خدمت اپنے ذمے لی ہوئی تھی، ان کے نام بھی لکھے ہوئے تھے، ایک جگہ ایک بوڑھی عورت کا نام تھا، اس کے آگے جگہ خالی تھی، تو عمرؓ نے اس کے مکان کا پتہ کرلیا کہ وہ کس محلے میں ہے تاکہ وہ اس کی خدمت کریں، اگلے دن فجر پڑھ کر اس بڑھیا کے دروازے پر گئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ اماں! میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوا ہوں تو اس نے کہا کہ بیٹا خدمت کرنے والا آیا تھا خدمت کرکے چلا گیا، اب اگلے دن عمر فاروقؓ فجر سے پہلے وہاں گئے، پھر وہی جواب ملا، پوچھا کہ اماں وہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ نہ میں نے کبھی نام پوچھا، نہ اس نے بتایا، اچھا اس کا قدم کاٹھ کیا ہے؟ تو کہا، میں نے کبھی اس کی شکل ہی نہیں دیکھی، وہ آکر کہتا ہے کہ پردہ کرلے تو میں کمرے میں چلی جاتی ہوں، وہ میرے گھر میں جھاڑو دے دیتا ہے، پانی بھر کر لاتا ہے، جو کرنے کے کام ہوتے ہیں، وہ کردیتا ہے، جاتے ہوئے کہہ دیتا ہے کہ میں جارہا ہوں، تو میں باہر آجاتی ہوں، میں نے کبھی اس کی شکل تک نہیں دیکھی، عمر فاروقؓ بڑے حیران ہوئے، وہ بھی پھر آخر عمر فاروق تھے، انہوں نے اگلے دن عشاء کی نماز پڑھی اور اسی عورت کے گھر کے پاس جاکر چھپ کر بیٹھ گئے، جب رات گہری ہوگئی، سناٹا چھا گیا اور لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے تو دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا

اس بڑھیا کے دروازے کے قریب آیا تو عمر فاروقؓ نے کھڑے ہوکر پوچھا۔"من انت ؟" (کون ہے؟) تو جواب میں ابوبکر صدیقؓ کی آواز آئی کہ میں ابوبکر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، امیر المومنین رات کے وقت اس بڑھیا کی خدمت کے لئے آپ آئے ہیں؟ اور آپ نے لسٹ میں اپنا نام بھی نہ لکھا تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے، اور حضرت عمرؓ نے یہ دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جوتے بھی نہیں پہنے ہوئے تھے، تو پوچھا، امیر المومنین! جوتے تھے نہیں یا پہن کر نہیں آئے؟ تو ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ میں نے جوتے گھر میں ارادۃً اتار دیئے، رات کا وقت ہے، لوگ سوئے ہوئے ہیں، میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے جوتوں کی آواز سے کسی کی نیند میں خلل آجائے، سبحان اللہ تو یہ حضرات اللہ کے لئے عمل کرتے تھے۔

امام زین العابدینؒ کا ایک واقعہ:...... امام زین العابدینؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ بہت خوبصورت اور نازک بدن تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو ان کو نہلانے والے نے دیکھا کہ ان کے کندھے کے اوپر کالا نشان ہے، گھر والوں سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا جب دفنا دیا گیا تو ایک ہفتہ گزرنے کے بعد جو بوڑھے اور معذور لوگ تھے ان کے گھروں سے آواز آئی کہ وہ کہاں گیا جو رات کے اندھیرے میں ہمارے گھروں میں پانی پہنچایا کرتا تھا، پتہ چلا کہ مشک بنائی ہوئی تھی، عشاء کے بعد مشک بھر کر لوگوں کے گھروں میں پانی پہنچایا کرتے تھے اور ساری زندگی گھر والوں کو اپنے عمل کا پتہ نہ چلنے دیا، تو محسن کی زینت احسان کو نہ جتلانے میں ہے۔

نماز کی زینت:...... چوتھی بات یہ ارشاد فرمائی کہ نماز کی زینت خشوع اور خضوع میں ہے، نماز تو انسان پڑھتا ہے مگر اس طرح پڑھے کہ فقط اللہ رب العزت کی یاد دل میں ہو۔"ان تعبد اللہ کانک تراہ" یہ کیفیت حاصل ہو، اسی کیفیت کے ساتھ نماز کا مرتبہ ہی کچھ اور ہے، آپ ذرا غور کریں کہ ایک من سونا، ایک من ہوتا ہے، ایک چاندی ایک من ہوتی ہے، ایک من لوہا ایک من اور ایک من مٹی وہ بھی ایک من، سب کا وزن ایک من مگر ایک من سونے کی قیمت کچھ اور ہے، ایک من چاندی کی قیمت کچھ اور ہے، لوہے کی کچھ اور ہے اور مٹی کی قیمت کچھ اور ہے، ہم جتنے مسجد میں تھے ہم نے عشاء کی نماز چار رکعتیں پڑھیں، تو تھیں تو سب کی چار رکعتیں، مگر اللہ رب العزت کسی کی نماز کے اوپر سونے کا بھاؤ لگائیں گے، کسی پر چاندی کا بھاؤ لگائیں گے، کسی پر لوہے کا بھاؤ لگائیں گے اور کسی کو مٹی کے بھاؤ بھی قبول نہیں فرمائیں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی نماز پھٹے کپڑے کی طرح ان کے منہ پر ماری جاتی ہے، تو نماز کی زینت خشوع اور خضوع میں ہے۔

آج عجیب بے ہمتی کا دور آگیا ہے کہ وہ لوگ جو سالک کہلاتے ہیں، ذاکر کہلاتے ہیں، دین کے شعبوں میں کہیں لگے ہوتے ہیں، نفلیں پڑھنے کی عادت ان کی بھی ختم ہوتی جارہی ہے، صرف فرض اور سنتیں پڑھتے ہیں، نفل گم، حالانکہ ہمارے مشائخ اسی لئے نوافل کا اہتمام فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن فرائض میں کوئی کمی ہوئی تو اللہ رب العزت کی رحمت سے امید ہے کہ نوافل کو اس کی جگہ پر قبول فرمالیں گے، تو نوافل کو ضرور پڑھنا چاہئے، اس نیت کے ساتھ کہ میں دو نفل پڑھ لوں، معلوم نہیں کہ کس جگہ کا کیا ہوا سجدہ میرے اللہ کو پسند آجائے، تو ایک تو پانچ نمازوں کے نوافل ہیں، اس کے علاوہ چاشت، اشراق، اوابین پھر صلوٰۃ التسبیح، بہت سارے احباب کے پاس وقت ہوتا ہے، مگر چونکہ عادت نہیں رہی اس لئے نہیں پڑھتے تو بدن کو ان کا عادی بنائیے، ہمارے اکابر نفلیں پڑھنے کے بہانے ڈھونڈتے تھے، ابھی وضو کیا تو تحیۃ الوضوء پڑھ لی، مسجد میں قدم رکھا، تحیۃ المسجد پڑھ لی، اصل میں تو اللہ تعالیٰ سے بار بار ہم

کلام ہونے کو دل چاہتا تھا، وہ نفلوں کو اس کے لئے بہانا بنالیا کرتے تھے، جیسے بعض لوگ ہوتے ہیں کہ جن کا کہیں نہ کہیں تعلق پھنسا ہوتا ہے تو وہ کال کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، تو اسی طرح اللہ والوں کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ اٹکا ہوا ہوتا ہے وہ بھی بہانے ڈھونڈتے ہیں، کبھی شکر کے نوافل پڑھ رہے ہیں، کبھی قضائے حاجت پڑھ رہے ہیں، اللہ رب العزت ان کی توفیق دیتے ہیں، ہم نے اپنی زندگی میں ایک ایسے بزرگ کو دیکھا جو فرض نماز کے ہر سجدے میں اکیس مرتبہ "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھتے تھے اور ہم لوگ مشکل سے تین مرتبہ، کبھی تین سے زیادہ پڑھنے کا بھی خیال آیا کہ آج چھٹی ہے، فرصت ہے کیوں نہ میں سجدے میں آج زیادہ اللہ کی تعریف کروں، اپنے اللہ کے گن گاؤں، ہمارا یہ جذبہ نہیں ہوتا، اس لئے بس تین دفعہ پڑھا اور اللہ اللہ خیر سے اللہ، تو محبت کا اظہار کریں، اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہوتے ہیں، لیکن نماز پڑھتے وقت ادھر ادھر کی توجہ بالکل ہٹ جائے اور ایک اللہ رب العزت کی طرف مرکوز ہوجائے، آج ہماری نمازوں کا حال اسی طرح ہے کہ جیسے جہاز کے اڑتے وقت اس آدمی کا ہوتا ہے جو اونگھ رہا ہے جب منزل پر پہنچے اور ہوائی جہاز رن وے پر پہیے لگائے تو جھٹکے سے آنکھ کھلتی ہے کہ منزل آگئی، بالکل یہی کیفیت آج نماز پڑھنے والے کی ہے، اللہ اکبر بس اب اس کے بعد جھوم رہے ہیں اور جب امام نے سلام پھیرا۔"السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو اب فلائٹ نے لینڈ کرلیا، اب پتہ چلتا ہے کہ نماز ختم ہوگئی، درمیان میں کیا تھا؟ اللہ جانے، حدیث شریف میں قرب قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ آئی ہے کہ نماز کے خشوع کو اٹھایا جائے گا، تم دیکھو گے کہ مسجد لوگوں سے بھری ہوگی، ان کے دل اللہ کی یاد سے خالی ہوں گے، آج کے دور میں ایسی چیز کی بہت کمی ہے اور جو چیز کم ہوجائے ہوجائے تو خریدار اس کو زیادہ قیمت دے کر خریدا کرتے ہیں تو آج کے دور میں جو بنا سنوار کر نماز پڑھے گا تو ریٹ بھی بہت اونچا لگے گا، اللہ کے ہاں انعام پھر بہت بڑا ملے گا۔

چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے حضرت تھانویؒ ملنے کے لئے گئے، عمر چھوٹی تھی، ابھی پڑھ کر فارغ ہوئے تھے تو حضرت نے فرمایا، اشرف علی جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پروردگار نے میرے رخسار کا بوسہ لے لیا ہے۔

حضرت مولانا یحییٰؒ سجدہ لمبا کرتے تھے، کسی نے پوچھا، حضرت اتنا لمبا سجدہ کس لئے؟ فرمایا، ہاں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے قدموں پر سر رکھ دیا، اب میرا سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے سامنے دو تین نوجوان بیٹھے تھے، انہوں نے حور قصور، جنت کی باتیں شروع کردیں، حضرت سنتے رہے، آخر میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن مجھ پر اپنی مہربانی کردی تو میں اتنا عرض کروں گا کہ اے اللہ! مجھے اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عطا فرما دیجئے۔ شیخ عبدالواحدؒ کے آگے تذکرہ ہوا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور کہنے لگے کہ اگر نماز نہیں ہوگی تو جنت میں جانے کا مزہ کیا آئے گا؟ وہ حضرات نماز سے مزے لیتے تھے، تو یہ خشوع وخضوع اللہ سے مانگیں اور اس کی کوشش بھی کریں ہم سمجھتے ہیں کہ بس ہم نے اللہ اکبر کہا، بڑی توجہ بن جائے گی، نہیں بلکہ نماز کی توجہ خارج نماز میں بنانی پڑتی ہے، تب جاکر نماز کے اندر توجہ رکھنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، اس کو مثال سے سمجھیں کہ ایک آدمی کو اگر کشتی کا مقابلہ کرنا ہو تو آپ اسے دیکھیں گے کہ کبھی تو وہ دوڑ رہا ہے، کبھی کسی چمڑے کے تکیے کو مکے لگا رہا ہے کبھی چہل قدمی (Jogging) کررہا ہے تو یہ سب وہ (Boxing) مقابلے کی جگہ کے اندر کارکردگی دکھانے کے لئے تیاری کررہا ہے، جتنی اچھی وہ تیاری کرے گا تو کچہری

(Ring) کے اندر اتنا اچھا وہ مقابلہ کرلے گا، تو اسی طرح ہر وقت توجہ الی اللہ ذکر کرنا یہ نماز کے اندر توجہ رکھنے کی مشق کہلاتی ہے، جتنا زیادہ ہم خارج نماز میں توجہ رکھیں گے تو جب اللہ اکبر کہیں گے تو مخلوق کی یاد چھری پھیر کر اللہ کی یاد میں داخل ہوجائیں گے تو نماز کے اندر خشوع وخضوع پیدا کرنا یہ نماز کی زینت ہے۔

اس بات پر غور کریں کہ کبھی ہم نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ ہمیں تسلی سے دو رکعت پڑھنے کی توفیق دے دیجئے، تسلی کی نماز پڑھنے کا شوق ہی کم ہوگیا۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ کے پاس بیعت ہونے کے لئے آئے، تو سید احمد شہیدؒ نے پوچھا کہ اسماعیل کیسے آنا ہوا؟ تو کہا کہ حضرت! اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ مجھے بھی صحابہ کرام جیسی نماز پڑھنی سکھا دیجئے، سید صاحب نے کہا کہ اچھا ذرا اپنی چارپائی میری چارپائی کے قریب ڈلوا لینا، سو گئے، جب تہجد کا وقت ہوا تو سید صاحب نے پوچھا، اسماعیل اٹھ گئے؟ فرمایا کہ حضرت جی آنکھ کھل گئی ہے تو فرمایا کہ اچھا اٹھو اور اللہ کے لئے وضو کرو! شاہ اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی زبان سے یہ اللہ کا لفظ نکلتا تھا، میرے تو جیسے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں نے زندگی میں پہلی بار ایسا وضو کیا کہ مجھے ہر ہر عضو پر پانی بہاتے ہوئے اللہ کا دھیان حاصل تھا، میں مصلے پر آگیا، پوچھا، اسماعیل وضو کرلیا؟ میں نے کہا کہ جی حضرت کرلیا، فرمایا کہ اچھا، اللہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھو! شاہ اسماعیل صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پھر جو اللہ کی ضرب لگائی تو اس کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ میں نے ادھر نماز شروع کی اور ادھر میری آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہوگئے، میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی ایسی نماز ادا نہیں کی، تو ہمارے بزرگ نماز پڑھنا سکھا کرتے تھے۔

خوف کی زینت:...... پانچویں بات یہ ارشاد فرمائی کہ خوف کی زینت گناہوں کو چھوڑ دینے میں ہے، بعض اوقات انسان سوچتا ہے کہ میرے اندر اللہ کا بڑا خوف ہے، بڑا روتا ہوں، یہ کیسا خوف ہے جو نافرمانی سے نہیں روک رہا۔

چنانچہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، عرض کیا، اے اللہ کے حبیب! میں چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ اللہ کا عبادت گزار بن جاؤں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اتق المحارم تکن اعبد الناس'' حرام کام کرنا چھوڑ دو تم اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔

تو گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں، صبح اٹھیں تو دل میں نیت کریں کہ اے اللہ! میں آج کا دن بغیر گناہوں کے گزارنا چاہتا ہوں، اور دن بھر کوشش کریں کاش کہ کوئی ایک دن ایسا بھی ہو جو ہم نے بغیر گناہ کے گزارا ہو۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس امت میں ایسے بھی حضرات گزرے ہیں جن کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقع نہیں ملا۔

عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک عورت کا واقعہ لکھا۔ ''المرأۃ متکلمۃ بالقرآن'' جو قرآن کے الفاظ سے گفتگو کرتی تھی، اس کے علاوہ اس کی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہی نہیں تھا، اگر قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے اور اسی میں ہم بھی کھڑے ہوں گے، جنہوں نے اتنی لغو باتیں کی ہوں گی، زبان کا غلط استعمال کیا ہوگا، غیبتیں کی ہوں گی، تو آج وقت ہے کہ گناہوں سے بچا جائے۔

تصوف کا مقصد:...... دستور کی بات یاد رکھیں کہ ذکر و سلوک کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ کسی نے حضرت تھانویؒ سے پوچھا کہ حضرت ذکر و سلوک، تصوف کا مقصد کیا ہے؟ تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے میں سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے، اس کا نام تصوف ہے۔

ہمارے ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جو شخص علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتا ہے، چنانچہ ہم گناہوں سے بچیں، اس سے اللہ رب العزت کا قرب نصیب ہوگا، تو خوف کی زینت گناہوں کے چھوڑ دینے میں ہے۔

عطا ابن ابی رباحؒ ایک بزرگ تھے، امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ میں ان کا نام آتا ہے، انہوں نے ایک عجیب بات ارشاد فرمائی، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات القاء فرمائی کہ عطا! میرے بندوں سے کہہ دو کہ جب تم گناہ کرنے لگتے ہو اور ان تمام دروازوں کو بند کردیتے ہو جن سے مخلوق دیکھتی اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے جس سے میں پروردگار دیکھتا ہوں تو کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا تم مجھے سمجھتے ہو؟ تو ہم گناہوں سے سچی توبہ کرلیں کہ ہم آج کے بعد جسم کے کسی عضو سے اللہ رب العزت کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

امام غزالیؒ نے ایک جگہ عالم کی عجیب تعریف کی، فرماتے ہیں کہ بڑا عالم وہ ہے جس پر گناہوں کی مضرتیں زیادہ کھل جائیں، جب مضرتوں کا پتہ ہوگا تو انسان بچے گا تو فرمایا کہ خوف کی زینت گناہوں کے چھوڑ دینے میں ہے۔

طالب علم کی زینت:...... چھٹی بات یہ ارشاد فرمائی کہ طالب علم میں جتنی تواضع ہوگی، اتنا اللہ رب العزت اسے علم عطا فرمائیں گے، حدیث مبارک میں ہے۔ ''تواضعوا لمن تتعلمون منہ'' تم جن سے علم حاصل کرتے ہو، ان کے سامنے تواضع اختیار کرو، جھکے بغیر انسان کو علم نہیں ملتا۔

جو اہل وقت ہوتے ہیں
ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہوکر
ہمیشہ بھرا کرتی ہے پیمانہ

اگر صراحی سر نیچے نہ کرے تو پیمانہ کیسے بھرے؟ تو فیض تو تب جاری ہوگا جب اس کا سر جھکے گا، کسی نے اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا ہے۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو! صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

تو جس کے اندر جتنی تواضع ہوگی اللہ اس کے فیض کو اتنا جاری فرما دیں گے اسی لئے ارشاد فرمایا: ''من تواضع للہ رفعہ اللہ'' جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ رب العزت اس کو پھر بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ ''لایتعلم العلم مستحی ولا مستکبر'' جو شرمیلا ہو یا متکبر ہو، یہ دونوں قسم کے طالب علم، علم نہیں حاصل کرسکتے، تو علم حاصل کرنے کے لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے اساتذہ کے ساتھ ادب اور تواضع کا معاملہ رکھے، علم اللہ کی صفت ہے اور جیسے اللہ رب العزت بلند، علم میں بھی بلندی کی صفت ہے، جب تک کوئی جھکتا نہیں علم اس کے پاس نہیں آتا، علم جھکنے والوں کے پاس آتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ علم کے آگے ملائیکہ سرنگوں ہیں، وہ کیسے؟ اس طرح کہ آدمؑ کے ساتھ فرشتوں نے سجدہ کیا تو آدم میں کون سی صفت تھی۔ ''وعلم آدم الاسماء کلھا'' علم کی صفت تھی جس کی وجہ سے فرشتوں کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ہوا اور علم کے آگے انبیاء بھی سرنگوں، چنانچہ سورۃ کہف میں آپ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پڑھتے ہیں کہ وہ خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے، تو موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں اور حضرت اللہ کے ولی ہیں، مگر استاذ اس معاملے میں خضر ہیں، وجہ کیا تھی؟ تکوینی علم کا معاملہ تھا اور وہ خضر کے پاس زیادہ تھا، یہ نیت موسیٰ علیہ السلام کی انبیاء کے پاس تشریعی علم ہوتا ہے، اسی میں وہ ممتاز ہوتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام تکوینی معاملے کے پوچھ رہے ہیں کہ مجھے اس کی وجہ بتا دیجئے۔

علم کے سامنے وقت کے بادشاہ بھی سرنگوں، چنانچہ ملاجیون کئی مرتبہ درس دے رہے ہوتے تھے اور بادشاہ آتا تھا اور ایک ایک گھنٹہ انتظار میں کھڑا رہتا تھا کہ حضرت درس سے فارغ ہوں گے تو مجھے مصافحہ کی سعادت نصیب ہوجائے گی تو علم کے سامنے انسان سرنگوں کردے تو اللہ رب العزت مہربانی فرمادیتے ہیں۔

علم کی زینت:...... ساتویں چیز یہ ہے کہ علم کی زینت حلم میں ہے، جتنا انسان کے پاس علم زیادہ ہو تو اس کے لئے اچھا یہ ہے کہ اس کا حلم بھی بڑھتا جائے، اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں ان دونوں صفتوں کو اکٹھا فرمایا۔ "وکان اللہ علیما حلیما" یہ دونوں چیزیں اکٹھی ہوں تو سجتی ہیں، ہم نے دیکھا کہ اکثر و بیشتر علم آتا ہے تو برداشت زیرو ہوجاتی ہے، ذرا سی بات پر غصے میں آجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے جلال والے ہیں، شیطان نے بھی آج کے دور میں نام بدل دیئے تاکہ گناہ کا احساس ہی نہ ہو، اس نے غیبت کا نام گپ شپ رکھ دیا، غیبت کے نام سے تو دل میں احساس ہوتا ہے کہ گناہ کررہے ہیں، جب گپ شپ کہیں گے تو بچیں گے کیسے؟ اسی طرح اس نے جھوٹ کا نام بہانہ رکھ دیا، او جی میں نے بہانہ کردیا، اگر اسے جھوٹ کہنے لگا تو پھر توبہ کرنے کی سوچے گا، جب نام ہی بہانہ رکھ دیا تو توبہ کون کرے؟ تو شیطان نے نام بدل دیئے تاکہ یہ گناہ بھی کریں اور گناہ کا احساس بھی نہ ہو، تو انسان بے جا غصہ کرتا اور نام رکھتا ہے کہ جی بڑا جلال ہے، یہ جلال تو جلال والے کو سجتا ہے، بندے کو نہیں سجتا، بندوں کو تو جمال سجتا ہے، اگر ہم کسی موقع پر تھوڑا سا اختیار رکھتے ہیں اور اتنا جلال کا اظہار کرتے ہیں تو سوچیں اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت نے جلال کا اظہار کردیا تو ہمارا کیا بنے گا؟ اس لئے علم پڑھے تو حلم بھی پڑھنا چاہئے، کتنا عجیب لگتا ہے کہ مشائخ سے ذکر سیکھنے والے، تبلیغی جماعت کے اندر چار چار مہینے لگانے والے، مدارس کے اندر دورہ حدیث کرنے والے ہوتے ہیں، لیکن گھر کے اندر بیوی کا ناک میں دم کیا ہوا ہوتا ہے، تو نہیں تو حلیم الطبع ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حلم دیکھئے کہ انسان گناہ کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ گناہ کرنے پر اس کا رزق نہیں بند کرتے، حالانکہ وہ گناہوں پر گناہ کررہا ہوتا ہے، اور ایسا بھی تو ہوسکتا تھا کہ بندہ جس عضو سے گناہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس عضو کو فوراً فالج زدہ کردیتے، ایسا بھی نہیں ہوتا، پھر ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ اگر گناہ کرتا تو اس کو ذلیل کردیتے، اللہ تعالیٰ ستر پوشی بھی فرماتے ہیں، الٹا ایمان کو فرمایا کہ تم بھی اپنے بھائی کی ستر پوشی کرو، اور اللہ تعالیٰ بندے کو فوراً سزا بھی نہیں دیتے، تو اللہ تعالیٰ کے حلم پر قربان جائیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم جو یہ لطف، مزے کی زندگیاں گزارتے پھرتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے حلیم ہونے کا صدقہ ہے، وہ ڈھیل دیئے جارہا ہے اور ہم اور اپنی زندگی مزے میں گزار رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت حلیم الطبع تھے، چنانچہ ایک نوجوان لڑکے تھے، ان کی عادت تھی کہ جہاں ان کو کھجور کا درخت نظر آتا، وہ درخت پر چڑھتے اور کھجور توڑ کر کھالیتے، مالک سے اجازت نہیں مانگتے تھے، ایک مرتبہ مالک نے پکڑلیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کو پکڑ کر لائے، شکایت کی، اے نبی! بغیر اجازت کے یہ میری کھجوریں توڑ کر کھاتا ہے، وہ نوجوان کہتے ہیں کہ پہلے تو میں گھبرایا کہ پتہ نہیں میرے ہاتھ کٹیں گے یا کیا ہوگا؟ مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بات سن کر میرے سر پر شفقت کے ہاتھ رکھا اور پوچھا کہ کھجور کیوں توڑ کر کھاتے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ شفقت کا ہاتھ رکھنے سے آدھا خوف ختم ہوگیا، میں نے ہمت کرکے بتایا کہ جی مجھے بھوک لگی ہوتی ہے، اسی لئے میں کھجوریں توڑ کر کھالیتا ہوں، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس پر مسئلہ کھولا کہ دیکھو جو کھجوریں نیچے پڑی ہوتی ہیں، وہ اذنِ عام میں داخل

ہیں کوئی بھی اسے اٹھا کر کھالے، سب کی طرف سے اجازت ہوتی ہے، درخت سے توڑ کر کھانے کے لئے اجازت لینی ضروری ہے، جب مسئلے کو کھولا تو فرماتے ہیں کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا دی کہ اے اللہ! اس کی بھوک کو مٹادے، اور اس کے رزق میں برکت عطا فرمادے، وہ کہتے ہیں کہ سینے میں ایسی ٹھنڈک پیدا ہوئی، میں لوٹ کر واپس آیا اور زندگی میں، میں نے کچھ بغیر اجازت کسی کی کوئی چیز استعمال نہیں کی، تو کیا حلم تھا نبی کا۔

ایک مرتبہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی خدمت میں کچھ عرض کررہی تھیں، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آگئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر! ہم ایک معاملے میں بات کررہے ہیں تو ذرا تم فیصلہ کردو، انہوں نے کہا کہ بہت اچھا، نبی نے فرمایا، حمیرا! میں بتاؤں یا تم بتاؤ گی؟ انہوں نے کہا نہیں نہیں، آپ ہی بتائیں، ٹھیک ٹھیک بتائیں، اب میاں بیوی کا معاملہ، انہوں نے روانی میں ایسی بات کردی کہ آپ ہی بتائیں، ٹھیک ٹھیک بتائیں، جب انہوں نے یہ کہا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو والد تھے، انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک تھپڑ لگایا اور کہا کہ تجھے تیری ماں روئے، کیا نبی ٹھیک ٹھیک نہیں بتائیں گے؟ اب جب تھپڑ لگا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آکر چھپ گئیں کہ کہیں دوسرا نہ لگ جائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر! ہم نے آپ سے فیصلہ مانگا تھا، یہ تو نہیں کہا تھا کہ آپ تھپڑ لگادیں، اچھا آپ گھر جائیں ہم اپنی بات خود آپس میں سمیٹ لیتے ہیں، جب صدیق گھر چلے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے مڑ کر دیکھا، مسکرائے اور فرمایا، عائشہ دوسرے تھپڑ سے میں نے تمہیں بچایا ہے نا! بس بات چیت شروع ہوگئی تو اللہ کے حبیب میں کمال درجہ کا حلم تھا، چنانچہ جانی دشمن جو تھے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی معاف کردیا، جوانوں کے ساتھ حلم، بوڑھوں کے ساتھ حلم، حتیٰ کہ منافقین کے ساتھ بھی اللہ کے حبیب کا معاملہ کرتے تھے، ہمیں اگر کسی بندے کے بارے میں شک ہو کہ یہ ٹھیک نہیں تو ہمارا برتاؤ بدل جاتا ہے، اللہ کے حبیب کو اللہ نے بتلادیا کہ یہ منافق ہے، لیکن پھر اللہ کے حبیب پھر بھی ان کے ساتھ مدارات کا معاملہ فرمارہے ہیں، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتا بھیجا کہ اس کو پہنایا جائے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بدر میں سیدنا عباس گرفتار ہوئے تھے اور اس وقت وہ کافروں کی طرف سے لڑنے آئے تھے تو ان کے جسم پر کپڑا پورا نہیں تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ میں اپنے چچا کو کچھ لباس تو دے دوں، تو مدینہ کے کچھ صحابہ نے اپنا لباس پیش کیا لیکن چونکہ عباس کا قد کاٹھ بڑا تھا، جس کی وجہ سے انہیں کوئی لباس پورا نہ آتا تھا، تو عبداللہ بن ابی کا کرتہ پورا آگیا تو عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو دیا تھا، اس بندہ کا یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد رکھا اور جب وہ فوت ہوا تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ عطا فرمادیا تو علم کی زینت حلم کے اندر ہے۔

ہمارے اکابر کے اندر یہ حلم بہت زیادہ تھا، چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ گھر جارہے تھے، ایک نوجوان ملا اور اس نے کچھ الٹی سیدھی باتیں شروع کردیں، حضرت چلتے رہے اور اس کی باتیں سنتے رہے، پھر ایک جگہ جاکر کھڑے ہوگئے، اس نے کہا کہ آپ آگے کیوں نہیں چل رہے؟ فرمایا، آگے شہر ہے اور میرے شاگرد بہت زیادہ ہیں، اگر تیری گفتگو سنیں گے تو تیرے ساتھ کچھ معاملہ کریں گے، میں اس لئے کھڑا ہوگیا کہ تو نے جو کہنا ہے یہیں پر کہہ دے، اتنا حلم تھا ان کی طبیعت میں۔

ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ وقت کے قاضی القضاۃ ان کی عادت یہ تھی کہ اگر کوئی بندہ ایسا مسئلہ پوچھتا، جس کا انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہوتا تو کہہ دیتے۔

"لا ادری" مجھے نہیں پتہ، ایک نوجوان مسئلہ پوچھنے آیا اور کہا کہ اس مسئلے کا جواب بتایئے، فرمایا۔ "لا ادری" مجھے نہیں پتہ، اس نوجوان کو غصہ آ گیا، کہنے لگا آدھے بیت المال کے برابر تو تنخواہ لیتے ہیں اور آگے سے کہتے ہیں۔ "لا ادری" تو امام ابو یوسف نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ تنخواہ میرے علم کے برابر ملتی ہے، اگر میری جہالت کے برابر ملتی تو پورے بیت المال سے بھی زیادہ ہوتی، تو ہمیں بھی اپنے اکابر کی اسی صفت کو اپنانا چاہئے کہ ہمارے اندر بھی یہ چیز آ جائے۔

ہمارے اکابر علمائے دیوبند کے اندر بھی صفت تھی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک جگہ بدعتیوں کے علاقے میں تقریر کرنے گئے اور اس جگہ بھی کچھ بدعتی آئے ہوئے ہیں، جب تقریر کرنے کے لئے بیٹھے تو کسی صاحب نے چٹھی پکڑا دی، اس کے اوپر تین باتیں لکھی ہوئی تھیں، پہلی بات کہ تم کافر ہو، دوسری بات حرام زادے ہو اور تیسری بات کہ سنبھل کر بات کرنا، تو حضرت نے وہ چٹھی پورے مجمع کو پڑھ کر سنائی اور پھر فرمایا کہ دیکھو بھائی، اس نے دیکھا ہے کہ تم کافر ہو تو میں سب کے سامنے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں۔" اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدا رسول الله" دوسرا اس نے لکھا ہے کہ تم حرام زادے ہو تو بھائی میرے والد اور والدہ کے نکاح کے گواہ ابھی تک زندہ موجود ہیں، میں نام بتلا دیتا ہوں، جس نے تصدیق کرنی ہو، وہ جا کر پوچھ لے کہ شادی ہوئی تھی یا نہیں؟ میں نکاح کی اولاد ہوں یا زنا کی اولاد ہوں۔ اور تیسری بات لکھی ہے کہ سنبھل کر بات کرنا، تو بھائی میں چندا کرنے تو نہیں آیا، حق کی بات کرنے آیا ہوں، جو بات سچ ہوگی، وہ پہنچاؤں گا، یہ کہہ کر آپ نے اپنی تقریر شروع فرما دی، کوئی ہم جیسا ہوتا تو چٹھی پڑھ کر کھڑا ہو جاتا کہ میں واپس جا رہا ہوں، ایسے ناقدرے لوگوں کے سامنے تو میں بات ہی کرنا پسند نہیں کرتا، ان حضرات کے اندر تواضع اور حلم تھا اور اس حلم کی وجہ سے ان کے علم کے اوپر ایک نور کی سی صفت ہوتی تھی۔

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر کتنا حلم تھا؟ ایک حدیث مبارک سن لیجئے، امید ہے کہ آپ اس کو اپنے پلے باندھ لیں گے اور اپنے دوست احباب اہل خانہ کے ساتھ آئندہ حلم کا معاملہ کریں گے، یہود کے ایک عالم تھے، زید بن صانع، ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب ہے، انہوں نے یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن سلام کو سنایا اور انہوں نے آگے اس واقعہ کو روایت کیا، وہ فرماتے ہیں۔ "انہ قال" کہ زید نے یہ کہا کہ "لم یبق من علامات النبوة شیء الا وقد عرفته فی وجه النبی صلی الله علیه وسلم حین نظرت الیه" جب میں پہلی نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ڈالی تو مجھے ان میں نبوت کی ساری علامتیں نظر آ گئیں۔ "الا اثنتین" سوائے دو نشانیوں کے وہ دو نشانیاں کیا تھیں؟ "لما اخبر هما منه یسبق حلمه غضبه" کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم ان کے غصے غضب کے اوپر زیادہ ہوگا۔ "ولا یزیده شدة الجهل علیه الاحلما" اگر کوئی آدمی ان کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کریگا تو جواب میں ان کا حلم اور بڑھتا جائے گا، یہ دو نشانیاں تھیں، جو مجھے نظر نہ آتیں، باقی ساری نشانیاں نظر آ گئیں۔ "فکنت اتلطف له لان اخالطه" مجھے ان کے حلم کا پتہ چل جائے اور بھی پتہ چل جائے کہ جہالت کرنے والے کے ساتھ ان کا حلم اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ "قال فخرج رسول الله یوما من الایام من الحجرات" ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرات سے باہر تشریف لائے۔ "ومعه ابن ابی طالب علی رضی الله تعالیٰ عنه" ان کے ساتھ تھے۔ "فاتاه رجل علیٰ راحلته کالبدوی" ایک بندہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آیا، جیسے بدو ہوتے ہیں۔ "فقال یا رسول الله! ان قریة بنی فلان قد اسلموا" اور وہ کہنے لگا کہ اللہ کے پیارے حبیب! فلاں بستی کے لوگ مسلمان ہوئے۔ "وقد اصابتهم سنة وشدة" اور ان کو تنگدستی اور قحط سالی نے گھیر لیا۔ "فان رأیت ان ترسل الیهم بشی تعینهم به فقلت" اگر آپ ان کی مدد کے لئے کچھ بھیجنا چاہیں تو میں ان کو وہ چیزیں پہنچا دوں گا۔ "فلم یکن معه شی ء" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت دینے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ "قال زید فدنوت منه فقلت یا محمد ان رأیت ان تبیعنی تمرا معلوماً من حائط بنی فلان الی اجل کذا وکذا" زید کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا اور میں نے کہا، اے محمد! وہ جو فلاں کھجور کا باغ ہے، اگر آپ اس کی کھجور میں مجھے اسی قیمت پر بیچ دے تو میں آپ کو ابھی ثمن دے دیتا ہوں۔ "فقال لا یا اخا یهود ولکن ابیعک تمرا معلوما الیٰ اجل کذا وکذا ولا اسمی حائط بنی فلان" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے یہود کے بھائی! ایسے تو بیع نہیں ہو سکتی، میں تجھے اتنی قیمت پر اتنی کھجوریں دوں گا، باغ کی شرط مت لگاؤ۔ "قال زید فقلت نعم فبایعنی واتیته ثمانین دینار" زید کہتے ہیں کہ میں نے کہا، ٹھیک بات ہو گئی اور میں نے اسی دینار ادا کر دیے۔ "فاتاه الرجل" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دینار اس بندے کو دے دیئے کہ اس بستی والوں کو میری طرف سے پہنچا دینا۔ "فلما کان قبل محل الاجل بیومین او ثلاثة" زید کہتے ہیں کہ جو مدت طے ہوئی تھی، اس سے ابھی دو یا تین دن کا وقت باقی تھا۔ "خرج رسول الله فی جنازة رجل من انصار ومعه ابوبکر و عمر و عثمان و نفراً من اصحابه" نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے جنازے کے لئے تشریف لائے اور آپ کے ساتھ ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سارے صحابہ تھے۔ "فلما صلی جنازة اتیته" جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازے کی نماز پڑھ لی تو میں آیا، اب ذرا غور کریں کہ جنازے میں تو محلے کے سارے ہی لوگ ہوتے ہیں تو سب کے سامنے "فاخذت بمجامع قمیصه وردائه ونظرت الیه بوجه غلیظ" وہ کہتے ہیں کہ میں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتہ اور تہبند کے مجمع ہونے کی جگہ سے کپڑے زور سے پکڑ لئے اور بڑا غصہ والا چہرہ بنا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "الا تقضی یا محمد حقی" اے محمد! میرا حق مجھے کیوں نہیں دیتے؟ یعنی میری کھجوریں کیوں نہیں دیتے۔ "فوالله ما علمتکم یا بنی عبدالمطلب فی القضاء مطل" اے عبدالمطلب کی اولاد میں تم جیسا قرضے میں سستی کرنے والا کوئی نہیں دیکھا ہے۔

اب ذرا غور کریں کہ کیا بدتمیزی ہے کہ غصہ سے دیکھ رہا ہے، کپڑے پکڑ رہا ہے اور خاندانی طعنہ دے رہا ہے اور ابھی مدت ادائیگی کے دو تین دن باقی ہیں تو لا محالہ غصہ آنا چاہئے تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ دیکھئے، فرماتے کہ جب میں نے یہ بات کہی۔ "فنظرت الی عمر وعیناه تدوران فی وجهه" میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا، ان کی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں، رگ فاروقی پھڑک گئی کہ یہ یہودی میرے نبی کے ساتھ بدتمیزی کر رہا ہے، عاشق کیسے برداشت ہو سکتا تھا، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق کو دیکھئے کہ اس یہودی نے یہ الفاظ کہے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ای عدو الله اتقول لرسول الله ما اسمع" اے اللہ کے دشمن! تو جو یہ کہہ رہا ہے، اللہ کے نبی کو وہ جو میں سن رہا ہوں۔ "فوالذی بعثه بالحق لولا ما احاذر فوته لضربت بسیفی راسک" اس ذات کی قسم! جس نے نبی کو حق دے کر

بھیجا، اگر مجھے تیرا حق ضائع ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر قلم کر کے رکھ دیتا، محبت کا اندازہ دیکھئے۔ "ورسول الله ينظر الىٰ عمر فی سکون و تبسم" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سکون اور مسکرا کر دیکھ رہے ہیں۔ "ثم قال يا عمر انا وهو الىٰ غير هذا من احوج" پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عمر، میں اور یہ بندہ تیرے دوسرے برتاؤ کے زیادہ محتاج تھے۔ "ان تامره بحسن الاقتضاء وتامرنی بحسن القضاء" عمر! تجھے چاہئے تھا کہ تو اس کو کہتا کہ مطالبہ اچھے طریقے سے کرنا چاہئے اور مجھے بھی سمجھاتا کہ قرض جلدی سے ادا کرنا چاہئے۔ "اذهب يا عمر فاقض حقه وزد عشرين صاعا مكان ماروعته" اے عمر! جاؤ اس کو اس کا حق دے اور بیس صاع زیادہ دو کھجوریں اس وجہ سے جو تم نے اس کو کہا ہے کہ میں تیری گردن اڑا دوں گا تو حق بھی دو، لہٰذا بیس صاع کھجوریں اور زیادہ "وقال زيد" کہتے ہیں۔ "فذهب بی عمر فقضانی وزادنی" کہ میں عمر کے ساتھ گیا، انہوں نے میری کھجوریں بھی دیں اور بیس صاع زیادہ بھی دیں۔ "فاسلمت" میں واپس آیا اور میں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا تو میرے آقا کا حلم ایسا تھا کہ اس حلم کو دیکھ کر کافر کلمہ پڑھ لیا کرتے تھے۔

آج سوچئے کہ ہم اپنے اہل خانہ کے ساتھ حلم کا معاملہ کرتے ہیں؟ نہیں! یاد رکھئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے جانے لگے تو آخری بات یہ ارشاد فرمائی۔ "التوحيد التوحيد وماملكت ايمانكم" کہ توحید پر جمے رہنا اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا، آج سارا غصہ ہمارا ماتحتوں پر نکلتا ہے۔ حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا، جو بندہ ذمی کا یا اپنے ماتحت کا حق ادا نہیں کرے گا، میں قیامت کے دن اس کا وکیل بنوں گا اور اس کا حق اس کو لے کر دوں گا، اب سوچئے کل قیامت کے دن اگر بیوی نے مقدمہ دائر کر دیا کہ میرا جینا حرام کر رکھا تھا، اگر اولاد نے مقدمہ دائر کر دیا، اگر کام کرنے والے نوکروں نے مزدوروں نے مقدمہ دائر کر دیا تو ان کے جرنل تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنیں گے، جن کی شفاعت کی ہم تمنا رکھتے ہیں، اگر وہ ان کے وکیل بنیں گے تو ہمیں کون سی جگہ سمائے گی، آج وقت ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں سے سچی توبہ کریں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت حلم ذاتی ہے اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور بقیہ زندگی حلم کے ساتھ گزاریں۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

☆......☆......☆

دین سراسر نصیحت کا نام ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دین سراسر نصیحت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا، کس کے لئے؟ اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔ (مسلم)

فائدہ:...... اللہ تعالیٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، پوری طرح اس کی عبادت کی جائے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کا حکم مانا جائے، پوری طرح ان سے محبت کی جائے، جہاں سے روکیں، رکا جائے، مقتداؤں کی خیر خواہی یہ ہے کہ انہوں نے جو خدمات سرانجام دی ہیں، ان کا شکر ادا کیا جائے، ان کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا جائے، عام مسلمانوں کی یہ ہے کہ ان کے حق ادا کئے جائیں، جیسا کہ دعوت قبول کی جائے، سلام کا جواب دینا، چھینک کر الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہنا، جنازہ کے ساتھ جانا، پیٹھ پیچھے خیر خواہی کرنا۔ (شرح نووی)

(نعیم خان، راولپنڈی)



انسان اپنی زندگی میں، چاہے کتنی ہی عزم وہمت کے ساتھ خوبصورت رنگ بھر کر اسے حسین تر بنانا چاہے مگر اس میں اگر قدرت کی مرضی شامل نہ ہو تو وقت تمام رنگوں کو حادثات وواقعات کے برش سے مٹا کر اپنی مرضی کے رنگ بھر دیتا ہے، جس پر انسان کو شاداں فرہاں ہو کر زندگی گزارنی پڑتی ہے، جیسے آج کل میں گزار رہی ہوں، لیکن کبھی کبھی وقت کی ہوا زندگی کی کتاب کے صفحات کو پلٹاتی ہے کہ بے اختیار ماضی کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں، مہندی کی پر رونق رات کے ہنگامے ابھی پھیکے نہ پڑے تھے، یوں تو میرے سسرال والے میرے ہاتھوں میں کاشف کے نام کی مہندی لگا کر رخصت ہو چکے تھے، مگر دلہن کے گھر کے ہنگامے و رونق تو دولہن کے رخصت ہونے کے بعد ہی رخصت ہوتے ہیں، سو وہ جاری تھے، میری سکھیاں سہیلیاں میرے سامنے اپنے دوپٹوں پر گوٹے کنارے لگاتی بڑے جوش وخروش سے کل شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں، اتنے میں رات گئے ٹیلی فون کی گھنٹی نے ہم سب کو چونکا دیا، شاید بھیا کا امریکہ سے فون ہوگا، مجھ سے چھوٹی بہن سمیرہ تیزی سے فون اٹھانے آگے بڑھ گئی، تھوڑی دیر بعد وہ واپس پلٹ کر دیوانہ وار امی ابو کو آوازیں دیتی باہر نکل گئی، اس کی گھبراہٹ ودیوانگی یقیناً کسی روح فرسا خبر کی پیشین گوئی تھی، ساری سہیلیاں اور کزنز وغیرہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑیں اور میں دل کو تھامے تھامے وہیں پر ڈھیر ہو گئی، پھر تو گھر میں کہرام سا مچ گیا کہ کاشف اپنے کمرے میں سجی ہوئی جھالر جو چھت کے پنکھے میں پھنس گئی تھی، ٹھیک کرنے اوپر چڑھے کہ اچانک پنکھا ان کے سر پر آ گرا اور وہ بیہوش ہو گئے، ان کی حالت بے حد نازک ہے، ڈاکٹر ابھی کوئی امید افزا بات نہیں کر رہے ہیں، دونوں ہی شادی کے گھر اس حادثے سے ماتم کدہ بن کر رہ گئے، پھر نا جانے کتنی ہی دیر آئی سی یو میں رہنے کے بعد ڈاکٹروں نے کاشف کو مکمل طور پر ذہنی وجسمانی طور پر مفلوج قرار دے کر یہ کہہ کہ جب تک ان کے مقدر میں سانسیں لکھی ہیں، یہ زندہ رہیں گے، واپس گھر بھیج دیا، کاشف کی ماں تو اتنے کڑیل وجوان بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں، میرے ماں باپ کے پاس بھی میری بدنصیبی پر آنسو بہانے کے سوا کچھ نہ بچا، زبان خلقت تو کہنے کے بہانے مانگے، کسی نے مجھے منحوس قرار دیا تو کسی نے خدا کا شکر ادا کرنے کو کہہ کر خوش

قسمت قرار دیا کہ اگر نکاح کے بعد یہ حادثہ ہوجاتا تو ساری زندگی کس عذاب میں گزرتی، میں نے اور والدین نے سب کچھ بڑی استقامت سے سننے کی عادت ڈال کر جینا سیکھ لیا، یا شاید وقت پڑنے پر انسان سب کچھ سیکھ لیتا ہے، تقدیر میں اگر کرب کے صحرا کا سفر لکھا ہے تو ہر حال میں ہم کو یہ سفر کرنا ہی پڑتا ہے، کاشف اور میری شادی بالکل ارینج میرج تھی، ہم لوگوں نے ایک دوسرے کو صرف ایک دو بار ہی سرسری انداز سے دیکھا تھا، محبت کا کوئی رشتہ ابھی ہمارے درمیان قائم بھی نہ ہوسکا کہ حادثہ پیش آگیا، مگر اپنی بربادی سے زیادہ دل اس کی معذوری پر خون کے آنسو بہاتا تھا، میری اب اس شادی کی خواہش اس لئے تھی کہ میں اس بے بس معذور شخص کی خدمت کرنا چاہتی تھی، مگر نہ میرے والدین اور نہ ہی کاشف کے والدین میری اس قربانی پر راضی ہوئے، بھلا ایک نازک اندام سی لڑکی اتنا بڑا بوجھ کیسے اٹھاسکتی ہے، آہستہ آہستہ وقت کے رحم دل ہاتھوں نے ہمارے آنسوؤں کو خشک کرکے زخموں پر مرہم رکھنا شروع کردیا، مگر اب جب بھی میرے لئے کوئی رشتہ آتا اور یہ سب کہانی سنتا تو کسی نہ کسی بہانے سے دبی دبی زبان میں میرے بجائے میری چھوٹی بہنوں کے لئے رشتہ دے جاتا، میرے کھرنڈ لگے زخم پھر رسنے لگتے، میرے والدین پھر صدمے سے بے حال ہوجاتے، پھر میں نے زبردستی والدین کو سمجھایا کہ غم و دکھ میں ہر وقت پڑے رہنے سے حالات نہیں بدلتے، آپ کو اب میرے بجائے سمیرہ اور نویرہ کی فکر کرنی چاہئے، میرے والدین نے میری بات مان لی، سمیرہ کی شادی کے تین ماہ بعد ہی اچانک کاشف کے والدین اپنے چھوٹے بیٹے آصف کے لئے مجھے مانگنے میرے گھر آگئے، ان فرشتہ صفت انسانوں کو یہ احساس ستانے لگا کہ ان کے بیٹے کی وجہ سے میری زندگی بھی تباہ ہورہی ہے، میرے والدین بہت خوش اور مطمئن ہوگئے اور میں نے بھی نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی محبت کے سامنے سر جھکا دیا، ہزار وسوسے، اندیشے دل میں بسائے میں آصف کی دلہن بن کر سسرال کی دہلیز پر قدم رکھا، مگر آصف سمیت تمام سسرال والوں کی نگاہوں میں اپنے لئے بے پناہ پیار و محبت، احترام دیکھ کر لمحے بھر میں تمام وسوسے اندیشہ ہوا بن کر اڑ گئے، اللہ نے مجھے بڑے عزت و احترام کے ساتھ اسی گھر کی بہو بنادیا، ان پانچ سالوں میں میرے گلشن میں اسامہ اور ذیشان کے پھولوں کی مہکار بھی شامل ہوگئی ہے، مجھے اپنی ساس اور بے پناہ محبت کرنے والے شوہر آصف کے ساتھ اپنے جیٹھ کاشف کی خدمت کرنے سے بڑا ہی روحانی سکون میسر ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

بہت ہی اہم نصیحت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اور ایک خاص اثر آپ کے چہرۂ مبارک پر تھا، میں نے دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی کہ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو، وہ پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمن کے خلاف مجھ سے مدد مانگو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔"

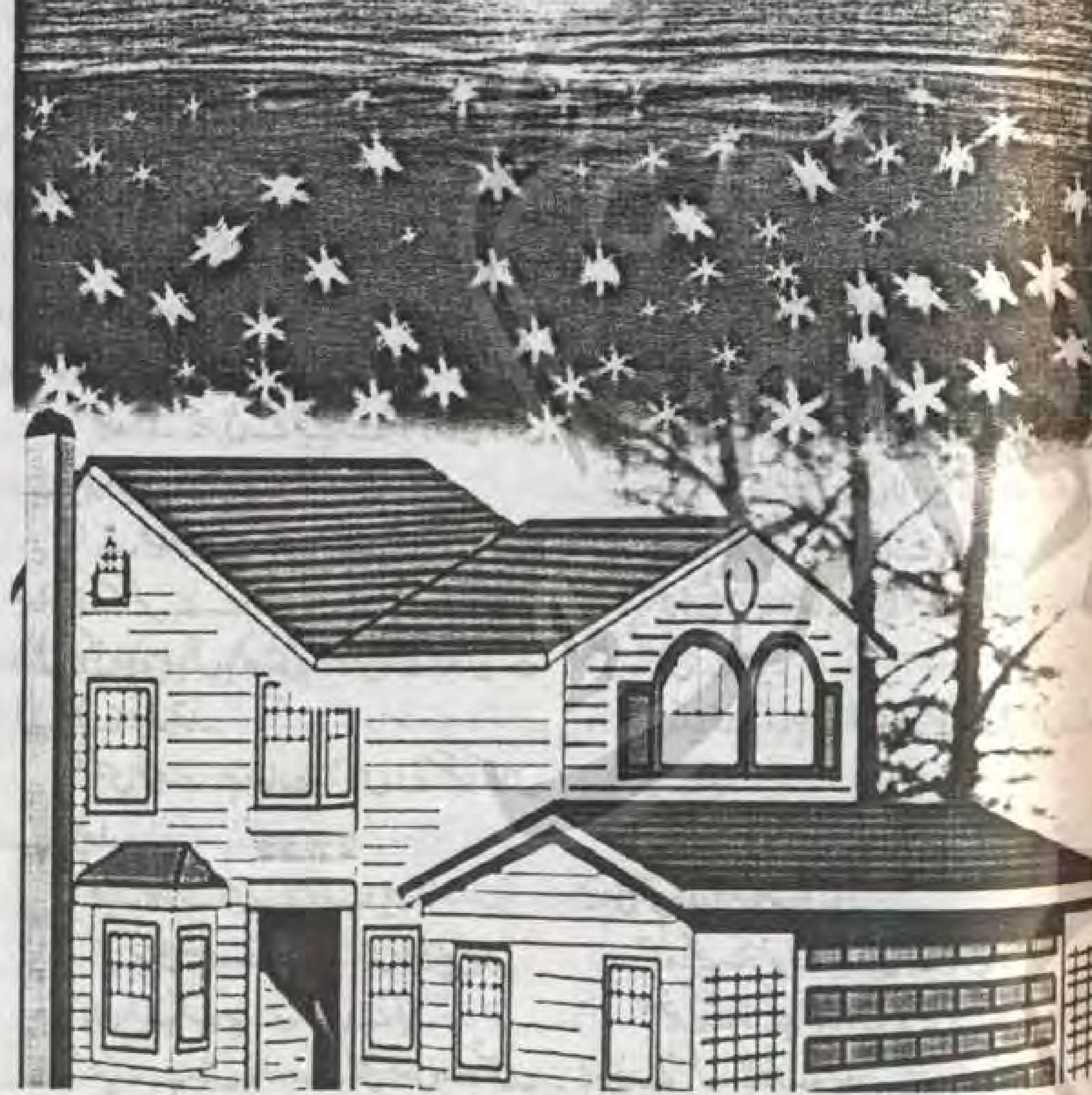
بس یہی باتیں فرما کر آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ (ابن ماجہ، ابن حبان)

(بنت اکرام، ملتان)

تیرے عشق کی انتہا چاہئے

قسط نمبر 5

مریم غازی



"ہاں مجھے بھوک لگ رہی ہے، ذرا اپنے ہاتھ کی چائے اور چکن کٹلس کھلاؤ" اس نے بڑے آرام سے لان چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا..... آآآآ" اس نے لمبا سا اچھا کہہ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے اپنے ہاتھ کیا ادھار دیئے ہوئے ہیں، خود بنالو ناں۔" وہ بولی۔

"میرے ہاتھ ابھی ریسٹ کررہے ہیں، تمہارے ہاتھ فری ہیں، اس لئے انہیں زحمت دو۔" اس نے کہا۔

"میرے ہاتھ بالکل بھی فری نہیں ہیں، یہ میرے

ساتھ کتاب پڑھ رہے ہیں۔" نمرہ نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔
"میں نے بانو سے کہہ دیا ہے، وہ چائے لے کر آرہی ہے، تم یہ کتاب رکھو، میں بہت سخت بور رہی ہوں، پتہ نہیں مما کب آئیں گی؟" اس نے کہا۔
"اچھا، میں ذرا معارج کو دیکھ کر آتی ہوں، مما نے کہا تھا اس کا خیال رکھنا۔" نمرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"ہاں دیکھ آؤ۔ وہ بھی اپنے روم میں لیٹا رہتا ہے، اتنی بوریت ہے ناں۔" یسریٰ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
"ایک تو تمہارے سر پر ہمیشہ بوریت کا بھوت سوار رہتا ہے، میں تو بور نہیں ہوتی۔" نمرہ نے کہا اور اندر کی طرف چل دی۔
"تم ہو ہی بوڑھی روح۔" جاتے جاتے اس کے کانوں میں یسریٰ کی آواز آئی تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"جلد آنا۔" یسریٰ نے پیچھے سے آواز لگائی تو اس نے سر ہلا دیا۔
"بک شیلف میں کتاب رکھنے کے بعد اس نے معارج کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوگئی، وہ موبائل ہاتھ میں لئے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔
"کیسی طبیعت ہے معارج؟" اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔
"ٹھیک ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" اس نے پوچھا۔
"ہاں، ایک کپ چائے۔" اس نے کہا۔
"ٹھیک ہے، میں خالدہ سے کہتی ہوں، وہ تمہیں چائے دے جائے گی۔" وہ یہ کہہ کر جانے لگی تو معارج نے اسے آواز دی، وہ رک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"اگر فری ہو تو تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" اس نے کہا تو نمرہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"Why Not، میں بالکل فری ہوں، ہم چائے ہی پینے لگے تھے، اس طرح کرو تم باہر چلو، اتنے دنوں سے کمرے میں بند ہو، باہر نکلے ہی نہیں۔" نمرہ نے بڑے خوشگوار لہجے میں اس سے کہا۔
"نہیں، میرا دل نہیں چاہ رہا اٹھنے کا۔" اس نے کہا۔
"کم آن معارج! طبیعت فریش ہو جائے گی۔" نمرہ نے کہا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"باہر لان میں چلتے ہیں۔" نمرہ نے کہا۔
"نہیں، یہاں ہی بیٹھتے ہیں۔" وہ وہیں لونگ روم میں بیٹھ گیا۔
"خالدہ! یسریٰ کو اندر بلا لاؤ۔" اس نے قریب سے گزرتی ملازمہ سے کہا تو وہ باہر چلی گئی۔
"نمرہ! تم کل شام کو کیا پڑھ رہی تھی، اونچی آواز میں؟" معارج نے اس سے پوچھا۔
"کل شام کو؟" اس نے حیرت سے کہا۔
"ہاں، کل شام کو تم یہاں لاؤنج میں بیٹھ کر اونچی آواز میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔" اس نے یاد دلایا۔
"لاؤنج میں، اچھا میں اپنا تفسیر کا سبق پڑھ رہی تھی۔" اس نے بتایا۔
"وہ کیا تھا، تم کیا پڑھ رہی تھی، مجھے سناؤ؟" اس نے بے چینی سے کہا۔
"وہ سورۃ اعراف کی آیات تھیں۔" نمرہ نے بتایا۔ یسریٰ بھی اندر آکر بیٹھ چکی تھی۔
"وہ مجھے سناؤ نمرہ۔" معارج نے پھر کہا۔
"خیریت تو ہے، بخار زیادہ تیز تو نہیں ہوگیا؟" یسریٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"نہیں، پلیز وہ سناؤ۔" معارج اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔
"مجھے سب بالکل صحیح طرح سے یاد نہیں ہے معارج!" نمرہ اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولی۔
"جب باجی ٹیسٹ لیں گی، تب مجھ سے پوچھتی

رہنا۔" یسریٰ بولی۔
"میں تمہیں ترجمہ سنا دیتی ہوں۔" کچھ دیر تذبذب میں رہنے کے بعد نمرہ بولی۔
"چلو سناؤ۔" معارج اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔
"ان میں کچھ نیک لوگ ہیں اور کچھ دوسری طرح کے، ہم نے اچھی اور بری حالتوں سے ان کا امتحان لیا، تا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔"
"اچھی اور بری حالتوں سے ان کا امتحان لیا۔" اس کا کیا مطلب ہے؟ معارج نے پوچھا۔
"میں بتاتی ہوں۔" یسریٰ نے کہا۔
"سورۃ اعراف کی ان آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے، اچھی حالتوں سے مراد عیش و آرام اور مال و دولت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں مال و دولت کے ذخیرے اور عیش و عشرت کا سامان دے کر آزمایا کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی نعمتوں کا شکر بجالاتے ہوئے اس کے فرماں بردار ہو جائیں، لیکن انہوں نے ہٹ دھرمی اختیار کی، بری حالتوں سے مراد ذلت و خواری کے وہ واقعات ہیں، جو ہر دور میں بنی اسرائیل کا مقدر بنے، کیونکہ انہوں نے ہر دور میں ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا اور خدا کی نافرمانی میں ڈٹے رہے، جس کی سزا ان کو یہ ملی کہ وہ قیامت تک ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔" یسریٰ نے تفصیل بتائی۔
"اب تم تو ٹیسٹ میں پاس ہو جاؤ گی۔" نمرہ نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔
"ہاں تو اور کیا، تم بیٹھ کر میرا منہ دیکھتی رہنا۔" اس نے کہا تو نمرہ ہنس پڑی۔
"عیش و آرام اللہ کی طرف سے آزمائش کس طرح ہوگیا؟ یہ تو اللہ کی نعمتیں ہیں۔" معارج نے نہ سمجھنے والے انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا۔
"نہیں معارج، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا غیر ضروری استعمال بھی غلط ہے، ہم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں، قیامت کے دن ہمیں اس کا حساب دینا پڑے گا اور معارج! بہت سے گناہ ایسے ہیں جو دولت مند لوگ کثرت سے کرتے ہیں، غریب لوگ اپنی غربت کی وجہ سے وہ نہیں کر سکتے، انسان عیش و عشرت میں ڈوب کر اللہ کو بھول جاتا ہے، ہماری اپنی مثال ہمارے سامنے ہے، اگر پاپا کی اور معتصم بھائی کی ڈیتھ نہ ہوتی تو ہم بھی تو یوں ہی زندگی گزار رہے تھے، یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہماری ہدایت منظور تھی تو معتصم بھائی کو ذریعہ بنا دیا۔" نمرہ نے کہا، معارج آہستہ آہستہ سر ہلانے لگا۔
"بس، تم بھی ٹیسٹ کلیئر کر لو گی، یسریٰ شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی تو نمرہ جس کی آنکھیں باپ اور بھائی کا ذکر کر کے گیلی ہو رہی تھیں، آہستہ سے مسکرا دی۔" اندرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو فاخرہ بیگم جو نمرہ کی آواز سن کر رک گئی تھیں، اس کی باتیں سن کر خدا کا شکر ادا کر رہی تھیں۔
"مما آگئی ہیں۔" یسریٰ کی نگاہ ان پر پڑی تو وہ بولی۔
"جی بیٹا! کیا ہو رہا تھا۔" انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ خاص نہیں مما! گپ شپ کر رہے تھے اور ساتھ چائے پی رہے تھے، میں آپ کے لئے چائے منگواتی ہوں۔" نمرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"اچھا، بانو سے کہو گاڑی میں شاپنگ بیگز پڑے ہیں، وہ نکال لائے۔" انہوں نے کہا۔
"اچھا، مما پھپھو ٹھیک تھیں، کرن باجی اور سارہ کیسی تھیں۔" نمرہ نے پوچھا۔
"ہاں ٹھیک تھیں، کرن بھی ٹھیک تھی اور سارہ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی، اس منتھ کا فرسٹ ویک ہے۔" انہوں نے بتایا۔
"اچھا۔" نمرہ اور یسریٰ دونوں ہی خوشی سے بولیں۔
"معارج! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" مما اس کی طرف متوجہ ہوئیں جو آہستہ آہستہ چکن کٹلس کھا رہا تھا،

اس دن فاخرہ مبین کی باتوں کے بعد سے وہ بہت بدل گیا تھا، پھر اس بیماری کے دوران ماں اور دونوں بہنوں نے اس کا بے حد خیال رکھا تھا، جس کی وجہ سے وہ بہت متاثر ہوا تھا۔

مما! سارہ کی شادی کے لئے ہم بھی تیاری شروع کردیں ناں۔" یسریٰ نے کہا۔

"جی بیٹا! آج آپ دونوں کے لئے کچھ کپڑے لائی ہوں، وہ دیکھ لو، پھر کسی دن چل کر باقی شاپنگ کرلینا۔" انہوں نے کہا۔

"اچھا، میں نمرہ کے آنے سے پہلے جلدی سے دیکھ لوں، جو زیادہ پیارا ہوا وہ میں پہلے لے لوں گی۔" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی تو فاخرہ مبین اس کے اس بچکانہ انداز پر ہنس پڑیں، معارج کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

چائے آگئی تو وہ گھونٹ گھونٹ کرکے چائے پیتے ہوئے معارج کے بارے میں سوچنے لگیں۔ نمرہ اور یسریٰ دونوں بیگز کھول کر کپڑے دیکھتے ہوئے زور وشور سے اس پر تبصرے کررہی تھیں۔

"مما! میں بتارہی ہوں کہ یہ والا فراک میں لوں گی۔" یسریٰ کی آواز پر وہ متوجہ ہوئیں جو کہ سکن شیفون کا بلیک ویلیوٹ کے پیچز والا فراک ان کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"مگر مما! اس نے پچھلی مرتبہ بھی اپنی مرضی سے لیا تھا، اب میں لوں گی۔" نمرہ نے احتجاجاً کہا۔

"اُف خدایا! ایک تو تم دونوں لڑتی ہی رہتی ہو، ایک جیسے کپڑے بھی تم لوگوں نے نہیں پہننے ہوتے اور پسند بھی تم دونوں کو ایک ہی ڈیزائن اور پرنٹ پسند آتا ہے، دوسرا نکال کر دیکھو، وہ بھی ایسا ہی ہے، صرف کلر دوسرا ہے۔" انہوں نے کہا تو نمرہ نے بیگ میں سے دوسرا فراک نکالا، پنک اور پرپل امتزاج والا پاؤں تک لمبا فراک بھی بے حد خوبصورت تھا۔

"میں لوں گی۔" نمرہ نے کہا۔

"ہر مرتبہ تم ہی خوبصورت ڈریس لیتی ہو۔" یسریٰ نے منہ بنایا۔

"بس اب انہیں رکھ دو، نماز کا وقت ہوگیا ہے پڑھ لو، معارج بیٹا تم بھی نماز پڑھو۔" فاخرہ مبین اٹھتے ہوئے بولیں۔

"جی مما۔" حیرت انگیز طور پر معارج یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا، فاخرہ دل ہی دل میں خدا سے ان تینوں کے لئے دعا مانگتے ہوئے اوپر آگئیں۔

☆......☆......☆

سڑک پر یونہی بے دھیانی سے چلتے ہوئے اس نے مڑ کر پھولوں سے ڈھکے ہوئے سفید ماربل کے خوبصورت سے گھر کی طرف دیکھا، اتنے بڑے اور خوبصورت گھر کے مکین صرف دو بوڑھے وجود تھے اور ان دونوں کی اس کے ساتھ شفقت اور محبت حیران کن تھی، ابھی کچھ دیر پہلے وہ، وہاں اس گھر میں ان کے ساتھ بیٹھی کولڈ کیک کھارہی تھی، حالانکہ یہ اس کی ان کے ساتھ دوسری ملاقات تھی، پہلی ملاقات بھی بڑے عجیب انداز میں ہوئی تھی۔

اس دن صبح سے ہی وہ اداس اور پریشان تھی، عید کی چھٹیوں کے بعد اسکول کھل چکے تھے، اسکول میں بھی وہ ٹھیک طرح سے نہ پڑھ پائی تھی، اس کی بے توجہی پر ٹیچر نے اسے ڈانٹا تھا، جس کی وجہ سے اس کا موڈ اور خراب ہوگیا تھا، اس کی سیٹ فیلو اروی بھی اس دن نہ آئی تھی، عید کا دن جس طرح روتے روتے گزرا تھا، اس کی وجہ سے اگلے دن صبح اسے تیز بخار ہوگیا تھا، ابو اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئے تھے، ڈاکٹر کو چیک کروانے کے بعد گھر آکر بھی انہوں نے اس کا بے حد خیال رکھا، اس کے اصرار پر انہوں نے اس کے ساتھ اس کی امی کی باتیں بھی کیں تھیں، اسے یہ جان کر حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوئی کہ اس کے تین عدد ماموں اسی شہر میں مقیم ہیں، ابو نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے ٹھیک ہونے پر وہ

اسے ماموں کے گھر لے چلیں گے، وہ اس کے لئے اس کی پسند کی اردو اور انگریزی ناولوں کی ڈھیروں کتابیں لائے تھے، اتنی ڈھیر ساری خوشیاں اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھیں۔

"شاید زندگی اب اس پر مہربان ہوگئی ہے۔" اس نے سوچا تھا، وہ جلد از جلد ٹھیک ہونا چاہتی تھی تاکہ اپنے ماموں سے ملنے جاسکے۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ ماموں کو ممی کے بارے میں بتائے گی اور پھر اگر ماموں نے کہا تو وہ ان کے پاس رہ جائے گی، مگر اس کی سوچوں اور خیالات کے برعکس جب وہ ابو کے ساتھ ان کے گھر گئی تو اسے بالکل مایوسی ہوئی، بڑے سے پلاٹ پر ساتھ ساتھ بنے ہوئے تین پورشن، تینوں بھائیوں کے تھے، ملازم کی رہنمائی میں وہ اور ابو ایک پورشن کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے، کافی دیر ان دونوں کو وہاں اکیلے بیٹھے ہوگئی تو وہ بے چین ہوگئی، اس کا جی چاہا کہ وہ خود اٹھ کر اندر چلی جائے، مگر پھر ایک ملازم کولڈ ڈرنکس لے کر آگیا اور پھر ایک ماڈرن سی خاتون بھی اندر داخل ہوئیں، ابو اور وہ دونوں ہی انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئے، مگر وہ اسے نظر انداز کرتی ہوئیں ابو کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"بہت عرصے بعد چکر لگایا ہے آپ نے۔" وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"جی، یہ امن ہے عذرا کی بیٹی۔" ابو نے اس کا تعارف کروایا، اس نے سوچا کہ شاید اب وہ اسے گلے لگائیں، پیار کریں، مگر ایسا کچھ نہ ہوا، انہوں نے صرف اتنا ہی کہا۔

"اچھا، کافی بڑی ہوگئی ہے۔"

"یہ تمہاری بڑی ممانی ہیں۔" ابو نے اسے بتایا۔

"ماموں کہاں ہیں؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ تو گھر نہیں ہے، کاروبار کی وجہ سے بہت مصروف رہتے ہیں ناں۔" انہوں نے بتایا۔

"پڑھتی ہو؟" انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

"جی، سیونتھ کلاس میں؟ باقی سب لوگ کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"میرے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، سب اپنی اپنی مصروفیات والے ہیں، آپ سنائیں مصطفیٰ صاحب، آپ کے بیوی، بچے ٹھیک ہیں؟" وہ اس سے بات کرکے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں، امن کو عجیب سا احساس ہوا۔

"جی، اللہ کا شکر ہے۔" انہوں نے مختصر جواب دیا، ملازم چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آگیا تھا۔

"آپ لوگ چائے پئیں، میں ابھی آتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔

"عذیر صاحب کیا کررہے ہیں؟" ابو نے ملازم سے پوچھا۔

"جی، اپنے کمرے میں ہیں، ابھی چائے منگوائی ہے۔" اس نے بتایا تو امن کی نگاہیں بے اختیار ہی ابو کی طرف اٹھ گئیں، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہے، کچھ ہی دیر میں ممانی واپس آگئیں۔

"شکریہ، اب ہم چلتے ہیں، امن کو بہت شوق تھا اپنے ننھیال والوں سے ملنے کا۔" ابو نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا، انہیں دیکھ کر امن بھی کھڑی ہوگئی، اس نے پُرامید نظروں سے ممانی کی طرف دیکھا کہ شاید وہ اسے رکنے کو کہیں، مگر انہوں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے ہزار کا نوٹ اس کی ہتھیلی پر رکھنا چاہا جو کہ ابو نے واپس کردیا۔

"شکریہ، اس کی ضرورت نہیں، خدا حافظ۔" ابو نے کہا اور امن کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے باہر نکلتے چلے گئے۔

گاڑی میں بھی وہ بالکل خاموش رہی، ابو نے اس سے کہا بھی کہ وہ اسے فورٹرس لے چلتے ہیں، لیکن اس نے انکار کردیا اور گھر آگئی، اگلے دن اسکول میں بھی اس کا موڈ خراب رہا، شام کو وہ یونہی باہر نکل آئی، ان کی اسٹریٹ میں ہی چھوٹا سا ایک پارک تھا، جہاں شام میں عموماً

لڑکے کرکٹ وغیرہ کھیلتے تھے، وہ بھی وہیں جا کر بینچ پر بیٹھ گئی، سب بچے اپنے اپنے کھیلوں میں مگن تھے۔

"میری زندگی دوسرے سب لوگوں سے اتنی مختلف کیوں ہے؟" اس نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ ٹکاتے ہوئے سوچا۔

"یا اللہ! میرا اس دنیا میں ابو کے سوا کوئی دوسرا محبت کرنے والا رشتہ کیوں نہیں ہے۔" اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

"سب بچوں کے ماں، باپ ہوتے ہیں، ننھیال، ددھیال کے محبت کرنے والے رشتے ہوتے ہیں، میرا کوئی ایسا رشتہ کیوں نہیں۔"

"صرف ابو تھے، وہ بھی کبھی کبھی ایسے غافل ہوجاتے تھے، جیسے جانتے ہی نہ ہوں، جیسے وہ کوئی فالتو شے ہو، جسے ایک طرف ڈال دیا گیا ہو، جس کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو۔"

اسے پتا ہی نہ چلا کہ سوچتے سوچتے کب آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر چہرے کو بھگو گئے تھے، وہ یوں ہی گیلی آنکھوں اور بھیگے چہرے کے ساتھ پارک کی گہما گہمی دیکھتی رہی۔

"Any Problem Cute Girl" ایک بزرگ شخصیت نے اس کے بالکل قریب آکر شفقت سے پوچھا تو وہ چونک گئی۔

"NO" اس نے کہا اور جلدی جلدی ہاتھوں کی پشت سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی، مگر وہ کہتے ہی چلے گئے۔

"یہ آنسو بھی ناں، جب روکنا چاہو تو بہتے چلے جاتے ہیں اور جب بہتے ہوتے ہیں تب آنکھوں کے سوتے بالکل خشک ہوجاتے ہیں۔"

"I am Like Your Father Please tell me" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

انسان کی فطرت ہے کہ جب اس کا دل دکھی ہوتا ہے تو کسی طرف سے ذرا سی بھی ہمدردی اور شفقت پر وہ اپنا دل کھول کے رکھ دیتا ہے، امن کا بھی بالکل یہی جی چاہا کہ اس مہربان شخصیت کے سامنے اپنا دل کھول دے، دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"اتنی چھوٹی سی عمر میں ایسی کیا بات ہوگئی ہے، جس نے آپ کو یوں رونے پر مجبور کردیا ہے۔" مہربان شخصیت والے بزرگ نے اس کو یوں روتے دیکھا تو پوچھا۔

"اگر مناسب سمجھو تو مجھے بتاؤ، کیا مسئلہ ہے؟" انہوں نے پھر کہا۔

"نہیں، کسی بھی دوسرے شخص کو اپنے گھر کے بارے میں نہیں بتانا چاہئے، اپنے مسئلے خود ہی سلجھانے ہوتے ہیں۔" اتنی عمر میں امن نے آنسو کو صاف کرتے ہوئے شاید پہلی مرتبہ کوئی عقل مندانہ بات سوچی تھی، اس نے سر اٹھا کر نورانی داڑھی، مہربان چہرے والے بزرگ کی طرف دیکھا۔

"بس یوں ہی، کوئی بات نہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"وہ سامنے میرا گھر ہے، وہاں چلتے ہیں۔" انہوں نے سفید ماربل کے اس خوبصورت گھر کی طرف اشارہ کیا تو اس نے تذبذب سے پہلے گھر اور پھر ان کی طرف دیکھا۔

"میرے گھر میں صرف میں اور میری بیوی ہوتی ہے، مجھے تم خورشید انکل کہہ سکتی ہو، تم مصطفیٰ صاحب کی بیٹی ہو ناں۔" انہوں نے اس کے تذبذب کو دیکھتے ہوئے وضاحت کی، اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے تمہیں مصطفیٰ صاحب کے ساتھ دو تین مرتبہ دیکھا ہے۔" چلتے چلتے انہوں نے بتایا، وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتی گئی، ان کا گھر اسی روڈ پر ان کے گھر والی لائن میں بالکل کارنر پر تھا، ان کی بیوی باہر لان میں ہی بیٹھی تھیں، گرے گرے بالوں والی سلیقے سے سر پر

دوپٹہ جمائے سوبر اور نفیس سی خاتون اسے پہلی نظر میں ہی بڑی اچھی لگیں۔

"فاطمہ! یہ ہماری بیٹی ہے، اس کے لئے بہت اچھی سی چائے بنواؤ۔" انہوں نے کہا، وہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کس کی بچی کو لے آئے ہیں۔" انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔

"بھئی، اسی گلی میں مصطفیٰ صاحب کا گھر ہے، ان کی بیٹی ہے۔" بزرگ جنہوں نے اسے اپنا نام خورشید بتایا تھا، کہا، تو خاتون نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا اور محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

"آپ بیٹھیں، میں ابھی چائے کے لئے کہہ کر آتی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر اندر چلی گئیں اور وہ وہیں لان چیئر پر بیٹھ گئی۔

"آپ دونوں یہاں اکیلے رہتے ہیں۔" امن نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں، میرے دو بیٹے ہیں، دونوں اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ باہر ہوتے ہیں، بڑا بیٹا ہانگ کانگ ہوتا ہے، اس کی بیوی ترکی ہے، اچھی لڑکی ہے، اس کی دو بیٹیاں ہیں، دوسرا بیٹا آسٹریلیا ہوتا ہے، اس کی بیوی پاکستانی ہے، اس کے تین بچے ہیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"آپ ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟" اس نے پوچھا۔

"بس بیٹا!" وہ مسکرائے۔

"ہمیں اپنے وطن کی مٹی عزیز ہے، اب آخری عمر یہاں ہی گزاریں گے۔" انہوں نے کہا۔

"وہ یہاں نہیں آتے؟" اس نے پوچھا۔

"بڑا بیٹا دو سال پہلے آیا تھا، چھوٹے بیٹے سے پانچ سال پہلے ملاقات ہوئی تھی، وہاں آسٹریلیا میں ہی، ہم دونوں گئے تھے، بڑے بیٹے سے مہینے میں ایک مرتبہ فون پر بات ہوجاتی ہے، چھوٹے بیٹے کا بس عید پر ہی فون آتا ہے۔" انہوں نے بتایا۔

"وہ آپ کو یاد نہیں آتے، آپ ان کو کہتے کیوں نہیں کہ یہاں آکر رہیں۔" امن نے حیرت سے پوچھا تو وہ دھیمے سے مسکرائے۔

"وہ لوگ اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہیں، اپنی فیملیز کے ساتھ سیٹل ہیں، یہاں آکر کیا کریں گے۔" انہوں نے کہا تو امن کو بے حد افسوس ہوا، وہ اپنا غم بھول کر ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میرا نام امن ہے۔" اس نے پوچھا۔ بزرگ شاید باتوں کو ترسے ہوئے تھے یا امن کا دھیان بٹانا چاہتے تھے، جو کچھ بھی تھا وہ کچھ دیر پہلے والی کیفیت سے مکمل طور پر باہر نکل چکی تھی۔

"تم کون سی کلاس میں پڑھتی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں سیونتھ کلاس میں پڑھتی ہوں۔" اس نے بتایا۔

"پارک میں بیٹھ کر کیوں رو رہی تھیں؟" انہوں نے پوچھا تھا تو وہ سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ اپنے مسئلوں کو اپنے تک ہی محدود رکھا جائے۔" انکل نے کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد کہا۔

"مسئلوں کو اپنے تک ہی محدود رکھنے سے مسئلے حل ہوجاتے ہیں کیا؟" اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"اگر نہ بھی حل ہوں تو انسان اس طرح اسٹرونگ ہوجاتا ہے اور زندگی کی تکلیفوں اور مسئلوں کو فیس کرنے کا حوصلہ پیدا ہوجاتا ہے اور پھر بیٹا! آج کل کے دور میں کسی کو دوسروں کے مسائل سے کوئی غرض نہیں ہوتی، اپنے مسائل دوسروں کے سامنے بیان کرنے کے بجائے اپنے رب کے سامنے بیان کرو، مسائل تو اللہ نے ہی حل کرنے ہیں تو پھر اسی ذات کے سامنے بیان کرنا

چاہئے۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھتے ہوئے دھیمے اور پروقار انداز میں کہا، اسی وقت آنٹی لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر آگئیں، ڈھیر ساری چیزوں سے لان میں رکھی ٹیبل بھرگئی۔

''آنٹی اتنا تکلف کیوں کیا؟'' وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

''بھئی اتنی پیاری بیٹی کے لئے یہ تو بہت کم ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے محبت سے اس کی پلیٹ میں چیزیں نکالیں۔

''بھئی آپ نے اپنی بیٹی کا نام بھی نہیں بتایا اب تک۔'' آنٹی نے انکل کی طرف دیکھا۔

''ہماری بیٹی کا نام بھی اس کی طرح خوبصورت ہے، امن مصطفیٰ۔'' انہوں نے بتایا۔

''لوناں بیٹا! تم یوں ہی بیٹھی ہو، بھئی تمہاری آنٹی نے آج تمہاری خاطر اتنا اہتمام کیا ہے ورنہ ہمیں تو خالی چائے پر ٹرخا دیتی ہیں۔'' انکل نے شرارتی انداز میں آنٹی کی طرف دیکھا۔

''ہاں، ہاں آپ کو تو موقع چاہئے، دوسروں کے سامنے میری برائیاں کرنے کا۔'' آنٹی نے خفا خفا انداز میں کہا۔

دونوں میاں بیوی اس سے یوں بے تکلف ہو رہے تھے، جیسے وہ ان کی حقیقی بیٹی ہو۔

''مجھے بیٹی کی بڑی خواہش تھی، لگتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری صورت میں پوری کردی ہے۔'' آنٹی نے کہا تھا۔

''میں کبھی کبھی آپ کے گھر آسکتی ہوں؟'' جاتے جاتے بے اختیار ہی اس کے منہ سے نکلا۔

''کبھی، کبھی کیوں، تم روزانہ آیا کرو۔'' آنٹی نے فوراً کہا تو وہ آہستہ سے مسکرا دی تھی۔

''پتہ نہیں ممی اسے یہاں آنے بھی دیں گی یا نہیں؟'' اس نے سوچا تھا۔

ممی کا خیال آتے ہی اس نے سوچا کہ وہ یقیناً اتنی دیر گھر سے باہر رہنے پر اس سے باز پرس کریں گی، تو وہ انہیں کیا بتائے گی۔

''آؤ میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں؟'' خورشید انکل نے اس کے خیالات جیسے پڑھ لئے تھے، آنٹی کو خدا حافظ کہتے ہوئے وہ ان کے ساتھ آگئی تھی، ابو دروازے کے باہر ہی کھڑے تھے، انہیں دیکھ کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔

.........(جاری ہے)........

اقوال زریں

☆......اگر انسان میں دس عادتیں ہوں اور ان میں سے نو اچھی ہوں، مگر ایک بری ان نو اچھی کو بھی غارت کرسکتی ہے۔

☆......دنیا ایک خوبصورت کتاب ہے، مگر بہت تھوڑے لوگ اسے پڑھنا جانتے ہیں۔

☆......اگر تم کسی کی راہ میں پتھر ہوگئے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔

☆......جذبات میں کوئی فیصلہ نہ کرو، کیونکہ یہ تھوڑی دیر کا بہکاوا ساری عمر کا پچھتاوا ہے۔

☆......جب کوئی نیکی کی بات سنو تو اسے پلے باندھ لو اور یہ نہ دیکھو کہ نیکوکار نے کہی یا بدکار نے، جس طرح کہ دریا کی تہہ میں سے موتی نکالے جاتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کوئی شریف شخص لایا ہے یا بدمعاش۔

☆......☆......☆

ابراہیم بن ادھم کا واقعہ

☆......ایک مرتبہ ابراہیم بن ادھم نے حمام میں جانے کا ارادہ کیا، مالک نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اجرت کے بغیر نہیں داخل ہوسکتے، یہ سن کر ابراہیم رونے لگے اور یوں فرمایا، یا اللہ مجھے شیطان کے گھر میں بلا اجرت کے داخلہ کی اجازت نہیں دی جارہی، جنت تو انبیاء و صدیقین علیہم السلام کا گھر ہے، اس میں اجرت کے بغیر کیونکر داخلہ ملے گا۔ (یعنی بغیر عمل کے)

(حفصہ اکرم، بلدیہ ٹاؤن، کراچی)



بات عجیب سی ہے لیکن سچ ہے کہ میں اپنے گھر کا راستہ بھول گیا ہوں اور اب پریشانی کے عالم میں گلیوں گلیوں بھٹک رہا ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ہر گھر کو دیکھ رہا ہوں، سب گلیاں مجھے اپنے گھر تک جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، ہر گھر پر اپنے گھر کا گمان گزرتا ہے مگر گلی ملتی ہے اور نہ گھر......!

مدتوں بے وطنی کی چادر اوڑھے رہا ہوں، ایک طویل عرصہ تک یہاں کی مٹی، پانی اور دھوپ کو ترستا رہا ہوں، مگر میرے دل میں اپنوں کی محبت، مٹی کی چاہت کا بیج گھر کے سائے دار تصور میں ایک ننھی سی کونپل سے چھتنار درخت کی صورت میں پھلتا پھولتا اور بڑھتا ہی رہا ہے......!

اور اب......اب میں اسی گھنے درخت کا سایہ اپنے دل و دماغ میں بسائے اپنے گھر کے راستے کے لئے بھٹک رہا ہوں۔

ایک گلی کے نکڑ پر رکنے کے بعد میں نے سوچا کہ پہلے وہ تمام نشانیاں تلاش کرلوں جو گھر کے آس پاس ہونے کے علاوہ میرے ذہن میں بھی موجود ہوں لیکن میرے ذہن میں جوں کی توں برقرار رہنے والی نشانیوں کا عکس میرے اطراف میں کھڑی ہوئی عمارتوں کے در و دیوار پر نظر نہیں آرہا ہے......شاید میں غلط جگہ آگیا ہوں......شاید قدموں تلے بچھے ہوئے راستے میرے ماضی کی سمت سے نہیں آرہے ہیں اور جو راستہ ماضی سے کٹ جائے، وہ آنے والی دھند میں اس طرح لپٹ جاتا ہے کہ آگے سوائے بے یقینی کی پرچھائیوں کے کچھ دکھائی نہیں دیتا، ان سارے خیالوں کے ساتھ ساتھ گھر کی تلاش کا خیال بھی ڈھلتی دھوپ کی مانند میرے ذہن کے

افق پر روشن تھا، رات ہونے سے پہلے پہلے اگر میں گھر تلاش نہ کرسکا تو کیا ہوگا؟ اس سوال نے میری جستجو کے پیروں میں پڑی ہوئی تساہل اور لاپروائی کی رہی سہی بیڑیاں بھی اتار پھینکیں اور میں دیوانوں کی طرح گلیوں کی بھول بھلیوں اور مکانوں کے جنگل میں اپنے ٹھکانے کے لئے دوڑ بھاگ کرنے لگا......!

جب تک سزا نہ ملے غلطیوں کا اعتراف کرنا تو دور کی بات ہے، ان کا احساس تک نہیں ہوتا، اب مجھے پچھتاوا ہونے لگا کہ میں نے گھر سے تنہا نکلنے کی غلطی کیوں کی...... آٹھ دس برس میں تو سارا شہر ہی نیا نیا لگ رہا تھا...... میں تو یہاں مانوس اجنبی بھی نہیں لگتا۔

جہاز سے اترتے وقت مجھے اپنی بیوی کا چہرہ یاد تھا، سب بچوں کی صورتیں آنکھوں میں بسی ہوئی تھیں، لیکن ایئرپورٹ کی روشنی میں سب کی شکلیں بدلی بدلی سی اور تصور سے مختلف دکھائی دیں، بیوی نے میرے بازو اس طرح پکڑ رکھے تھے جیسے باز اپنے شکار کو پنجوں میں دبوچ لیتا ہے۔ منجھلا اور چھوٹا بیٹا ڈھیلے ڈھیلے انداز میں گلے لگنے کے بعد سامان کی ٹرالی دھکیل کر لے جا رہا تھا اور بیوی کی عجلت ظاہر کررہی تھی کہ وہ میرے اور بیٹوں کے درمیان فاصلہ برابر رکھنا چاہتی ہے، میں نے چلتے چلتے بڑے بیٹے کے بارے میں پوچھا تو مجھے فخریہ لہجے میں بتایا کہ وہ اپنے کاروبار کو اور بڑھاوا دینے کے لئے شہر سے باہر گیا ہوا ہے، کل شام تک آجائے گا۔

کل رات اگر میں توجہ سے راستوں کو دیکھ لیتا اور گھر کی نشانیوں کو ذہن میں محفوظ کرلیتا تو آج یوں بے نشان نہ ہوتا، مگر کل تو میں ہجر کے عذاب سے نجات پانے کی مسرت اور وصل کی لذت کے حصار میں یوں کھویا ہوا تھا کہ اپنے آپ کو بھول بیٹھا تھا، ایک عشرے تک جو خواب دیکھتا رہا تھا ان کی تعبیر دیکھنے کی خوشی میں نئے گھر کے راستے اور فاصلے کو نظر انداز کر گیا تھا۔

جب ایک مکان کے سامنے جا کر گاڑی ٹھہری تھی تو چھوٹے بیٹے نے پھرتی کے ساتھ اتر کے سعادت مندی کے انداز میں دروازہ کھولا...... اب میں نے دیکھا، رواں سال کے ماڈل کی گاڑی تھی اور گھر بھی نیا تھا، میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی مجھے اندر لے جا کے ایک شاندار ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا، ایئرپورٹ سے لے کر یہاں تک میں ایک معمول کی طرح اشاروں پر چل رہا تھا، اپنوں کی قربت نے مجھ پر جادو سا کردیا تھا......!

میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب سی ہو کر رہ گئی تھی، بس آنکھیں میری تھیں، جلوہ ان کا، لیکن جب مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تو خواہ مخواہ مجھے ایک جھرجھری سی آئی، میں نے محسوس کیا کہ میں ایک طویل فاصلہ طے کرکے یہاں آیا ہوں، لیکن شاید دوری پھر بھی کم نہیں ہوئی ہے، اجنبیت کے احساس نے تو ایئرپورٹ پر ہی چٹکی سی لی تھی، آبادی بڑھ گئی ہے، ہر طرح کے مسائل بھی بڑھ گئے ہوں گے۔

پردیس میں تو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی تھی اور یہاں، اس سجے سجائے ڈرائنگ روم میں اپنے قریب رکھی ہوئی سائیڈ ٹیبل پر کانچ کے ڈیکوریشن پیس دیکھ کر مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ جیسے ہم سب کے درمیان شیشے کی دیواریں کھڑی ہیں، میں سب کی حرکات وسکنات دیکھ رہا ہوں، ہم سب کی نظریں ایک دوسرے پر ہیں، ہم ہنس رہے ہیں، بول رہے ہیں، لیکن جیسے ہم ایک دوسرے کو چھو نہیں سکتے، جیسے ایک دوسرے کی طرف محبت اور چاہت سے ہاتھ بڑھانے کی ہمت اس شیشے کی دیوار نے چوس لی ہے، باتیں ہورہی ہیں مگر لفظ ان دیواروں سے ٹکرا کر ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے ہیں اور اپنی ہی سماعتوں میں کرچیوں کے مانند چبھ کر ایک بے کلی سی پیدا کررہے ہیں اور یہ بھی کہ جس طرح برسات کے موسم میں رات کے سیاہ ورق پر بجلی کی چمک ایک ٹیڑھی ترچھی لکیر کھینچ جاتی ہے اسی طرح کبھی کبھی کوئی ایک آدھ لفظ، ادھورا سا جملہ خوفزدہ سا لمس، کھسیانی سی ہنسی، ان دیواروں

سے چھن کر آجاتی ہے ورنہ ایسا لگتا سب اپنی ہی اپنی کہہ رہے ہیں، کوئی کسی کی بات سن نہیں رہا ہے، سب کے ہاتھوں میں اپنے ہی ہاتھ ہیں۔

میرے وجود میں حبس اور گھٹن کی کیفیت پیدا ہونے لگی، میں نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور جوتے کے تسمے کھولنے کے لئے ذرا جھکا، اس وقت مجھے اپنی بیوی کی آواز سنائی دی، میں اس کے پرانے گرہستنوں والے لہجے کو پہچان گیا۔

”جب آپ نے دوسری مرتبہ پیسے بھیجے تو ہم نے یہ......“

ابھی میں اس شناسائی کی گرفت میں پوری طرح آیا بھی نہیں تھا کہ میری نظر پہلو بدلتے ہوئے اپنے بیٹے پر گئی، شاید یہ حبس ان کو بھی پریشان کررہا تھا، شاید اس بولتی ہوئی خاموشی سے وہ بھی بیزار ہورہے تھے، میں نے جب ان کے ہلتے ہوئے ہونٹ دیکھے تو ایسا لگا جیسے انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا ہے، میرے بارے میں نہیں، اس اجنبی دیس کے بارے میں جہاں میں مشقتوں کی سیج پر آرام کے خواب دیکھا کرتا تھا اور جہاں وہ مجھے اپنے ہر خط میں لکھتے تھے کہ میں ان کو بھی وہاں بلا لوں اور اکثر ان کا خط ای میل کے ذریعے آتا جس کو Save کرلیتا اور فرصت کے وقت پڑھتا اور فرصت صرف رات میں ہی ملتی تھی۔

ظلمت و نور نے بتایا ہے
رات اپنی ہے دن پرایا ہے

کبھی کبھی تو رات بھی اپنی نہیں رہتی تھی، نیند اور تھکان مل کر بستر پر دھکیل دیا کرتے تھے، لیکن پھر بھی میں پہلی فرصت میں پڑھ لیا کرتا اور اگر وہ کبھی اپنی یہی خواہش پوسٹ کردیتے تھے تو کئی بار پڑھنے کے بعد اور اپنے کام میں مصروف رہتے ہوئے بھی اس جیب کو تھپتھپاتا رہتا جس میں ان کا خط رکھا ہوتا، لیکن اب، جب میں ان کے سامنے بیٹھا ہوں تو ان کی گردنیں اس طرح جھکی ہوئی ہیں جیسے مجھ سے رشتے کا بوجھ ان کے سر پر رکھا ہو......!

جب میں اپنی جگہ سے اٹھا تو لاشعوری طور سے یہ احتیاط برتنے لگا کہ میں کہیں اس غیر محسوس شیشے کی دیوار سے ٹکرا نہ جاؤں، دیوار ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے میں ٹوٹ کر بکھر نہ جاؤں لیکن اس احتیاط کے باوجود مجھے گمان گزرا کہ کوئی شیشہ ٹوٹا ضرور ہے، جس کی چبھن کا احساس میرے تمام وجود میں پھیل گیا ہے۔

یہ ہجر کی طویل راتوں کی تھکان تھی یا اپنوں میں ملنے کی خوشی یا پھر ان کرچیوں کی چبھن تھی، میں رات بھر اس طرح نہیں سویا جیسے بے غل وغش پردیس میں سویا کرتا تھا۔

سویرے اکیلا گھر سے نکل کھڑا ہوا، یہ دیکھنے کے لئے کہ اس شہر سے بندھی ہوئی نسبتوں کی ڈور کہاں کہاں سے ٹوٹی ہے، کہاں کہاں سے پہلے کی طرح مضبوط ہے اور کہاں کہاں گرہ دے کر پرانے تعلقات کو بحال کیا جاسکتا ہے، تنہا نکلنے کی ایک وجہ تھی، مجھے بدیس میں معاش کی پابندیوں نے سحر خیزی کا عادی بنادیا تھا، پھر بھی بڑی دیر تک تنہائی لپیٹے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا، جب بیوی کو ٹہوکا دے کر اٹھایا تو اس نے جمائی لے کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

”افوہ، ابھی آپ کا جی بھرا نہیں۔“

”نہیں وہ بات نہیں۔“

”تو پھر سو جائیے، ہم دیر تک جاگتے اور دیر تک سوتے ہیں۔“

ہم لوگ......! کیا میری نفی کرنے کے بعد بھی یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے......؟ اس سوال کے ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہاں آتے ہی شاید میرا رویہ الفاظ کے ساتھ بھی کچھ بدل سا گیا ہے، ہر لفظ کے پردے میں دوری اور اجنبیت کے سائے نظر آنے لگے ہیں اور ہر سنے ہوئے فقرے سے غیریت کی بوباس محسوس ہونے لگی ہے۔

اس خیال کے آتے ہی پہلے مجھے خود پر ترس آیا، پھر ہنسی آئی، کیا ہوگیا ہے مجھے؟ میں انسانوں کا قصور بھی لفظوں کے سر منڈھنے لگا ہوں، ان بیچارے الفاظ کا کیا ہے، ایک کھیل ہے، ان سے گھروندہ بنادو یا بنا بنایا محل مسمار کردو، ان سے اجنبیوں کو ملا دو یا اپنوں کو غیر بنادو، ان کا تو کچھ نہیں بگڑتا، یہ تو سیپ کی طرح معنی کے موتی اپنے باطن میں چھپائے، بولنے اور لکھنے والے کی نیت کی ترجمانی کرتے رہتے ہیں۔

میں نے اپنی سوچ کے دھاگے کو زیادہ الجھنے سے پہلے لپیٹ دیا اور تیار ہو کر گھر سے نکل پڑا، کسی شہر کو دیکھنے کے لئے بھی آدمیوں کو سمجھنے کا سا انداز اختیار کرنا پڑتا ہے، یہ شہر تو میرا اپنا ہے، لیکن اس شہر سے، یہاں کی آب و ہوا سے، شام و سحر سے، اپنے پرائے لوگوں سے مانوس ہونے کے لئے عرصہ دراز کی غیر حاضری نے جو فاصلہ پیدا کیا ہے، اس فاصلے کو پاٹنے کے لئے مجھے تھوڑے سے وقت کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے تھک جانے کی پروا کئے بغیر پیدل چلنے کو ہی ترجیح دی، پردیس میں بھی تو اکثر کرایہ بچانے کے لئے پیدل چلتا تھا، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ شہر سے اجنبیت کم ہوتی رہتی ہے اور دوسرا یہ کہ بہت سے چور، راستوں کا پتا چل جاتا ہے، شہر میں گھومنے پھرنے سے معلوم ہوا کہ بعض علاقے میری طرح عمر رسیدہ ہوگئے ہیں، بعض میرے خیالات کی طرح بالکل ایسے ہی ہیں جیسا میں ان کو چھوڑ کر گیا تھا اور بعض کی کایا ہی پلٹ گئی ہے، یہی حال پرانے واقف کاروں کا پایا، کچھ تو ایسے ملے جیسے کبھی بچھڑے ہی نہیں تھے اور کچھ ایسے، جیسے مارے باندھے مل رہے ہوں، چند لوگ شہر چھوڑ گئے تھے اور کچھ دنیا، جب سورج نے ڈوبنے کا اشارہ دیا تو میں نے واپسی کا ارادہ باندھا، بس یہیں سے گڑ بڑ شروع ہوگئی، راستے آپس میں الجھ گئے اور میرے گھر کا راستہ گم ہوگیا، جب سوچنا شروع کیا تو یاد آیا میں تو گھر سے نکلتے ہی راستہ بھول گیا تھا، اب جس راستے پر قدم بڑھاتا وہ مجھے ڈرانے لگتا کہ گھر دوسری سمت ہے، اب کیا کروں؟ جہاں راستہ لے جا رہا تھا وہاں گھر نہیں تھا اور جہاں گھر تھا، وہاں کا راستہ بھول بیٹھا تھا۔

میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا رہا اور اس خیال سے ہی خجالت سی محسوس ہونے لگتی کہ کسی راہ گیر کو روک کر اس سے پوچھوں کہ مجھے میرے گھر کا راستہ بتادو، خاصی دیر تک کشمکش و پیچ میں مبتلا رہنے کے بعد اور مسلسل کسی بن جانے بوجھے راستے پر چلتے رہنے کے بجائے میں نے عافیت اسی میں جانی کہ اب شرمندگی تو ہوگی، مگر بھٹکنے سے بہتر ہے کسی سے اپنے گھر کا راستہ پوچھ ہی لوں، زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ میرا مذاق اڑایا جائے گا، مجھے نسیان کا مریض سمجھا جائے گا، کوئی پرواہ نہیں، ایسے ہی احساس و خیال کے ساتھ چلتے چلتے معلوم ہوا کہ سورج ڈوب گیا ہے اور میں جس راہ پر چلتا جا رہا ہوں وہ بہت سے مکانوں کے درمیان گھوم رہی ہے اور بالکل سنسان ہے صرف مکانوں کے روشندان اور کھڑکیوں سے ہلکی ہلکی روشنی، پلکیں جھپک جھپک کے دیکھ رہی ہوں، میں ایک انجان سی گلی کے نکڑ پر تنہا حیران سا کھڑا تھا کہ اچانک اس گلی میں قدموں کی چاپ ابھری، میں چوکس ہوگیا، آنے والے سے اپنے گھر کا پتہ معلوم کر ہی لوں گا، مگر وہ میری طرف آنے کے بجائے ایک مکان کے سامنے جا کے رک گیا، میں لپک کر آگے بڑھا کہ اگر وہ اندر چلا گیا تو معلوم نہیں پھر مجھے کتنی دیر تک کسی دوسری شخص کا انتظار کرنا پڑے گا، میں تیز قدموں سے اس کے قریب پہنچا، اپنی جھجک دور کر کے اور ہمت یکجا کر کے اپنے دل و دماغ میں محفوظ گھر کا پتہ بتا کے پوچھا تو وہ قہقہہ لگا کے بولا۔ ''کمال کر دیا ڈیڈی آپ نے، گھر کے سامنے آکر گھر کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔''

☆......☆......☆

مزاحیہ تحریر

ڈرامے میں ڈرامہ

عبیرہ لطیف

''میں تمہیں جان سے مار دوں گا، تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟ بہت تمیں مار خاں بنے پھرتے ہو۔'' ٹھیک ٹھیک، کھٹاک، کوئی چیز زور سے نیچے گر کر ٹوٹی۔

''میں کہتا ہوں باہر نکلو، دیکھتا ہوں آج تم مجھ سے بچ کر کیسے جاتے ہو، ہمت ہے تو باہر نکلو، ڈرپوک، بزدل۔'' شیراز کی زور زور سے بولنے اور مختلف چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سن کر بلال اور رابعہ اس کے کمرے میں داخل ہوئے کہ آخر شیراز کو ہوا کیا ہے، بلال، شیراز سے دو سال بڑا تھا اور رابعہ چھوٹی بہن تھی۔

''شیراز! کیا ہوا؟'' بلال نے پوچھا۔

شیراز نے انتہائی غصے سے بلال کی طرف دیکھا اور کہا: ''آپ نے دروازہ کیوں کھولا! آپ!......آپ! میرے کمرے میں داخل کیوں ہوئے؟''

''ہائے میرے بھائی! تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' رابعہ نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہونا کیا ہے، بس اس کے دو چار جوتے پڑ جائیں تو عقل ٹھکانے آجائے گی، بات کرنے کی تو اسے ذرا تمیز نہیں ہے۔'' بلال نے غصے سے کہا۔

''آپ نے...... آپ نے دروازہ کھولا اور وہ بھاگ گیا۔'' شیراز نے رونی صورت بنا کر کہا۔

''کک......کون؟'' رابعہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

''چوہا بھاگ گیا۔'' شیراز نے کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا جوتا نیچے پھینکا۔

''چوہا! آ......آ......آ......ب...... بچاؤ۔'' رابعہ چیختی ہوئی شیراز کی مسہری پر چڑھ گئی۔ بلال اور شیراز نے اپنے سر پیٹ لئے۔

''وہ تو بھاگ گیا، تم کیوں ڈر رہی ہو؟'' بلال نے کہا۔

''وہ ...... واپس بھی تو آسکتا ہے۔'' رابعہ نے ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''رابعہ!'' امی کی آواز سنائی دی، رابعہ مسہری سے اتر کر تیزی سے کچن کی جانب بھاگی، کیوں کہ وہ چولہے پر چائے رکھ کر آئی تھی، جواب ابل ابل کر کیتلی سے باہر گر رہی تھی۔ رابعہ کو امی سے زبردست ڈانٹ سننی پڑی، اس نے صفائی کرنے کے بعد دوبارہ چائے بنائی، چائے کا کپ لے کر رابعہ ابو کے کمرے کی طرف بڑھی، لیکن بلال کے کمرے کے پاس ہی ٹھٹک کر رک گئی، بلال اپنے کسی دوست سے فون پر باتیں کر رہا تھا۔

''میں اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گا ناصر، میرے انتقام کی آگ اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوگی، جب تک کہ اس کے خون سے اس زمین کو سرخ نہ کر دوں۔'' بلال کی نہایت سنجیدہ آواز رابعہ کے کانوں میں پہنچی، چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں ڈگمگا گیا، رابعہ تیزی سے آگے بڑھ گئی، ابو کو چائے کا کپ دینے کے بعد وہ شیراز کے پاس آئی۔

''شیراز! کیا بلال بھائی کی کسی سے لڑائی ہوئی

ہے؟'' رابعہ نے نہایت پریشانی سے پوچھا۔
''ہاں، ان کا دوست بتا رہا تھا کہ پرسوں گراؤنڈ میں کرکٹ کھیلتے ہوئے بلال بھائی کا کسی لڑکے سے جھگڑا ہوگیا تھا، وہ تو ان کے دوستوں نے بیچ بچاؤ کروادیا ورنہ وہ دونوں تو ایک دوسرے کا سر پھوڑنے پر تلے ہوئے تھے۔'' شیراز نے ریک میں کتابوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے سرسری انداز میں بتایا، مگر پھر ایک دم چونک کر پوچھا۔ ''مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''
''شیراز! بلال بھائی اپنے دوست ناصر سے فون پر کہہ رہے تھے کہ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گا، میں اسے قتل کردوں گا۔'' رابعہ نے بھرائے ہوئے لہجے میں بتا کر ہچکیوں سے رونا شروع کردیا۔
''کیا؟'' شیراز نے بمشکل اپنی چیخ کو روکا۔
''تت...... تم نے ٹھیک سے تو سنا تھا؟'' شیراز کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔
''ہاں، اور وہ کہہ رہے تھے کہ جب تک میں اس کے خون سے اس زمین کو سرخ نہ کردوں، میرے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوگی۔'' رابعہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے خود پر قابو پا کر مزید بتایا۔
''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بلال بھائی اس قدر بے وقوف اور احمق ہوں گے انہیں اپنے جذبات پر قابو پانا چاہئے۔'' بے پناہ پریشانی اور غصہ شیراز کے لہجے سے عیاں تھا۔
''شیراز! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، چلو امی کو بتاتے ہیں۔'' رابعہ نے کہا۔ امی کچن میں سبزی کاٹ رہی تھیں، وہ دونوں امی کے پاس آئے اور انہیں ساری بات بتائی۔
''نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا، بلال تو میرا بہت سمجھ دار بیٹا ہے، وہ ایسا نہیں کرسکتا۔'' امی نے بے یقینی سے کہا۔
''امی! سمجھ دار لوگ ایسی احمقانہ باتیں نہیں کرتے، مگر اللہ نہ کرے، اگر انہوں نے سچ مچ کوئی ایسی ویسی حرکت کر ڈالی تو پھر......؟'' شیراز نے جھلاتے ہوئے کہا۔
''چلو، میں پوچھتی ہوں بلال سے۔'' امی ان دونوں کو لے کر بلال کے کمرے کی طرف بڑھیں۔
''بلال! تم کچھ دیر پہلے فون پر اپنے دوست ناصر سے کیا باتیں کررہے تھے؟'' امی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی نہایت غصے سے پوچھا۔ بلال رائٹنگ ٹیبل کے پاس کھڑا جھک کر کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا، امی کی بات پر بوکھلا کر سیدھا ہوا، پین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔
''امی! کک...... کون سا فون! کیسی باتیں؟'' بلال گڑبڑا کر حیرت سے بولا۔
''جھوٹ مت بولیں بلال بھائی! رابعہ نے خود ساری باتیں سنی ہیں۔'' شیراز نے کہا تو بلال نے گھور کر رابعہ کو دیکھا۔
''امی! میرے تو کسی دوست کا صبح سے فون نہیں آیا۔'' بلال نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔
''امی! یہ جھوٹ بول رہے ہیں، میں نے خود ان کی باتیں سنی ہیں۔'' رابعہ نے چلاتے ہوئے کہا۔ یہ بات رابعہ کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ بلال بھائی جھوٹ کیوں بول رہے ہیں۔
''میں آخر کیوں جھوٹ بولوں گا اور یہ رابعہ تو پتہ نہیں کیوں ہر وقت میری جاسوسی کرتی رہتی ہے، میں نے کل اسے بازار سے رسالہ نہیں لا کر دیا تھا، اسی وجہ سے یہ میرے خلاف باتیں کررہی ہے۔'' بلال نے غصے سے کہا۔
''بلال بھائی! آپ......'' رابعہ نے گھٹے ہوئے لہجے میں کچھ کہنا چاہا، مگر اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا، اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آگئے اور وہ تیزی سے پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
''بلال! وہ تمہاری بہن ہے، اس لہجے میں بات کرتے ہیں بہن سے۔'' امی نے ملامت بھرے انداز میں بلال کو دیکھا، بلال کے سخت تیور دیکھ کر انہیں بھی صدمہ ہوا تھا، وہ رابعہ کے پیچھے ہی کمرے سے چلی گئیں، شیراز نے دکھ بھرے انداز میں بلال کو دیکھا اور سر جھٹک کر وہ بھی باہر نکل گیا، بلال نے ایک گہرا سانس لیا اور شرمندگی سے

سر جھکا لیا، شیراز نے جا کر ابو کو سب کچھ بتا دیا۔ اس کے ابو نے نہایت سنجیدگی سے ساری بات سنی۔
''میرے بیٹے کو پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے، وہ تو میرا سب سے ذہین اور لائق بیٹا ہے، میں تو تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ......'' امی کی آواز بھرا گئی۔
''اور بھائی نے مجھے کبھی اس طرح سے نہیں ڈانٹا جیسے آج ڈانٹا ہے۔'' رابعہ نے کہا۔ اچانک بلال کمرے میں داخل ہوا اور کمرے میں موجود چاروں افراد خاموش ہوگئے۔
''رابعہ! مجھے معاف کردو، میں تم سے بہت شرمندہ ہوں اور امی! آپ بھی مجھے معاف کردیں۔'' بلال امی کے قدموں میں آکر بیٹھ گیا، امی نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ''مجھ سے غلطی ہوگئی امی! مجھے اپنے غصے پر قابو پانا چاہئے تھا اور وہ کام کرنے سے پہلے آپ سے اجازت لے لینی چاہئے تھی، مگر مجھے پتہ تھا آپ مجھے اجازت نہیں دیں گی، تین چار دن پہلے ہی تو آپ نے مجھے ڈانٹا تھا کہ میں صرف اور صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دوں اور اچھی پوزیشن سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کروں، امی! مجھے معاف کردیں میں آئندہ ایسی کسی غیر نصابی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوں گا، جس سے آپ سب ناراض ہوں۔'' بلال نے سر جھکا کر نہایت شرمندگی سے کہا۔
''ہاں، اب آپ لڑائی جھگڑے بھی امی سے پوچھ کر کیا کریں۔'' شیراز نے نہایت طنزیہ لہجے میں کہا۔
''یہ ٹھیک ہے کہ پرسوں کرکٹ کھیلتے ہوئے وقاص سے میرا جھگڑا ہوگیا تھا، مگر اس میں صرف میرا قصور نہیں تھا، وقاص کا بھی قصور تھا، اس نے جان بوجھ کر میری ٹانگ پر بلا مارا تھا، اب آئندہ میں احتیاط کروں گا اور اپنے غصے پر قابو رکھوں گا۔'' بلال نے شیراز کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔
''بیٹا! صرف کھیل میں ہی نہیں بلکہ ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں لڑائی جھگڑے کے بجائے صلح جوئی اور بھائی چارے کو ترجیح دینا چاہئے۔'' ابو نے نرمی سے کہا۔
''مگر ابو! یہ تو فون پر کہہ رہے تھے کہ میں اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گا اور اس کے خون سے زمین کو سرخ کردوں گا، وغیرہ وغیرہ۔'' شیراز نے کہا۔
''میں کہہ تو چکا ہوں کہ آئندہ میں کسی غیر نصابی سرگرمی میں حصہ نہیں لوں گا۔'' بلال نے شیراز کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔'' شیراز نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ فن فیئر میں ہونے والے کسی ڈرامے میں حصہ نہیں لوں گا، فون پر میں ناصر کو ڈرامے کا اسکرپٹ ہی تو سنا رہا تھا، جو ٹیچر نے یاد کرنے کے لئے دیا تھا۔'' بلال نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔ ''کیا؟'' امی ابو سمیت رابعہ اور شیراز ایک ساتھ چیخے۔ ''کک...... کیا ہوا؟'' بلال نے گھبرا کر حیرت سے پوچھا۔ ''اسے کہتے ہیں کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔'' شیراز کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ ''رابعہ کہہ رہی تھی کہ بھائی فون پر ناصر سے دھمکی آمیز انداز میں کہہ رہے ہیں کہ وہ کسی کو قتل کردیں گے۔''
''رابعہ نے میری ساری باتیں سن لیں، مگر آخری جملہ نہیں سنا، میں نے یہ کہہ کر فون بند کیا تھا کہ اسکرپٹ اب مجھے اچھی طرح یاد ہوچکا ہے۔'' بلال نے کہا۔
''یہ سنا ہوتا تو یہ سارا ڈرامہ ہی کیوں ہوتا۔'' رابعہ نے شرمندگی سے کہا۔ ''اسے کہتے ہیں ڈرامے میں ڈرامہ۔ ڈرامہ تو میں کررہا تھا، مگر آپ سب نے ایک نیا ہی ڈرامہ ترتیب دے دیا۔'' بلال نے ہنستے ہوئے کہا۔
''بیٹا! تمہیں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی ضرور حصہ لینا چاہئے، کیوں کہ پڑھائی کے ساتھ یہ سب بھی ضروری ہوتا ہے، اس سے بچوں میں چھپی ہوئی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں اور ان کی شخصیت کی تعمیر بھرپور اور اچھے انداز میں ہوتی ہے۔'' ابو نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے میں ڈرامے میں حصہ لے سکتا ہوں۔'' بلال نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا اور وہ سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

☆......☆......☆



اوئے مسٹر مجنوں!! خیر تو ہے؟ خزام نے حاسم کے کندھے پر ہاتھ مارا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

اوہ...... ہاں تم کب آگئے؟ حاسم نے اسے حیران اور بوکھلائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

محترم! یہ فقیر پچھلے بیس منٹوں سے در شاہزادہ پر کھڑا اذنِ دخول طلب کر رہا تھا، مگر جناب خوابوں میں کسی لشکر جہاد کی تنظیم نو کر رہے تھے یا شاید اسپین کا قصر احمر پھر سے حاصل کرنے کی ترکیب بنا رہے تھے، جب ہی تو اس ذرۂ ناچیز پر نظر التفات نہیں فرمائی، خزام کے انداز پر حاسم دھیمے سے مسکرایا۔

آج میرے دفتر میں کیسے آگئے، باس نہیں ہے کیا؟؟ حاسم نے پوچھا۔

باس کہیں کام سے گیا ہے اور میرے کچھ مہمان آنے ہیں ان کا انتظار کر رہا ہوں بس، ابھی تک نہیں آئے تھے سو چلا آیا۔

اچھا...... حاسم نے لمبی سانس بھری۔

یار آج کل موڈ کتنا آف آف رہتا ہے نا، ایک تو آئے دن کی ریلیاں، احتجاج، ہڑتالیں ہیں جس وجہ سے کوئی کام ڈھنگ سے نہیں ہو پا رہا ہے، میرے اتنے پروگرامز کینسل ہو گئے نا کہ کیا بتاؤں، اوپر سے You tube بھی بند کر دیا کم بختوں نے، سب ریسرچ دھری کی دھری رہ گئی اور تم سناؤ کتنے مضامین لکھ مارے ہیں، خزام کے نان اسٹاپ لیکچر سے حاسم کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں آیا، بس اس نے کرسی پر ہلکی سی حرکت کی اور بولا:

تم ٹھیک کہہ رہے ہو کہ ہر چیز سے اداسی ٹپک رہی ہے، اسی لئے میرا بھی آج کل کچھ لکھنے کا دل نہیں چاہتا۔

حیرت ہے!! تم جیسا بہترین ادیب خاموش بیٹھا ہے، یہ تو کمانے کا سیزن ہے، تمہاری جوشیلی کتابت سے تو پہلے ہی سب متاثر ہیں، اب تو فلم جو بنی ہے، اس کے خلاف لوگ اتنا اتنا لکھ رہے ہیں کہ پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہتا، خزام نے اتنا کہتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلایا۔

جب پڑھنے کا دل نہیں چاہتا تو میں کیا کروں گا لکھ کر۔ حاسم کے کہنے پر خزام جھنجھلانے کے سے انداز میں بولنے لگا۔ ہاں چھوڑ یار نہیں لکھ، ویسے بھی بہت ہو گئی یہ ڈرامہ بازی!!! سب دکھاوا ہے، فلم بن گئی یا پتہ نہیں کیا عذاب آگیا، بھئی جس کو نہیں دیکھنی وہ نہ دیکھے......!!!

کون سا ان کے احتجاج سے وہ لوگ مان جائیں گے یا ان کا کوئی نقصان ہو گا، یہ ہم لوگ ہیں کہ خود ہی فلمیں دیکھتے ہیں، خود ہی احتجاج کرتے ہیں، خود ہی مرتے ہیں، نقصان اٹھاتے ہیں، پھر خود ہی چپ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں خزام کہ تمہاری سوچ غلط ہے، حاسم نے کہا تو خزام ہاتھ نچا کر بولا: ہاں ادیبوں کو تو سارا جہاں غلط نظر آتا ہے، بس ایک وہ ہی ہیں راست باز۔

اتنے میں چپڑاسی دروازہ کھول کر اندر آیا اور خزام سے کہا کہ آپ کے گیسٹ آگئے ہیں۔

اوہ......!! اچھا یار میں چلا، خزام زور سے اچھلا اور کھڑا ہو گیا۔

ارے چائے تو پی لیتا، حاسم نے کہا۔

نہیں دیر ہو جائے گی، بس تم اب ایک عدد مزاحیہ مزے دار کہانی لکھ دو، میں پھر آکر چائے پیئوں گا، خزام یہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا، حاسم اور خزام دونوں ایک کمپنی میں کام کرتے تھے، خزام زیادہ تر کمپیوٹر کا کام کرتا تھا اور دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں ہوتا تھا جبکہ حاسم فیکٹری کا ایک میگزین چلاتا تھا، اس کی زیر نگرانی بہت سے ورکرز تھے، اس کا کام صرف نگرانی اور ہدایات تھیں، ہم ملازمت ہونے کے ساتھ ساتھ دونوں بہت گہرے دوست تھے، البتہ دونوں کے مزاج میں زمین و آسمان کا فرق تھا، حاسم سنجیدہ اور حقائق سے آشنا، جبکہ خزام لاابالی اور صرف زندگی انجوائے کرنا جانتا تھا، آج بڑے دنوں بعد وہ حاسم سے ملاقات کے لئے چلا آیا تھا، اس کو دیکھ کر حاسم جہاں خوش ہوا تھا، وہیں اس کی سوچ اور نظریئے سے اسے انتہائی دکھ پہنچا، اس نے اس مہینے کا تازہ شمارہ اٹھا کر دیکھنا شروع کیا جو کل ہی منظر عام پر آیا تھا۔

بکھرے ہوئے مظاہرین کی تصویریں تھیں اور جگہ جگہ ہونے والے جلسوں اور ریلیوں کی تصاویر سے میگزین بھرا پڑا تھا، توہین رسالت کے خلاف معروف و غیر معروف حضرات کی تحریریں اور مضامین تھے، اس نے کچھ صفحات پلٹے، آگے وہی عام اخباروں والی خبریں تھیں، ریلی والوں نے بینک جلا دیا، سنیما جلا دیا، پولیس پر فائرنگ کی، یہ کر دیا اور یہ کر دیا...... بیباک اور آزاد میڈیا ہر جگہ انہی باتوں کا چرچہ کر رہا تھا، جس سے مظاہرین کا ظلم سامنے آئے، جس سے بس یہ ظاہر ہو کہ مظاہرین نے اپنے وطن کو نقصان پہنچایا، کئی لوگوں نے تو مظاہرین کو شر پسند، مشتعل اور دہشت گردوں کے نام سے یاد کیا تھا، لیکن کوئی ایک آزاد میڈیا بھی ایسا نہ تھا جو ریلی میں ناحق خون میں نہا جانے والے مظاہرین کا ذکر کرتا، کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ ریلی میں آنے والے

افراد کی موٹر سائیکلیں غائب ہو کر کہاں گئیں، ٹی وی چینل کی گاڑی جلا دینے پر مگر مچھ کے آنسو بہانے والوں نے مظلوم، نہتے، محبین رسول کا خون سفاکی سے بہہ جانے کے بعد اس پر آہ تک نہ کی۔

رسالے کے مزید صفحات پلٹتے ہوئے حاسم کے قلب کی تلخی اور زیادہ ہوگئی، اس کا منہ ایک دم کڑوا ہو گیا، اسے آنکھوں کے سامنے اندھیرا محسوس ہونے لگا، اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا، ان مظاہرین کی مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگوں کی رسی لے کر یوسف علیہ السلام کو خریدنے گئی تھی، یا اس چیونٹی کی مانند تھی جو اپنے ذرّے سے منہ سے بھڑکتا ہوا آگ کا الاؤ بجھانے نکلی تھی۔

یارب!! ہم واقعی کچھ بھی نہیں کر سکتے، خزام ٹھیک ہی تو کہتا ہے کہ سب کچھ ارباب اختیار کو کرنا چاہئے......

مگر ہم کہاں سے لائیں ایسے حکمران جو ثانی عمر فاروق بن جائیں، یکایک اس کے ذہن میں شہید ناموس عامر چیمہ کا نام آگیا، ہاں عامر چیمہ شہید نے نہتے ہو کر وہ کام کر دکھایا جو ہم ایٹمی طاقت رکھنے کے باوجود سر انجام نہ دے سکے۔ ربا...... اب کون ہے جو ٹیری جونز کے سینے میں خنجر گھونپ کر ملت ایمانیہ کی حرمت کا انتقام لے لے؟؟

حاسم کو اپنے اندر بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھانا بہت مشکل ہو گیا تھا، اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ امریکہ اس کی انگلی پر ہو اور وہ اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دے، لیکن......!!! آہ......اور بے بسی کے سوا اس کا دامن آباد ہی نہ ہو سکا، اس نے سسک کر اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ میں نے تو کبھی بھی ملکہ الزبتھ کو گالی نہیں دی؟؟؟ اور نہ ہی کبھی کولمبس کا خاکہ نذر آتش کیا؟؟ اور نہ ہی کبھی فریڈ کے خاکے اور کارٹون بنائے...... ہاں بش کے خاکے بنائے ہیں، پتلے بھی نذر آتش کئے ہیں، کیونکہ میں جانتا ہوں انسان اپنی توہین برداشت کر سکتا ہے، اپنے مذہبی پیشوا اور قابل احترام شخصیت کی نہیں...... تو پھر یہ حسن اخلاق اور مساوات کے دعویدار بکری کی چال میں بھیڑیئے اور درندہ بن کر کیوں مسلمانوں کی دل آزاری کا سامان کرتے ہیں؟؟ آنسو اس کے رخسار پر بہنے لگے، اس نے سر اٹھا کر گہرا سانس لیا اور ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا، اس کی نظر دیوار پر سلیقے سے آویزاں فل سائز کیلنڈر پر ٹھہر سی گئی، بڑا سا سبز گنبد خوبصورت میناروں کے ساتھ اپنا جلوہ دکھا رہا تھا اور اوپر آیت مبارکہ کا ترجمہ لکھا تھا۔

"یہود و نصاریٰ کبھی بھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے۔" الخ...... اس نے دوبارہ اور سہ بارہ اسے پڑھا، اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا، ہم جتنی بھی ان کے ساتھ ترحم اور دوستانہ رویہ رکھیں گے، یہ ہمارے دوست نہیں بنیں گے، ان کے دل میں نفاق سے بھی الفاظ قساوت بھری پڑی ہے، بہتری اسی میں ہے کہ ان خنجر سے تیز زہر اور غلاظت اگلتی زبانوں کے ساتھ دھاری دار تلوار کی زبان سے بات کی جائے، ان کو نوکیلی لمبی زبانیں اپنے مقابل کی شے سے ہی قابو میں آسکتی ہیں...... لیکن ملت اسلامیہ کے مظاہرین کو کون سمجھائے، ان کے ہاں تو بچہ پیدا ہوتے ہی اس کے امریکن پاسپورٹ کی کوشش شروع ہو جاتی ہے...... ان کے حکمران دشمن کے ناپاک ٹکڑے خیرات میں لیتے ہیں اور اس پر پلتے ہیں...... یہ امریکی تلوے چاٹنے کو قابل فخر سمجھتے ہیں، بھلا یہ کیسے ان کے احسانات سے بری ہو جائیں؟ قرآن نے تو صاف کہہ دیا کہ یہود و نصاریٰ کبھی تم سے راضی نہیں ہوں گے، پھر ہم انہیں کس طرح راضی کر سکتے ہیں؟؟؟

حاسم سوچوں کے بحر میں غوطہ زن تھا، کوئی بھی مثبت سرا عملی اقدام کے لئے اس کے ہاتھ میں آ ہی نہیں رہا تھا، ایک دم اس کے ذہن میں خزام کا جملہ گونجا......

"ایک تو کم بختوں نے Youtube بھی بند کروا دیا۔"

وہ خود سے گویا ہوا...... ہاں کم بخت اور بدنصیبوں نے بہت اچھا کیا کہ You tube بند کرنے کے لئے احتجاج کیا، کم از کم اتنا تو ہو جو بندے کی وسعت میں ہو، کتنا زبردست نقصان ہوا ہوگا امریکہ کو اس چینل کے بند ہو جانے سے......!!! یہ سوچ کر ہی وہ دل میں مسکرا دیا۔

ربا...... تو سب گستاخوں کی معیشت ہی تباہ و برباد کر دے...... کاش کاش ہائے کاش...... سب مسلمان امریکہ اور گستاخ ممالک کی ہر چیز اور ہر چینل کا بائیکاٹ کر دیں تو امریکہ کو کتنا نقصان پہنچے گا...... ہر کوئی یہ ہی سوچتا ہے کہ صرف میرے کرنے سے کیا ہوگا، لیکن ہر شخص اپنی جگہ انفرادی طور پر ہی امریکہ اور دشمن کی مضرت کا خواہاں ہو جائے تو مسلمان اتنے کمزور نہ ہوں، یہ سوچ کر اس کے دل میں ایک سکون سا اتر گیا، اس کے دل میں جو داعیہ پیدا ہوا تھا، وہ ایک مثبت سرا اور مضبوط کڑی تھی، جسے تھام کر وہ ایک بہترین عملی میدان میں اتر سکتا تھا، اس نے سرشاری سے ایک نظر پھر کر کیلنڈر پر ڈالی، سبز گنبد چمک رہا تھا، ہاں دشمن کتنا ہی اس کی طرف منہ کر کے بھونکے، یہ چمکتا ہی رہے گا، کوئی گنبد کی طرف منہ کر کے جتنا تھوکے گا، وہ واپس اسی کی طرف پلٹے گا، یہ گنبد، یہ روضۂ اطہر ہر دم اپنے جلوے دکھاتا رہے گا، کیونکہ اس کی فطرت میں حسن ہے اور بھونکنے والے کتے بھونکتے رہیں گے، کیونکہ ان کی فطرت میں یہی ہے، البتہ کسی اتنے بڑے پتھر کا بندوبست ضرور ہونا چاہئے جو ایک ہی مار میں ان کی گز بھر لمبی زبانیں کچل ڈالے، اس پتھر کو مسلمانوں نے بنانا ہے، بلکہ پتھر تو ہے اسے مسلمانوں نے متحد ہو کر اٹھانا ہے اور اس کی دعوت میں دوں گا، اس خیال کے ساتھ ہی وہ میز پر جھک گیا اور کاغذ قلم سنبھال کر نیا شمارہ ترتیب دینے کی ہدایت درج کرنے لگا، اس نے سب سے اوپر جلی حروف ٹائٹل کے لئے لکھے...... بائیکاٹ......!!! بائیکاٹ!! بائیکاٹ......!!

تمام گستاخوں سے مالی، معاشی، کاروباری اور انفرادی بائیکاٹ!!

یکایک اس کے پرسکون ضمیر پر ایک چوٹ پڑی حاسم!!! صرف دشمن کی چیزوں کا نہیں اس کے طریقوں کا بھی بائیکاٹ کرو!!!

وہ ایک بار پھر پسینے میں شرابور ہو گیا، اس نے شرمندگی سے اپنے سراپے پر نظر دوڑائی، وہ نہ مسلمان لگ رہا تھا اور نہ ہی غیر مسلم!!! افوہ خدایا میرا ذہن اس طرف تو گیا ہی نہیں...... اس کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا اور ہاتھ بارگاہ الٰہی میں اٹھ گئے۔ مولا!! خزام نے ٹھیک کہا تھا، مضمون تو بہت لکھ لئے، اب عمل کرنا ہوگا اور آج سے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں متبع سنت بنوں گا، آپ بھی مجھے توفیق دے دیجئے...... آمین

حاسم کے دل میں سکون کی لہر دوڑ گئی، اس نے بیل بجا کر چپڑاسی کو بلایا اور اسے قریبی بک اسٹال سے سنتوں کی کتاب لانے کو کہا...... تھوڑی ہی دیر بعد اس کے سامنے حضرت مولانا عبدالحئی عارفی صاحب کی "اسوۂ رسول اکرم" صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی پیارے نبی کی "پیاری سنتیں" رکھی تھیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر مسرور ہو رہا تھا...... ہاں اب ہم اصل بائیکاٹ کریں گے!!! اس نے قلم اٹھا کر سامنے رکھے کاغذ پر ایک اور عبارت کا اضافہ کیا۔ "سنتوں پر عمل کریں" اب اس ماہ کے رسالے سے اس میں ایک حصہ سنن نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہوگا، اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنا عملی کام کر رہا ہے اور دشمن کے منہ پر طمانچہ مار رہا ہے، اس خیال سے ہی وہ سرشار ہو کر مسکرا دیا۔

نبی کے نام پر مر مٹنا سند ہے خلد پانے کی
فدا ہونا شاہ کونین پر پیغام جنت ہے
تحفظ ہو سکے ہم سے نہ گر ناموس احمد کا
تو پھر یہ زندگی اپنی سراسر ایک تہمت ہے

☆......☆......☆

حجاب ہمارا ہتھیار

ظہورہ عمران

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو مکمل انسانی زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے اسے کامیابی کی ڈگر پر ڈالتا ہے، 14 قرن کی مسافت پر مشتمل یہ دین ایک ضابطہ اخلاق، معاملات اور مکمل تہذیب رکھتا ہے، تاریخ شاہد ہے اور تاابد رہے گی کہ یہی وہ دین ہے کہ جب بھی اس کے عالمگیر اصولوں پر عملدرآمد ہوا تو انفرادی و اجتماعی زندگیوں نے مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو نہ صرف پاکیزہ بلکہ پرامن معاشرہ تھا اور نہ صرف پرامن بلکہ ایسا پرامن کہ جہاں انسانی زندگی ہی نہیں بلکہ دیگر مخلوقات کی زندگی حقوق کے حصار میں محفوظ تھی۔

مرد اور عورت انسانی زندگی کی گاڑی کے دو اہم ترین جز ہیں کہ جن کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی راست خطوط پر گامزن نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کبھی ان دو اہم ترین عواملِ معاشرہ کو نظر انداز نہیں کیا اور معاشرے کی راست اٹھان کے لئے اپنے عالمگیر نظام میں ایسے اصول وضوابط، تعلیمات کے ذریعے وضع کئے کہ دنیا کا کوئی نظریہ یا نظام آج تک مرد و عورت کے اتنے مناسب حقوق و فرائض، ذمہ داریاں اور ان کے دائرہ کار متعین نہیں کرسکا اور جب کبھی کسی نے یہ کوشش کی تو نہ صرف دنیا نے دیکھا بلکہ انہوں نے خود بھی محسوس کیا کہ بشر اور بشر کے رب کی حکمت کبھی برابر نہیں ہوسکتی۔

اسلام کرہ ارضی پر وہ واحد دین ہے جس نے آکر عورت کو مقام دیا، وہ مقام جس کا وہ مکمل استحقاق رکھتی تھی، اسلام ہی وہ دین ہے جس نے نہ صرف اس کے حقوق ادا کرنے کا معاشرہ کو پابند کیا بلکہ اس کے تحفظ کی خاطر خود اس کے لئے کچھ ایسے اصول متعین کردیئے جن کی پاسداری کی صورت میں اس کے لئے امن وتحفظ کی ضمانت ہے اور پردہ وحجاب بھی ان اہم اصولوں میں سے ایک ہے جن کی پاسداری کا ایک مومن عورت کو حکم دیا گیا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حیا اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جس معاشرے کے اندر ایک قومی قدر (VALUE) اور داعیہ رہی، وہ قوم یا وہ معاشرہ جلد ترقی کی راہوں پر چل نکلا اور جونہی حیاء کی ڈور ان کے ہاتھوں سے پھسلی، جوں جوں ان کی عورت بے پردہ ہوئی تو نہ صرف معاشرہ زوال پذیر ہوتا چلا گیا بلکہ دشمن کا تسلط بھی ان پر آسان ہوگیا، آیئے، اس ضمن میں چند مثالیں دیکھتے ہیں:

☆...... یونانی تہذیب بڑے عروج پر تھی، جب ان میں بے حیائی پھیلی تو یہی ان کے زوال کا باعث بنی۔

☆...... رومی تہذیب نے بھی بہت ترقی کی، مگر اسے بھی یہی بے حیائی نگل گئی، انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا میں مذکور ہے:

”رومیوں کی خواتین خانہ داری کے کاموں سے فراغت کے بعد سوت کاتتیں، اس کو صاف کرکے کپڑا بناتی تھیں، وہ سخت پردہ کرتی تھیں، گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب اور موٹی چادر پہنتیں تو ان کی شکل تو کجا جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ لگنا مشکل تھا، اس دور میں رومی تمام شعبہ ہائے زندگی میں ترقی پذیر تھے، پھر جب ان میں عیش پرستی اور لہو ولعب کا شوق پیدا ہوا تو انہوں نے عورتوں کو بھی بے پردہ کردیا، جو ان کی عظیم الشان حکومت کی تباہی پر منتج ہوا، پھر جب ان عورتوں کو بے پردہ بنادیا

گیا تو باقتضائے فطرت مردان پر مائل ہونے لگی، ان کیلئے آپس میں کٹ مرنا شروع ہوگئے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کو ماننے سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔“

حقیقت یہ ہے کہ پردہ کا حکم واجب الادا ہے، یہ نص قرآنی ہے، اس کو ترک کرنے میں تباہی وخسران ہے...... اجتماعی بھی اور انفرادی بھی، یہ اسلام کے معاشرتی نظام کی اساس ہے، بے پردگی اسلام کے نزدیک حرام ہے کیونکہ یہ اپنے جلو میں بہت سے مفاسد لے کر آتی ہے، پہلے بے حجابی، پھر فیشن پرستی، پھر بے باکی وشوخ نگاہی اور پھر عریانی وبے حیائی، فی الواقع پردہ کو ترک کرنے میں قوموں کی مذکورہ مثالوں سے زیادہ شدید تباہی ہوئی اور دنیا دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی، اب ذرا مختصر نظر ان نظریات یا تہذیبوں پر ڈالتے ہیں جو خالق و مالک کائنات، جس نے عورت کو بھی تخلیق کیا ہے، اس سے بھی زیادہ (نعوذ باللہ) عورت کے غمگسار و ہمدرد بن کر حجاب ظلم ہے، (HIJAB-THE PERSECUTION) کے نعرے بلند کرتے ہیں اور حقوق وآزادی نسواں کے نام پر عورت کو اس کے مقررہ دائرے سے باہر نکالنا چاہتے ہیں، خود ان کے اپنے معاشرے میں ان سلوگن پر رائے عامہ کی ہمواری نے کیا نتائج دکھائے، آیئے یہ بھی جان لیتے ہیں۔

آزادی یا حقوقِ نسواں کے نعروں کی جب بات کریں تو اس کے پس منظر میں یہ بات نہ رکھنا ناانصافی ہوگی کہ عورت کے ساتھ افراط وتفریط کے رویوں نے ہی ایسے غیر مناسب اور غیر متوازن نعروں کو بذریعہ عورت ہی بلند کیا، ابتدائے زمانہ ہی سے عورت محرومیوں اور تشنگیوں کا شکار رہی، یہاں تک کہ زمانوں کے مفکرین و دانشوروں نے بھی عورت کو گھٹیا، پست اور کم فہم قرار دیا (مثلاً یونان کے دانشور ارسطو، فلسفی نطشے وغیرہ کے اقوال)، صرف یہی نہیں بلکہ دنیا نے عورت کے ساتھ دل دہلانے والے واقعات ہوتے بھی دیکھے۔ یورپ میں 70 لاکھ عورتوں کو جادوگرنیاں کہہ کر زندہ جلادیا گیا اور جلانے والوں کو ”ولی“ اور ”سینٹ“ کا درجہ بھی دیا گیا۔

(اسٹوری آف ویمن: صفحہ 199 ڈبلیو جارج)

اس سارے پس منظر میں جب اٹھارویں صدی میں فرانس میں صنعتی انقلاب برپا ہوا تو معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے لئے عورتوں نے کسبِ معاش میں مردوں کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، پہلے عورت بنیادی حقوق سے بھی محروم تھی، پھر اس کو اعلیٰ تربیت وتعلیم کے مواقع بھی ملنے لگے، یہ ساری افراط و تفریط پھر کچھ یوں منتج ہوئی کہ عورت نے بہت سے حقوق اپنے میدان ودائرہ کار میں تبدیلی کی غرض سے مانگنے شروع کئے، مثلاً: ہر شعبہ ہائے حیات میں مساواتِ مرد وزن، عورت کی فطری حیثیت سے فرار (ماں، بیٹی، بیوی)، مذہبی روایات جو عورت کی آزادی میں رکاوٹ تھیں، ان سے فرار حاصل کرنا، حالانکہ فی الواقع جو حقوق ان کی تخلیق وفطرت کے مطابق قدرت نے متعین کئے تھے ان سے ان کو بےگانہ کیا جارہا تھا، آزادی اور حقوقِ نسواں کے نام پر عورت نے جب اپنا دائرہ تبدیل کیا تو معاشی ذمہ داری اس صنفِ نازک کے کاندھوں پر ڈالی گئی اور نہ صرف اس ذمہ داری کا بار بلکہ اس کے ساتھ عورت کو اپنی فطرت ذمہ داری تو نبھانی ہی پڑ رہی تھی، ساتھ ہی ساتھ امتیازی رویے کی اذیت بھی، اس سے آزادی کے عطیے کے نام پر درحقیقت بہت کچھ منوایا گیا جبکہ اجرت غیر مساوی اور سلوک امتیازی، اسی طرح حجاب اور حیا جو عورت کے خمیر میں ڈالے گئے ہیں، ان اوصاف کو نکال پھینکنے کا مطالبہ زور وشور سے کیا گیا اور یہ مطالبہ محض مطالبے کی صورت میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ اسٹیٹس، آسائش اور وائٹ کالر جاب (WHITH COLOR JOB) کے خوبصورت جال میں لپیٹ کر عورت کے سامنے رکھا گیا اور بالآخر ظلم کی ماری اور ستائی ہوئی، غیر فطری رویوں کا شکار عورت اس

میں بآسانی پھنس گئی۔

لیکن!......آج اس جال کو بننے والی مغربی تہذیب اوراس کے مفکرین اپنی نادانی و بے وقوفی پر نوحہ کناں ہیں اور سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں اور اس فلسفے کی جڑ کاٹنے اور اس کے اثرات جو پھیل چکے ہیں ان کے ازالے کے لئے نت نئے طریقے سوچتے ہیں جو انہوں نے ترقی کے نام پر خود عورت کے سامنے پیش کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ مغرب میں معاشرتی حالات اس حد تک بگڑ چکے ہیں کہ غیرت و شرم ختم ہوکر رہ گئی ہے، بے پردگی اور عریانیت کا دور دورہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک جھلک مغربی معاشرے کی پیش کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ:

☆......ہر سیکنڈ پر جرم ہوتا ہے۔☆......ہر دو منٹ پر ایک عورت عصمت دری کا نشانہ بن رہی ہے۔☆......ہر 10 میں سے 6 شادیوں کا لازمی انجام طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔☆......عصمت دری کے واقعات میں 46 فیصد اجتماعی عصمت دری کے واقعات ہیں۔☆......پیدا ہونے والا ہر تیسرا بچہ ناجائز اولاد ہے۔

انفرادی و اجتماعی خودکشیوں، دنیا بےزاری اور ''ہپی ازم'' کے رجحانات نے جہاں مغربی معاشرے کو بوکھلا دیا ہے وہیں مغربی معاشرے میں ناروا و بدترین سلوک کا شکار عورت اپنی اصل اور اپنی فطرت حجاب و پردے کی طرف لوٹ رہی ہے، مغرب میں حجاب میں آزادی (FREEDOM IN HIJAB) شروع ہوچکی ہے بلکہ اپنے عروج پر بھی پہنچ چکی ہے، آج امریکا میں عورت اس حد تک عدم تحفظ کا شکار ہوچکی ہے کہ وہ جنسی تشدد اور ناروا سلوک سے بچنے کیلئے اب خود پردے کی خواہاں ہے۔

نبی آخرالزماں، محسن انسانیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کی اجتماعی بھلائی کے لئے جو متوازن طرزِ معاشرت تجویز فرمایا، وہ اس کی حقانیت سے آشکار ہوچکی ہے، لیکن نام نہاد حقوق نسواں کا علم بردار مغرب، اسلام سے متعصب ہوکر اسے یہ حق حاصل کرنے دیتا اور پھر چشم فلک ''مروہ الشربنی'' جیسے واقعات دیکھتی ہے، لیکن مغرب کے لئے یہ پریشانی اپنی جگہ سر اٹھائے کھڑی ہے کہ وہ اس اسلامی شعائر کو جتنا دباتا ہے وہ مزید نئے سرے سے ابھرتے چلے جارہے ہیں اور تو مسلم خواتین کی بڑی تعداد ایسی ہے جو محض پردے کو دیکھ کر اسلام کی طرف مائل ہوئیں اور پھر اس کی حدود میں داخل ہوگئیں۔

مغربی تہذیب کے مفکرین کے دماغوں کی اختراع جو پردہ وحجاب کے متعلق انہوں نے نکالیں اور اس کے اثرات جو وہ بھگت رہے ہیں، اگر اس کا تجزیہ کرکے بات یہیں ختم کردی جائے تو بڑی ناانصافی ہوگی، جس معاشرے میں ہم رہ رہے ہیں اس کا بھی اس پیرائے میں جائزہ لیں کہ پاکستان اس معاملے میں کتنے پانی میں ہے، جس کا قانونی مذہب ہی اسلام ہے، جس نے فلسفہ حیا و حجاب پیش کیا، ایک ماہر نفسیات لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک زوال پذیر نہیں ہوتی جب تک اس کی عورتیں زیورِ حیا سے مزین اور اس کے مرد شمشیر غیرت سے مسلح ہوں، عورت میں حیا اور مرد میں غیرت دو ایسی خصوصیات ہیں جن کی اساس ماحول اور معاشرے پر نہیں انسانی جبلت پر ہے، جب تک گمراہ کن تصورات اور ترغیب و تحریص سے ان کی فطرت بالکل مسخ کرکے نہ رکھ دی جائے، مرد بے غیرت اور عورت بے حیا نہیں ہوتی۔''

مغرب کی مادہ پرست و ملحدانہ تہذیب اس حقیقت سے آشنا ہوچکی ہے کہ جب تک مسلم معاشروں کے گھروں میں گھس کر نقیب نہ لگائی جائے اور ان کی خواتین کو نہ بگاڑا جائے تو نہ نیو ورلڈ آرڈر کا مقصد پورا ہوسکتا ہے اور نہ ہی اسلام کے احیا کا راستہ روکنا ممکن ہے، چنانچہ مغربی تہذیب کے علم بردار عورت بگاڑ تحریک جاری کرکے سرگرمی و برق رفتاری سے ہماری خانہ بربادی کے درپے ہوچکے ہیں اور اس تحریک کی ابتداء ہی بے پردگی اور فیشن پرستی کے راستے سے ہوئی، جس کا اولین شکار

مسلم معاشرے کے ارباب اختیار و اقتدار کی بیگمات بنیں، جو خانہ داری کے جنجال سے بالکل فارغ تھیں، جنہیں وقت گزاری کے لئے کوئی سنسنی خیز سرگرمیاں چاہئے تھیں، اب ان کی مدد سے بڑے پیمانے پر درمیانے طبقے کی خواتین کو تفریح و نشاط کی محفلیں چمکانی، ثقافت کے نام پر رقص و سرود اور ترقی کے نام پر بے پردگی پر آمادہ کرنے کا کام زور و شور سے جاری ہے، تحریک آزادی نسواں نے مغرب کی عورت کو اخلاقی اعتبار سے جس پستی میں پہنچا دیا ہے اس پر مغربی مفکرین اب اپنی تحریروں میں برملا تنقید کررہے ہیں، لیکن حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسا ملک جس کی تخلیق کے پیچھے ہی یہ نظریہ کارفرما تھا کہ مسلمان غیروں کی سیاسی، ذہنی اور اقتصادی غلامی سے آزاد ہوکر اسلامی اقدار و افکار کے مطابق زندگی بسر کریں، اس کے وجود میں آتے ہی بے حجابی اور تحریک نسواں کا فتنہ اس پر پوری قوت سے حملہ آور ہوگیا، اس کا بیج ملک کے پہلے وزیراعظم کی بیگم نے اپوا (آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن) کی صورت میں بویا، اس کے بعد سے آج تک ہر حکومت اس بیج کی محسوس اور غیر محسوس انداز میں آبیاری کرتی آرہی ہے، حکومتی سرپرستی اور ذرائع ابلاغ کے بھرپور تعاون سے یہ فتنہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرچکا ہے، یہ ساری صورت حال دیکھ کر تو یوں گمان ہوتا ہے کہ ہم نے اخلاقی اور معاشرتی شعبوں میں ترقی معکوس کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے موجود ''تبرج جاہلیہ'' کا دور واپس آگیا ہے، جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدہ ہی نہیں حرام ٹھہرایا تھا۔

مغربی تہذیب کی عمارت اخلاقی بحران کی وجہ سے بھربھری ہوکر ہماری آنکھوں کے سامنے جھڑ رہی ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ اس کی یہ حالت آنکھوں سے دیکھ کر بھی ہم ان چکاچوند جھانسوں میں آرہے ہیں جو ''حجاب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے'' جیسے سلوگن اچھال کر پھیلائے جارہے ہیں اور اس کی چکاچوند روشنی میں ہمیں ان خواتین کی روشن اور عظیم مثالیں بھی نظر نہیں آرہیں، جنہیں جب وقت کی ضرورت نے گھروں سے نکالا تو اس صورت میں بھی نہ تو وہ اپنے فطری میدان سے غافل ہوئیں اور نہ حیا و حجاب سے بیگانہ......

''خدیجہ فیروز'' کا نام کون نہیں جانتا، باپردہ خواتین ڈرائیور بلکہ پائلٹ تک موجود ہیں، فی الواقع یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو بھی خلوص و لگن سے کام کرتا ہے اسے اس کا پھل ضرور ملتا ہے، یہ ترقی بے پردگی سے مشروط نہیں، محنت اور خلوص سے مشروط ہے، اگر ہم اس طرح بے پردگی کی تحریک کو نمو بخشتے رہے یا پردے کو اس کی روح کے ساتھ معاشرے میں پروان چڑھایا اور ثقافت اور اختیاری معاملہ (Optional Issue) کی حیثیت سے پیش کرتے رہے تو اس کے اثرات بھی معاشرے کی تباہی اور خاندانی نظام کی توڑ پھوڑ ہی پر منتج ہوں گے۔

ان سارے حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے اندر یہود و نصاریٰ کے بنائے ہوئے بے پردگی و فحاشی کے منصوبے کے خلاف موثر اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کی جائے، اس پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے، جو این جی اوز بے پردگی کے فروغ کے لئے کام کررہی ہیں ان پر پابندی لگائی جائے۔ ذرائع ابلاغ کو ضابطہ اخلاق جاری کیا جائے جس میں یہ بات باور کروائی جائے کہ وہ نہ صرف بے پردگی کے کلچر کے فروغ کو روکنے کے ذمہ دار ہیں بلکہ اس کی غلط تشہیر کا بھی کوئی جواز نہیں رکھتے، نیز بین الاقوامی سطح پر جو تحریکیں پردے کے فروغ کے لئے اٹھی ہیں، ان کے حق میں آواز بلند کی جائے اور عورت سے پردے کا حق چھیننے والے نام نہاد مغربی علم برداروں پر سخت تنقید کی جائے، حقیقت یہ ہے کہ حیا و حجاب کی اقدار کو بچانے کے لئے ہر مکتبہ فکر کو کام کرنا ہوگا اور اس کے لئے صرف یوم حجاب منالینا ہی کافی نہیں۔

☆......☆......☆

تربیت اولاد

عمارہ جمیل

اولاد کی خواہش کس کو نہیں ہوتی، کون سا گھر ایسا ہوگا جہاں اولاد کی خواہش، تمنا اور آرزو موجود نہ ہو، وہ گھر کیسا بے رونق، خاموش اور سونا سونا معلوم ہوتا ہے، جس میں معصوم بچے کھیلتے، کودتے، روتے، ہنستے کلکاریاں مارتے اور چھیڑ چھاڑ کرتے نظر نہ آتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں بچے کی بھرپور محبت پیدا فرما کر اور اس کی پرورش نہایت ہی زوردار داعیہ دے کر اس نہایت کٹھن فریضے کو انتہائی خوشگوار آسان اور دل پسند مشغلہ بنا دیا ہے، پرورش اور تعلیم و تربیت کے دوران طرح طرح کی تکلیفیں سہہ کر ماں باپ نہ صرف یہ کہ اکتاتے نہیں، بلکہ ان مشقتوں میں دل کی ٹھنڈک اور سکون محسوس کرتے ہیں، جب اپنے معصوم نونہالوں پر محبت کی ایک نظر ڈالتے ہیں تو خود بھی نہال ہو کے فخر و مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں اور کئی زندگی سے اکتائے اور بیزار افراد بھی جب ان معصوم پھولوں اور کلیوں کو کھیلتے ہوئے اپنی حیات بخش معصوم مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو یہ دیکھ کر ان میں بھی جینے کی امنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ زندگی سے فرار کی بجائے، ان کی خاطر جینے کی آرزو اور تمنا کرتے ہیں، کیونکہ یہ اولاد تو ان کے اپنے ہی جسم اور جان کا ایک حصہ ہوتی ہے، والدین کے دل میں بچے کی بے پناہ محبت اور اس سے غیر معمولی وابستگی کا جذبہ پیدا فرما کر اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا ہے، دنیا میں نسل انسانی کی بقا اور اس دنیا کو آباد رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اللہ پاک یہ جذبہ ہر انسان کو عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے فطری جذبے اور داعیہ سے مجبور ہو کر اپنی نسل کی پرورش کرے اور یہ دنیا آباد رہے، بچے کی تربیت میں بنیادی اور مرکزی کردار ماں اور باپ کا ہوتا ہے، اس سیرت سازی کے معاملے میں ماں باپ کو جو محوری اہمیت ہے، وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں، تمام والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد خوش حال اور ان کے

پاس اعلیٰ ڈگریاں ہوں اور وہ اونچے عہدوں پر فائز ہوں، عیش و آرام کا سارا سامان ان کے پاس ہو، دنیاوی اعتبار سے وہ ہر طرح کامیاب ہوں، اولاد کے لئے یہ کوشش ہرگز ناپسندیدہ نہیں ہیں، ناپسندیدگی کی بات یہ ہے کہ آپ دنیاوی کامیابی ہی کو اپنا مقصود بنا لیں اور اولاد کے دین و اخلاق سے غافل ہو جائیں، آپ اس حقیقت کو اوجھل نہ ہونے دیں کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، آپ کی اولاد کا شاندار مستقبل یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت کی تعلیم سے بھی آراستہ ہو، دین میں گہری سوجھ بوجھ انہیں حاصل ہو، ان کی زندگیاں پاکیزگی آخرت کی جواب دہی کا اور پرہیزگاری کا نمونہ ہوں، انہیں یعنی ماں باپ کو یہ تو فکر رہتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا کیا بنے گا، لیکن کبھی اس بات کی فکر نہیں کی کہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری اولاد کا کیا بنے گا؟ اس وقت پوری دنیا کے ہنود و یہود اس مسئلے میں پریشان ہیں کہ وہ کس طرح مسلمانوں کی نئی پود کو قابو کریں، بچوں اور بچیوں کو کس طرح اپنا ذہنی غلام بنائیں، ان کو خراب کریں، ان کے ذہنوں سے مسلمانیت کے نقوش حرف غلط کی طرح مٹا دیں، یہودی کہتے ہیں کہ بس یہ مسلمان نہ رہیں، یا پھر یہ نام کے مسلمان ہوں، ان کے تمام کام ہمارے ہنود و یہود اور عیسائیوں جیسے ہوں، اس کے حصول کے لئے جہاں وہ ٹی وی، ڈش، کیبل، نیٹ اور انٹرنیٹ کے ذریعے نئی نسل کی تربیت کرنے میں مصروف ہیں، وہیں ان کا سب سے تباہ کن ہتھیار موجودہ دور کے انگلش میڈیم اسکولز ہیں، جو کہ اکثر قائم تو مسلمانوں نے کئے ہیں، لیکن حقیقت میں، بچوں کو صلیبی اور یورپی یہودی کلچر کے سانچے میں ڈھال رہے ہوتے ہیں، یہ اسکول آج کل سب سے زیادہ مسلمان بچوں کو متاثر کر رہے ہیں جن پر یہ فقرہ بڑے فخر سے لکھا ہوتا ہے کہ "ہمارے اسکول میں اسٹاف دوران تعلیم بچوں سے تمام گفتگو انگریزی میں کرتا ہے۔" بچہ گھر آ کر ایک دو ٹوٹے پھوٹے انگلش کے الفاظ بول دے تو ماں باپ خوشی سے نہال ہو جاتے ہیں، انگلش کلچر کی آڑ میں نونہالوں کی دنیا بھی تباہ کر رہے ہیں اور آخرت بھی، والدین اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور اپنے بچوں کی گھر پر ہی ایسی تربیت کریں کہ کفر و الحاد کی تند و تیز آندھیاں بھی ان کے رخ کو تبدیل نہ کر سکیں، بعض بچے والدین کے زندہ ہوتے ہوئے بھی یتیم ہوتے ہیں، شفقت و توجہ سے محروم ہوتے ہیں، اگرچہ نوکر چاکر اسکول لے جانے اور لانے کے لئے ہوتے، کھانے پینے کے علاوہ سہولت کی ہر چیز میسر ہوتی ہے، لیکن پھر بھی یتیموں کی سی زندگی گزارتے ہیں، کیونکہ ان کے والدین زندگی کی گہما گہمی، تجارت و کاروبار، نوکریوں میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ وہ اولاد کی جانب توجہ نہیں دے سکتے، اس لئے تربیت سے محروم اولاد برے اخلاق میں مبتلا ہو جاتی ہے، غلط خیالات بچوں کے ذہنوں میں جگہ بنا لیتے ہیں، جب یہ بچے بڑے ہوتے ہیں تو والدین کے لئے فکر و پریشانی کا باعث بنتے ہیں، والدین اپنی کوتاہی تسلیم کرنے کی بجائے یہ ذمہ داری تعلیم گاہوں اور معاشرے پر ڈال دیتے ہیں، یہ احساس نہیں کرتے کہ تربیت کی ذمہ داری ان کی ہی تھی، جو شخص فکر معاش میں گھر سے نکل جاتا ہو اور رات کو گھر واپس آتا ہو تو وہ اولاد کو کیا وقت دے سکتا ہے، اس کا تو سارا وقت کاروبار اور پیسہ بنانے میں صرف ہو جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کمانے میں کامیاب ہو گیا ہو، لیکن اولاد کو اس نے ضائع کر دیا، یتیم وہ نہیں ہے جس کے والدین غم حیات سے رہائی پا کر اسے اپنے پیچھے خستہ حال چھوڑ گئے ہوں بلکہ یتیم وہ ہے جس کی ماں اپنے آپ میں مگن ہو اور باپ کو اپنے ہی کاموں سے فرصت نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کے دربار کا ایک واقعہ:..... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں ایک باپ نے اپنے بیٹے پر دعویٰ کیا کہ یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا، حضرت عمرؓ نے لڑکے سے دریافت کیا تو اس نے کہا۔ اے امیر المومنین!

کیا باپ ہی کا سارا حق اولاد پر ہے یا اولاد کا بھی ہے، باپ پر کچھ حق ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اولاد کا بھی باپ کے ذمہ حق ہے، کہا، میں ان حقوق کو سننا چاہتا ہوں، فرمایا، اولاد کا حق باپ پر یہ ہے کہ

(۱)......اولاد حاصل کرنے کیلئے شریف عورت تجویز کرے۔

(۲)...... جب اولاد پیدا ہو، ان کا نام اچھا رکھے، تاکہ اس کی برکت ہو۔

(۳)......اور جب وہ باشعور ہوجائیں انہیں تہذیب سکھائے اور دین کی تعلیم دے۔

لڑکے نے کہا کہ میرے باپ نے ان حقوق میں سے ایک حق بھی ادا نہیں کیا اور جب میں پیدا ہوا تو میرا نام "جُعل" رکھا جس کے معنیٰ ہیں پاخانہ کا کیڑا اور مجھے دین کا ایک حرف نہیں سکھایا، مجھے دینی تعلیم سے بالکل کورہ رکھا، یہ سن کر حضرت عمرؓ کو باپ پر بہت غصہ آیا اور اس کو بہت دھمکایا اور یہ کہہ کر مقدمہ خارج کردیا، پہلے تم اپنے ظلم کی مکافات کرو، اس کے بعد لڑکے کے ظلم کی فریاد کرنا اور باپ سے فرمایا کہ تو نے اس سے زیادہ اس کی حق تلفی کی ہے، جاؤ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔

تربیت کی ذمہ داری ماں کی ہے یا باپ کی:......

والدین کسی بھی حالت اور صورت میں بچوں کی تربیت سے بری الذمہ قرار نہیں دیئے جاسکتے، فکر معاش، اولاد کی تربیت سے غفلت برتنے کے لئے باپ کے پاس جواز اور حیلہ نہیں بن سکتا اور نہ ہی اولاد کی سماجی و گھریلو مصروفیات اس فرض سے کوتاہی کا جواز اور حیلہ بن سکتی ہے کہ ماں ان امور میں مصروفیت اور خانہ داری کی مصروفیتوں کی وجہ سے اپنی اولاد کو ملازموں اور آیاؤں کے سپرد کرکے مطمئن ہوجائیں، حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کرنا نہ صرف والدین میں سے ایک کا فرض ہے بلکہ یہ دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے، بچپن کی تعلیم بچے کے دل و دماغ پر ایسے پختہ ہوتی ہے جیسے پتھر پر نقش جو کہ کبھی نہیں مٹتا، بچپن کی تعلیم و تربیت کے اثرات ایسے مضبوط اور دیرپا ہوتے ہیں، تمام زندگی ختم نہیں ہوتے، جیسے پتھر سے نشانات نہیں مٹتے، حقیقت میں علم تو وہی ہے جو بچپن میں سکھایا جاتا ہے، اولاد کے نیک ہونے کے لئے والدین خود نیک بنیں، اولاد کے پیدا ہونے کے بعد اس کے سامنے کوئی بھی بے جا حرکت نہ کریں، اگرچہ وہ بالکل ناسمجھ بچہ بھی ہو، بچے کی دماغ کی مثال پریس جیسی ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ دماغ میں نقش پاجاتی ہے، یاد رکھو جو بھی کام تم اس کے سامنے کروگے، ان سے اس کے اخلاق میں اثر پڑے گا، دودھ پیتا بچہ جو کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتا، اس کے سامنے بھی کوئی ایسا کام نہ کرو، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اتنی سی عمر میں بچوں کو سمجھ ہی کیا ہوتی ہے، جو وہ اچھی یا بری بات کا اثر لیں گے، خوب سمجھ لیجئے کہ یہ خیال غلط ہے، چار پانچ سال کی عمر میں بچے کی اچھی یا بری عادتیں پختہ ہوجاتی ہیں، بچوں کی اصلاح کا وقت پانچ سال تک ہے، اس مدت میں جتنے اخلاق اس میں پختہ ہونے ہوتے ہیں، ہوجاتے ہیں، اس کے بعد اس میں پھر کوئی بھی عادت پختہ نہیں ہوتی، ہم جس وقت کو ناسمجھی کا وقت کہتے ہیں، وہی وقت بچوں کی اصلاح کا ہوتا ہے۔

ایک حکایت:......ایک مرد و عورت بہت نیک تھے، مگر ان کے بچہ نہ ہوتا تھا، بڑی دعاؤں اور امیدوں کے بعد بچہ کی امید ہوئی تو دونوں نے عہد کیا کہ دونوں زمانہ حمل میں احتیاط و تقوئی سے رہیں گے، مرد و عورت دونوں نے بہت احتیاط کی، بچہ پیدا ہوا تو اس میں نیکی و صلاح کے آثار ظاہر تھے، جیسے جیسے بڑھتا گیا، نیکی کے آثار نمایاں ہوتے گئے، ایک مرتبہ وہ ہوشیار ہوکر باپ کے ساتھ بازار جارہا تھا کہ ایک کنجڑے کے ٹوکرے میں ایک بیر اٹھا کر اس نے کھالیا، مرد کو حیرت ہوئی کہ یہ بات اس میں کہاں سے آئی، گھر آکر تلوار نکال لی اور بیوی سے دھمکا کر پوچھا کہ بتلاؤ اس میں یہ عیب کہاں سے آیا،

معلوم ہوتا ہے کہ تو نے حمل کے زمانے میں کسی کی چوری کی ہے، عورت نے کہا کہ تلوار کو نیام میں کرو، میں سوچ کے بتلاؤں گی، پھر سوچ کر بتلایا کہ ہمارے پڑوسی کی بیری کی ایک شاخ ہمارے گھر میں لٹک رہی ہے، اس سے ایک بیر توڑ کر میں نے توڑ کر میں نے کھالیا تھا، کیونکہ میں نے غلطی سے اس کو چوری نہیں سمجھا تھا، جب بچہ ماں کے پیٹ میں ماں کی حرکتوں کا اثر ہوتا ہے تو ہوشیار بچوں پر کیوں نہ اثر ہوگا، گو وہ بات نہ کرسکتے ہوں، مگر اثر ہر بات کا لیتے ہیں، اس لئے کہتے ہیں کہ اولاد کے نیک ہونے کے لئے والدین خود نیک بنیں، ہاں سب سے پہلے بچے کی پورے طور پر تربیت کردی جائے، تو پھر سارے بچے اس جیسے اٹھیں گے، یعنی اس کے چھوٹے بہن بھائی بھی وہی کام کریں گے، جیسے کام بڑا بچہ کرے گا، اس کو دیکھیں گے تو اسی کی عادتیں اور خصلتیں سیکھ لیں گے، جب بچہ بڑا ہوجائے تو اس کو تعلیم دین سکھاؤ اور خلاف شریعت کاموں سے بچاؤ اور نیک لوگوں کی صحبت میں رکھو، برے لوگوں کی صحبت سے بچاؤ، دیکھیں بچہ شروع میں ماں باپ کی گود میں رہتا ہے تو انہیں کو ماں باپ سمجھتا ہے، بعد میں اگر کوئی شک ڈالے تو کبھی شک نہ ہوگا اسے۔

اصل ضرورت علم دین کی ہے

(۱)......سب سے پہلے بچے کو کلمہ شریف سکھادیں۔

(۲)......بچے کو احکام کی زبانی تعلیم بھی دیتی رہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اور یہ بتلانا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتے ہیں، مثلاً سب چیزوں کو انہوں نے پیدا کیا، ان کو تمام چیزوں کی خبر ہے، اگر بچہ شرارت کرے تو کہو کہ اللہ تعالیٰ خفا ہوں گے اور جو علوم ان کے مناسب ہیں، مائیں ان کے ذہنوں میں خوب ڈال سکتی ہیں، بار بار کہتے رہنے سے بچے کو یقین ہوجائے گا کہ خدا تعالیٰ کو سب چیزوں کی خبر ہے، ماؤں کو چاہئے کہ ان کے خیالات درست کریں۔

(۳)......جب وہ شعور کی عمر کو پہنچ جائیں تو چھوٹی چھوٹی سورتیں قرآن شریف کی یاد کرادیں۔

(۴)......جب سات برس کے ہوں تو نماز پڑھنے کا طریقہ بتلادیں اور دس برس کی عمر میں مار کر پڑھوائیں۔ لیکن اب تو نماز کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں کہتا، اگر کوئی بچہ امتحان میں فیل ہوجائے تو اس پر افسوس ہوتا ہے، لیکن اگر نماز سال بھر نہ پڑھے تو ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا، اسلام زبان حال سے شکایت کررہا ہے کہ افسوس میری طرف بالکل توجہ نہیں رہی، یہ بتائیں کہ اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی فکر کیوں نہیں کی جاتی، کیا یہود و نصاریٰ اس کی حفاظت کریں گے یا ہندو مجوس اس کی حمایت کریں گے، جب اپنے سامان کی مالک ہی حفاظت نہ کرے تو اور کون کرے گا، تم میں سے ہر شخص نگران ہے، مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور ان کے بارے میں جوابدہ ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس کے متعلق جواب دہ ہے، ملازم اپنے مالک کی املاک کا نگران ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے، لڑکا اپنے ماں باپ کے مال کا نگران ہے اور وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے، تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اپنے زیر نگرانی کے بارے میں جواب دہ ہے، بچوں کی تعلیم کی ابتداء نماز سے کی جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارو پیٹو۔

(۵)...... جب سیانا ہوجائے تو اس کو علم دین پڑھائیں، قرآن پاک پڑھائیں، انہیں بتائیں قرآن پاک پڑھنے میں ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں، صرف ایک بار کسی اچھی بات کی طرف متوجہ کردینا کافی نہیں ہے، بچوں کا حق ہے کہ برابر ان پر نگاہ رکھیں اور بار بار کی غلطیوں کے باوجود اکتائیں نہیں بلکہ صبر و تحمل اور دل سوزی کے ساتھ متوجہ کرتے رہیں اور کسی بھی غلطی کو معمولی سمجھ کر لاپروائی نہ برتیں۔

سیدنا عمر بن ابو مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلیمؓ کے صاحبزادے تھے اور آپ

کی پرورش میں تھے، وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں، میں ابھی لڑکا تھا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھا، کھانا کھاتے وقت میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف گھوم رہا تھا، تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹے! بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے کھاؤ، پس اس کے بعد سے میری مستقل عادت یہی ہے۔

کچھ ضروری اور اہم ہدایات

(۱)...... نیک دیندار عورت کا دودھ پلائیں، عورت دیندار نہ ہو تو دودھ کا برا اثر ہوتا ہے۔

(۲)...... عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں، کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے ڈراتی ہیں، یہ بری بات ہے، اس سے بچے کا دل بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳)...... اس کے دودھ پلانے اور کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو، تاکہ وہ تندرست رہے۔

(۴)...... اس کو صاف ستھرا رکھو، کیونکہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

(۵)...... اس کا بہت زیادہ بناؤ سنگھار نہ کرو۔

(۶)...... اگر لڑکا ہو تو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۷)...... اگر لڑکی ہے تو اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے، زیور مت پہناؤ، اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے، دوسرے بچپن سے زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں۔

(۸)...... بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا، کپڑا، پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو، اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تاکہ ان کو سخاوت کی عادت ہو...... مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ سے دلوایا کرو، خود جو چیز انہی کی ہو یعنی جس کے وہ مالک ہوں اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۹)...... زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو، مگر کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ اس طرح کہ جو شخص بہت کھاتا ہے لوگ اس کو بیل سمجھتے ہیں۔

(۱۰)...... اگر لڑکا ہو تو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں تم، ماشاءاللہ مرد ہو، ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کرو۔

(۱۱)...... اگر لڑکی ہے تو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی اور بہت تکلف کے کپڑوں کی عادت اس کو مت ڈالو۔

(۱۲)...... ان کی سب ضدیں پوری مت کرو، کیونکہ اس سے مزاج بگڑتا جاتا ہے۔

(۱۳)...... چلا کر بولنے سے روکو، خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو ورنہ بڑی ہو کہ وہی عادت ہو جائے گی۔

(۱۴)...... جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں، ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے ساتھ کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

(۱۵)...... ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتی رہو، غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا یا حرص کرنا، چوری، چغلی، اپنی بات کو منوانا خواہ مخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بری بات کو سوچنا اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے، فوراً اس پر تنبیہ کرو۔

(۱۶)...... بہت جلدی مت سونے دو۔

(۱۷)...... جلدی جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۱۸)...... جب سات برس کی عمر ہو جائے تو نماز کی عادت ڈالو۔

(۱۹)...... جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے، پہلے قرآن پڑھواؤ۔

(۲۰)...... مکتب میں جانے میں کبھی رعایت نہ کرو۔

(۲۱)...... جہاں تک ہو سکے، دیندار استاذ سے

پڑھواؤ۔

(۲۲)...... کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں، قصے سنایا کرو۔

(۲۳)...... ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشق معشوقی کی باتیں یا شریعت کے خلاف مضمون یا اور بے ہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۴)...... ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین اور دنیا کی ضروری کارروائی آ جائے۔

(۲۵)...... مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تاکہ اس کی طبیعت اکتا نہ جائے، لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو، جھوٹ بولنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۶)...... آتش بازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسہ مت دو۔

(۲۷)...... کھیل تماشہ دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۸)...... اولاد کو ضروری ایسا ہنر سکھلا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسہ حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۲۹)...... لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۰)...... بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں، اپاہج اور سست نہ ہو جائیں، ان سے کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں، صبح کو جلدی اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں، کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں، پھٹا ہوا خود سی لیا کریں، کپڑے خواہ میلے ہوں یا صاف ایسی جگہ رکھیں جہاں کپڑے چوہے کے کترنے کا اندیشہ نہ ہو، دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں اور گن کر لیں۔

(۳۱)...... لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح جب اٹھو دیکھ بھال کیا کرو۔

(۳۲)...... لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے، کپڑے رنگنے، کوئی چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اس کو غور سے دیکھا کرو کہ کیسے ہو رہا ہے۔

(۳۳)...... جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباشی دو پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو تاکہ اس کا دل بڑھے اور جب اس کی بری بات دیکھو تو تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بری بات ہے، دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے اور جس جس کو معلوم ہوگا وہ کیا کہے گا، خبردار پھر آئندہ مت کرنا، اچھے لڑکے ایسا نہیں کرتے اور اگر پھر وہی کرے تو مناسب سزا دیں۔

(۳۴)...... ماں کو چاہئے کہ بچہ کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۵)...... بچہ کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو کھیل ہو یا کھانا یا اور کوئی بھی کام ہو جو کام چھپا کر کرے گا تو سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے، سو اگر وہ برا ہے تو اس کو چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس کو کہو کہ سب کے سامنے کھائے پیے۔

(۳۶)...... کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کرو جس سے صحت اور ہمت رہے، سستی نہ آنے پائے۔

(۳۷)...... چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے، نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۳۸)...... اس کو عاجزی انکساری اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے، چال سے، برتاؤ سے شیخی نہ بگھارنے پائے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب وقلم ودوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

(۳۹)...... کبھی کبھی اس کو دو چار پیسہ دے دیا کرو تاکہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے مگر اس کی یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۰)...... اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھلاؤ۔

(۴۱)......اچھے کھانے پینے کی عادت مت ڈالو، ہمیشہ ایک سا وقت نہیں رہتا پھر کسی وقت مصیبت جھیلنی پڑتی ہے۔

(۴۲)......اگر تمہارا بچہ کسی کا قصور غلطی سے کرے تو تم کبھی اپنے بچہ کی طرف داری مت کرو خاص طور پر بچے کے سامنے ایسا کرنا بچہ کی عادت خراب کرتا ہے۔

(۴۳)......اپنے گھر والوں کی یا اپنی اولاد کی کسی کے سامنے تعریف مت کرو۔

(۴۴)......کسی بچہ یا شاگرد کو سزا دینا ہو تو موٹی لکڑی یا لات گھوسہ سے مت مارو، اللہ بچائے اگر کہیں نازک جگہ چوٹ لگ جائے تو لینے کے دینے پڑ جائیں اور چہرہ اور سر پر مت مارو۔

(۴۵)......لڑکیوں کو تاکید رکھو کہ لڑکوں میں نہ کھیلا کریں، کیونکہ اس میں دونوں کی عادتیں بگڑتی ہیں اور غیر لڑکے گھر میں آئیں چاہے وہ چھوٹے ہوں مگر اس وقت لڑکیاں وہاں سے ہٹ جایا کریں۔

(۴۶)......بچوں کو شروع ہی سے اس کا پابند کیجئے کہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھا کریں۔

(۴۷)......اسی طرح بچوں میں بچپن سے یہ بات پیدا کیجئے کہ ان کو مسلمانوں سے اجنبیت نہ ہو، انہیں غریبوں سے ملنے جلنے کی تعلیم دیجئے، غریبوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں دنیوی فائدہ بھی ہے اس سے ملیں گے تو وہ قدر کریں گے اور امیروں کے ساتھ تعلق رکھنے میں کچھ عزت نہیں ہوتی کیونکہ امراء مالدار تو خود ہی اینٹھ فروڑ میں رہتے ہیں، ان کی نظر میں کسی کی وقعت نہیں ہوتی، پس یہ مادہ بچپن ہی سے پیدا کرو کہ غریبوں سے نفرت نہ ہو، یہ باتیں بچپن ہی سے پیدا نہ ہوں گی تو بڑے ہونے کے بعد پھر ذرا دشوار ہے۔

(۴۸)......اس طرح بچوں کو اس کی بھی تاکید کیجئے کہ لباس خلاف شرع نہ پہنیں، دوسری قوموں کی وضع فیشن نہ اختیار کریں۔

(۴۹)......ایک کام یہ کرو روز کوئی وقت نکال لو جس میں کسی کام کا کوئی حرج بھی نہ ہو، تو سب سے زیادہ بیکار وقت سونے کا ہے، یہی لے لو، بس اس میں سے تھوڑے سے وقت میں کوئی کتاب دین کی بچہ کو دے دیجئے کہ وہ خود پڑھے یا آپ اس کو پڑھ کر سنائیں، کوئی دن اس سے خالی نہ ہو۔

(۵۰)......دوسرے یہ کہ کبھی کبھی دو دن چار دن کے لئے جب اسکول کی چھٹی کا زمانہ ہو، اہل اللہ کی صحبت اختیار کریں، خواہ کسی بزرگ کے پاس رہ کر یا جماعت میں نکل کر بلکہ اگر چھٹی کا پورا زمانہ اس میں خرچ نہ کریں تو یوں کریں کہ مثلاً اسکول میں مہینہ بھر کی چھٹی ہوتی ہے، اس کے دو حصے کریں ایک حصہ کھیل کود میں گزاریں اور ایک حصہ اہل اللہ کی صحبت میں، یاد رکھئے کہ اولاد کی نیک تربیت جہاں آپ کے لئے دنیا میں نیک نامی اور عزت و رفعت کا باعث اور سکون کا ذریعہ بنے گی وہیں مرنے کے بعد صدقہ جاریہ بن جائے گی، یعنی آپ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ کا سیونگ اکاؤنٹ کھل گیا، یوں یہ نفع اجر و ثواب کی صورت میں ہمیشہ تو آپ کو پہنچتا ہی رہے گا، لیکن آخرت میں یہ اولاد کی نیک تربیت آپ کے لئے درجات میں بلندی اور نجات کا باعث بھی بنے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے، اس کے تمام دنیاوی اعمال کا اس سے رابطہ کٹ جاتا ہے، مگر تین اعمال کا رابطہ اس سے منسلک رہتا ہے:

(۱)......صدقہ جاریہ

(۲)......ایسا علم جس سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہو۔

(۳)......ایسی نیک اولاد جو اس کے لئے دعائے مغفرت کرے۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی بعض نیکیاں جاری رہتی ہیں، جیسے

کوئی مسجد، مدرسہ، سڑک، کنواں وغیرہ بنوایا جائے تو جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اس کو برابر اجر ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں جب انسان کے درجات بڑھائے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے، اے اللہ! میرے درجات میں بلندی کا کیا سبب ہے تو جواب ملتا ہے، تیری اولاد جو تیرے مرنے کے بعد تیرے لئے استغفار کرتی ہے، اس لئے والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے توشہ آخرت یعنی اولاد کی تربیت دینی ماحول میں کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو آخرت میں نجات کا ذریعہ بنا دے۔ ماں دن کا سکھ اور رات کی نیند قربان کر کے بچے کی پرورش میں لگی رہتی ہے، باپ اپنے لاڈلے پر خون پسینے کی گاڑھی کمائی خرچ کر کے قلبی سکون محسوس کرتا ہے، والدین اور تمام متعلقین کی خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ بچہ بڑا ہو کر والدین کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان ہو، خاندان کی عزت و وقار کو چار چاند لگائے، ملک و قوم کی ترقی کے لئے کارہائے نمایاں انجام دے، ظاہر ہے کہ کوئی بچہ بھی جوان ہو کر اعزہ و احباب کے اس خواب کو اس وقت تک شرمندہ تعبیر نہیں کر سکتا جب تک وہ زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ نہ ہو، کیونکہ تعلیم و تربیت ہی سے بچے کی ذہنی و اخلاقی نشوونما صحیح نہج پر ہو پاتی ہے، اس کی خوابیدہ صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں، اس کی سیرت و کردار کی تعمیر ہوتی ہے، اس میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے اور بہتر طریقے پر ان کو ادا کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے، اس میں خود نیک بننے کے ساتھ دوسروں کو نیک بنانے کی فکر پیدا ہوتی ہے، وہ معاشرے کا بے لوث خادم اور ملک کا بہترین شہری بنتا ہے اور پھر اپنی صلاحیتوں سے ملک و ملت کو فیض یاب کرتا ہے، اس کے برعکس جو صحیح تعلیم و تربیت سے محروم رہ جاتے ہیں، ان کی فطری صلاحیتیں یا تو دب جاتی ہیں یا غلط رخ اختیار کر لیتی ہیں، وہ آوارگی اور جرائم پیشگی کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ فحاشی و بے حیائی میں مبتلا ہو کر خود اپنی زندگی تباہ کر لیتے ہیں اور سماج کے لئے بھی دردسر بن جاتے ہیں، وہ ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور بڑھاپے کا سہارا بننے کی بجائے والدین کے لئے ناقابل برداشت بوجھ بن جاتے ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی، مجوسی بنا دیتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے اور کوشش کی جائے کہ دنیا میں آنے والا کوئی بھی بچہ ناخواندہ نہ رہ جائے، بامقصد تعلیم و تربیت کا وسیع پیمانے پر بندوبست کیا جائے، تعلیم و تربیت کے لئے تمام ضروری وسائل فراہم کئے جائیں، اور ایک صالح نظام تعلیم کے تحت بہترین نصاب تربیت دے کر مثالی اسکول کے روح پرور ماحول میں بہترین اساتذہ کی نگرانی میں موزوں تعلیم و تربیت کے اہتمام کے لئے سعی و کوشش کی جائے، اگر آپ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے غفلت برتی تو یاد رکھئے کہ اس کے نتائج بد سے آپ اپنے آپ کو بچا نہ سکیں گے اور وقت گزرنے پر آپ پشیمان ہوں گے، اگر آپ نے اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام نہ کیا تو وہ اپنا قیمتی وقت گلیوں میں آوارہ پھر کر گزاریں گے اور برے ساتھیوں کی صحبت میں ان کی سیرتیں غلط سانچوں میں ڈھل کر ناقابل اصلاح ہو جائیں گی، بڑے ہو کر ایک تو وہ اپنی عادات واطوار بدلیں گے ہی نہیں اور اگر انہیں اصلاح کی ترغیب دلائی بھی جائے گی تو انہیں بڑی مشکل پیش آئے گی کیونکہ بچپن کی بری عادتوں کے نقوش بہت گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔

جی ہاں، اب آپ عہد کریں کہ آپ اپنے بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کا ضرور بندوبست کریں گے، جس طرح آپ ان کی جسمانی نشوونما کے لئے ہر وقت سرگرم عمل رہتے ہیں، اسی طرح ان کی ذہنی و اخلاقی اور فکری و عملی نشوونما کے لئے بھی جدوجہد کریں گے۔

☆......☆......☆

بیماری کیوں آتی ہے؟



مریم حسن پیلاں

اگر ہمارا ذہن متوازن ہے، ہم متوازن شخصیت کے مالک ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر پوری طرح سے عمل پیرا ہیں تو یقیناً ہماری سوچ صحت مند اور مثبت ہوگی اور ہمارے جذبات بھی خوشگوار اور صحت مند ہوں گے اور امید، خوشی، بشاشت، بلند ہمتی، حوصلہ، ہمت، ہمدردی، ایثاری، قربانی، محبت اور شفقت کے تاثرات لئے ہوئے ہوں گے۔ اگر حالات اس کے برعکس ہیں، ہمارا دل اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور صرف دنیاوی محبتوں سے لبریز ہے یا پھر زندگی میں ہماری ترجیحات متعین نہیں ہے، یعنی ہم نے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد کی محبت کو اولین درجہ نہیں دیا، باقی دنیاوی محبتوں کو ان اصل محبتوں پر غالب کردیا تو ہماری ترجیحات بھی الٹی ہوجائیں گی، پھر ہمارا ذہن بھی منتشر اور غیر متوازن ہوجائے گا اور ہم ایک متوازن شخصیت کے مالک نہیں رہیں گے، اس کے نتیجے میں ہماری سوچ منفی اور بیمار پڑ جائے گی، ہماری سوچ منفی ہوجائے گی، ہمارا رویہ منفی ہوجائے گا اور ہمارے اندر ایک ناگوار احساس پیدا ہوجائے گا، اس ناگوار احساس کو گھٹیا اور مذموم ناگوار جذبات کہتے ہیں، مثلاً غم، غصہ، تشویش، خوف، بدگمانی، کم ہمتی، آزردگی، بے اطمینانیاں اور اسی قسم کے لاتعداد جذبات پیدا ہوتے رہتے ہیں جو دراصل ہماری تمام جذباتی مشکلات (Emotional problem) یا (Emotional disterbanic) جذباتی بگاڑ کی جڑ اور بنیاد ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے Anxiety اور Depression اور دیگر کئی بیماریاں پیدا ہوتی ہے۔

بیماریوں کا جذبات سے تعلق:...... ذہنی، اعصابی اور جسمانی بیماریوں کا جذبات سے گہرا تعلق ہے، مثلاً غصہ کے جذبات کو ہی لیجیے کہ اس کا تجربہ کم وبیش سب ہی کو ہے۔ غصہ کے وقت انسان کا خون کھولنے لگتا ہے اور Flight or Flight کے تحت Adrenal gland سے Adreneline خارج ہوکر ہاتھ پیر میں لرزہ طاری کردیتا ہے اور B.P کو ایک دم بڑھا دیتا ہے، دل کی دھڑکن اس طرح تیز ہوجاتی ہے، گویا ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے، اکثر خون کا دباؤ سیدھا دماغ میں پہنچ کر شریانوں کو پھاڑ دیتا ہے، برین ہیمرج اس طرح شدید غصہ کرنے سے ہوتا ہے اور غصہ کرنے والا اپنے ہی ہاتھوں خودکشی کا مرتکب ہوتا ہے اور غصہ کرنے کی وجہ سے شریانیں سکڑ جاتی ہے اور Angina کا درد ہونے لگتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے غصہ کو حرام قرار دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو لاتغضب کا حکم دیا ہے۔

منفی جذبات سے پیدا ہونے والی بیماریاں:...... ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں سے ہمارا جسم متعدد بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے، چند ایک درج ذیل ہے:

(۱)...... گردن کے پچھلے حصہ میں درد
(۲)...... کندھوں میں درد
(۳)...... حلق میں ورم
(۴)...... معدہ میں خراش اور دردوالسر
(۵)...... پتہ میں درد
(۶)...... گیس کی شکایت
(۶)...... سستی اور غنودگی
(۸)...... سردرد
(۹)...... اختلاج اور گھٹن
(۱۰)...... قبض
(۱۱)...... تھکاوٹ اور اضمحلال
(۱۲)...... اضطراب
(۱۳)...... ڈیپریشن

مستقل جذبہ محرومی ومایوسی کی وجوہات:...... جب انسان کی کوئی بہت اہم اور بنیادی خواہش پوری نہیں ہوتی تو اس کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ بنیادی سطح پر بنیادی مستقل نوعیت کے جذبہ یعنی محرومی ومایوسی میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس کی وجوہات درج ذیل ہے:

(۱)...... محبت میں محرومی
(۲)...... عدم تحفظ اور بے سہارگی
(۳)...... محنت اور اچھے کاموں کے صلے میں الزام تراشی، حوصلہ شکنی اور بے حسی کے مظاہرے
(۴)...... تعمیری اور مفید اظہار خیال پر تضحیک اور تنقید
(۵)...... نئے تجربات اور تحقیقات میں رکاوٹیں پیدا کرنا۔
(۶)...... خودستائی اور عزت نفس

مثبت جذبات کے جسم پر خوشگوار اثرات:...... اچھے مثبت جذبات انسان کو ذہنی صحت، دماغی توازن، قوت برداشت، فراغت، حوصلہ، بہادری، تفویض، الی اللہ، تحمل، سچی خوشیاں، دلی اور ذہنی سکون سے ہمکنار کرتے ہیں اور ایسے پختہ ذہن اور متوازن شخصیت کے حامل انسان صحت مند ومثبت جذبات کے مالک اور انتہائی خوش قسمت اور کامیاب انسان ہوتے ہیں، وہ دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب رہتے ہیں، دراصل پختہ متوازن شخصیت وذہن کے مالک انسانوں کی تربیت اچھے اور مثبت ماحول میں ہوتی ہے، ان کو شروع سے ہی اچھی اور نیک صحبت میسر آتی ہے، اس لئے ان کا ایمان مضبوط، ان کی اللہ سے محبت شدید اور اللہ پر بھروسہ قوی ترین ہوتا ہے، ان کی نظر دنیا کے بجائے آخرت پر جمی رہتی ہے، اس لئے دنیا کے غم اور پریشانیاں انہیں چھوٹی اور جلد ختم

ہو جانے والی لگتی ہیں۔

ہم اچھے جذبات کیسے پیدا کریں؟:......آج کے مادہ پرست دور میں انسان بہت خود غرض ہو گیا ہے، اللہ کے بندوں سے اللہ کی خاطر محبت اور حسن سلوک کیا جانا چاہئے لیکن انسان اس احساس سے بالکل عاری ہوتا جا رہا ہے، آج کے انسان کا یہ نعرہ بن گیا ہے کہ "بس صرف اپنے لئے جیو۔"

جب ہمارا مقصد تخلیق کچھ اور ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ اطاعت کے لئے کم نہ تھے کرو بیاں

ہم دوسروں کے آگے روتے ہیں جو رو کر سنتے ہیں اور ہنس کر مذاق اڑاتے ہیں تو کیوں نہ ہم صرف اور صرف اللہ کے آگے روئیں اور صرف اسی سے مدد مانگیں۔

میں جو کچھ لکھ رہی ہوں، وہ محض کتابی باتیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب میں تجربہ اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر لکھ رہی ہوں، اگر میں کامیاب زندگی کے بارے میں کتاب لکھنا چاہوں تو اللہ کی مہربانی سے لکھ سکتی ہوں، کامیاب زندگی کے راز آپ پر آشکار کر سکتی ہوں، میں انہیں بآسانی آپ کے ساتھ Share کر سکتی ہوں، لیکن اس وقت ہمارا موضوع اور ہے، اور وہ ہے "اچھے صحت مند مثبت جذبات کی اہمیت و افادیت" اچھے جذبات کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، سب جانتے ہیں کہ اچھی صحت کے لئے خوش رہنا انتہائی ضروری ہے اور اچھے جذبات کے بغیر کوئی خوش نہیں رہ سکتا، خود سوچئے کہ اگر آپ کو غصہ آیا ہوا ہے اور آپ جھنجھلائے ہوئے ہیں، اپنے خواب ٹوٹنے اور آرزوؤں، تمناؤں اور توقعات کے پورا نہ ہونے پر غمگین ہیں تو آپ کس طرح اچھے جذبات کے مالک بن سکتے ہیں۔

اس کا بس واحد حل یہ ہے کہ اپنے مالک، اپنے اللہ سے مدد طلب کی جائے، جس طرح ایمرجنسی میں امریکہ میں فوراً 9/11 کو کال کیا جاتا ہے، اس طرح آپ تہجد کی ہاٹ لائن پر اللہ تعالیٰ سے رابطہ کیجئے اور اپنی تمام پریشانیاں اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ہلکے ہو جائیں، اس سادہ سے آسان اور عمل کو تفویض (سپردگی) کہا جاتا ہے۔

اگر آپ کے لئے درمیانی رات کو اٹھنا مشکل ہے تو صرف فجر سے تھوڑی دیر پہلے اٹھ جائیے اور 4 یا 6 رکعت نماز تہجد پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ بات چیت کر لیجئے اور دل کا ہر غم اور ہر پریشانی اللہ سے بیان کیجئے، یقین کیجئے کہ تہجد میں مانگی گئی دعا اللہ تعالیٰ ضرور پوری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا کی بہتری اور کامیابی مانگئے، اچھے جذبات مانگئے، غم و غصہ سے نجات مانگئے، عفو و درگزر کی توفیق مانگئے، پھر دیکھئے کہ آپ اپنے ازلی دشمن کو بھی دل سے معاف کر دینے کا حوصلہ پا لیں گے۔

میوزک چھوڑنے کے غم میں اداس و مغموم ہونے کی ناکام کوشش ہوں تو میں یہ اشعار گنگنانے اور اللہ سے لو لگانے کے لئے یہ مناجات پڑھتی ہوں، اپنی پیاری آواز سے مزین کرتی ہوں اور اسے گنگنا کر اپنے گانے کا شوق پورا کرتی ہوں، وہ مناجات یہ ہے۔

دل مغموم کو مسرور کر دے
دل بے نور کو پرنور کر دے
فروزاں دل میں شمع طور کر دے
یہ گوشہ نور سے معمور کر دے
میرا ظاہر سنور جائے الٰہی
میرے باطن کی ظلمت کو دور کر دے
مئے وحدت پلا مخمور کر دے
محبت کے نشے میں چور کر دے
نہ دل مائل ہو میرا ان کی جانب
جنہیں تیری ادا مغرور کر دے
ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خدایا اس کو بے مقدور کر دے

☆......☆......☆



قسط نمبر 1

ساجدہ یوسف

وہ گھر میں داخل ہوا تو سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ "ابا جی کو جب دیکھو، کام میں لگے ہوتے ہیں، کبھی کوئی دروازہ ٹھیک کر رہے ہیں، تو کبھی باتھ روم کا نلکا۔ اماں ہیں تو وہ بھی کفایت میں کئی دنوں تک گوشت نہیں پکواتیں، پھل فروٹ کا تو نام ہی نہیں ہے، حالانکہ ان دونوں کو اچھی غذا کی ضرورت ہے، اس مہنگائی میں گزارا کرنا کیا اتنا آسان ہے؟ مگر طلحہ کو تو احساس ہی نہیں، کتنے ہی لڑکے ایسے ہیں جو پڑھتے بھی ہیں اور نوکری بھی کرتے ہیں۔"

آپا مسلسل گھر کے عام مسائل کی گٹھڑی کھولے بیٹھی تھیں اور وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ پوری طرح سمجھ نہیں رہا تھا کہ بات کیا ہے، آرام کرنا چاہتا تھا، مگر اماں اور ابا کے پاس بیٹھنا بھی فرض تھا، چھ گھنٹے کا تکلیف دہ سفر، پورا جسم اکڑ گیا تھا، شام کو گھر فون کر دیا تھا، اسی لئے سب اس کے منتظر تھے، اپنی حیثیت کے حساب سے اس کے لئے اسپیشل کھانا تیار کیا گیا، آپا تو منتظر تھی کہ کب وہ آئے اور گھر کے مسائل سے آگاہ کریں، ثنا بھی آپا کے خاموش ہونے کا انتظار کر رہی تھی، ابھی آپا بول رہی تھی کہ ثنا ناشتہ لے آئی، ہمیشہ کی طرح مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی، وہ شاید نہا کر آئی تھی، چہرے پر شادابی تھی، میرون ڈوپٹے میں لپٹی ہوئی، حسب معمول جسم چھپائے ٹرے میز پر رکھ کر کھڑی ہو گئی، تو اس کے بالوں کی سنہری نوکوں سے پانی کی بوندیں ٹپکی اور اسد کے پاؤں پر بھی چھینٹیں پڑ گئیں تو اس کی نظر فوراً ثنا پر پڑی، جو اسی کی طرف بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی اور وہ احساس جرم میں مبتلا ہو گیا، اسی اثنا میں ثنا مڑی اور باہر چلی گئی، اس کی کمر پر سنہری تار جھلملا رہے تھے، اسد کو عورتوں کے لمبے بال اور لہراتی ہوئی چوٹی پسند تھی اور سب جانتے تھے کہ لمبے بال اس کی کمزوری تھے، مگر ثنا کے بال اس نے کبھی دیکھے نہیں تھے، بس وہی سنہری تار کمر پر دوپٹے کے نیچے سے نظر آتے اور اسد نے کبھی انہیں دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، نہ اشتیاق کی نظر سے، نہ استحقاق کی، کسی ایک انسان کا بدلہ کسی دوسرے سے لے کر شاید انسان کو تسکین ہوتی ہے، لیکن اسد کبھی بھی خوش نہ رہ سکا، بلکہ ہمیشہ یہاں آ کر وہ ڈسٹرب ہو جاتا، اگر اماں ابا کا خیال نہ ہوتا تو وہ برسوں ادھر کا رخ نہ کرتا۔

اسد کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی، وہ سب سے ناراض تھا، لیکن اسے اپنی ذمہ داری کا احساس تھا، کافی عرصہ خفا

رہنے کے بعد اب وہ دو دن کے لئے گھر آہی جاتا تھا، کیونکہ اس گھر میں موجود ہر فرد کی امیدیں اس سے وابستہ تھیں اور وہ انہیں نا امید نہیں کرنا چاہتا تھا، آپا اٹھ کر باہر چلی گئیں، فوراً ہی ان کی آواز آئی۔

''ثنا! ادھر آنا۔''

ثنا دروازے کے ساتھ ہی لگی کھڑی تھی، وہ چونک گئی اور بھاگتی ہوئی آپا کے پاس پہنچ گئی۔

اسد نے سنا کہ باہر ثنا آپا سے کہہ رہی تھی۔

''نہیں آپا! میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں لگائی، فوراً آ گئی۔''

''ناشتہ کرلیا تم نے؟'' طلحہ، اسد سے مخاطب ہوا۔

''ابھی کہاں، ابھی تو مزاج شاہی نیند کے جھولے میں جھول رہے ہیں، اور؟ بھائی! رات بھر بس کے پائیدان سے لٹک کر سفر کیا ہے؟ ٹرینیں بھی تو آتی ہیں، آرام سے سفر کریں۔''

''ٹرینوں کے اوقات مقرر ہیں یار! اور دن میں تو ایک ہی ٹرین آتی ہے، بس تو ہر گھنٹے بعد چلتی ہے، لٹک کر تو نہیں آیا، بس پرانی تھی، اس لئے سفر بے آرام تھا۔''

''بیٹا! اس ناخلف کو سمجھاؤ، یہ بھی دوستوں کی محبت چھوڑ کر نوکری تلاش کرے، اس کا بھی کچھ فرض ہے کہ نہیں، کچھ تو احساس کرلے۔'' اماں اسد سے مخاطب ہوئیں۔

''اماں! بھائی تھکے ہوئے ہیں، ایسے اذیت ناک موضوع کو نہ چھیڑیں، مجھے اپنے فرض کا احساس ہے، آپ آپا کو احساس دلائیں کہ ان کا بھی فرض ہے کہ اپنے گھر کا احساس کریں، بچوں کو ان کی ضرورت ہے۔''

''یہاں بھی اس کی ضرورت ہے، ارے بہن کو بوجھ کیوں سمجھتے ہو تم لوگ؟''

''ہاں! واقعی ضرورت تو ہے، گھر میں ہر وقت نکا فضیحتی کے لئے، سن لیں، باہر کیا ہو رہا ہے، ایک شکار ہاتھ لگا ہے، ہدف مقرر کرلیا ہے، چاند ماری کے لئے، نشانہ غلط ہو یا صحیح، اپنے اندر کی آگ باہر نکالنے کے لئے نہایت مناسب، ضرورت واقعی۔'' طلحہ سر ہلانے لگا، باہر آپا ثنا پر خفا ہو رہی تھیں۔

''طلحہ! بس چپ ہو جاؤ۔ ابھی ہم زندہ ہیں اور گھر پر جتنا حق تمہارا ہے، اتنا ہی زری کا ہے۔'' اماں ناراض ہونے لگیں۔

''حق دار کو، دوسرے حق داروں کا بھی خیال رکھنا چاہئے، شادی کے بعد میں نے سنا ہے، لڑکی کے حقوق اس کے شوہر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، سنا ہے یقین نہیں۔''

''اچھا بس...... تقریر کی ضرورت نہیں۔'' اماں نے جھڑکا، طلحہ شانے اچکا کر رہ گیا۔

''بھائی! آپ جا کر آرام کریں، کھانے کے بعد باتیں کریں گے۔''

''تم نے یونیورسٹی چھوڑ دی؟'' وہ طلحہ کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''سب چاہتے ہیں چھوڑ دوں اور نوکری کرلوں، مگر میں خاصا ڈھیٹ ہوں، ہر آرزو، آہم...... خیر...... میں ذرا آرام سے جاتا ہوں۔''

وہ واقعی ڈھیٹ تھا، ارادے کا پختہ اور خاصا مضبوط، اسد میں مروت تھی اور مزاج کا بھی ٹھنڈا تھا جبکہ طلحہ جتنا خوش مزاج تھا، اتنا ہی مشتعل بھی ہو جاتا تھا۔

''ارے کیوں بھائی کا ناشتہ جھوٹا کرتا ہے، تیرا بھی آجائے گا ابھی، صبر کرلے نکمے۔''

''اماں کو میرا کھانا پینا ہی برا لگتا ہے۔'' طلحہ، اسد سے شکوہ کناں تھا۔

''کبھی آپا کو نصیحت نہیں کی کہ بھئی، جو فجر کے وقت سے پھرکی بنی پھر رہی ہے، اسے پہلے کچھ کھانے کو دے دو، خود بعد میں کھالیں۔''

اماں نے ایک دھپ رسید کی اور درست رکھے تکیے کو پھر سے صحیح کرنے لگیں۔

''ارے بھئی ثنا! بھائی کا ناشتہ ختم ہو گیا اور چائے ابھی تک نہیں آئی، میرا ابھی ناشتہ۔''

آپا چائے کی پیالی لیتے اندر آئیں، اسد کے سامنے چائے رکھ کر بولیں۔

''آتا ہے ناشتہ۔''

''ہائے ظالم سماج۔'' وہ کراہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ''ثنا سے کہیں کہ میرا اور اپنا بھی ناشتہ لے آئے۔ بھائی کے آرام کا وقت ہے، وہ سوئیں گے۔''

''ثنا ناشتہ کررہی ہے۔'' آپا کا موڈ خراب تھا، وہ طلحہ کی فضول باتوں سے ناراض رہتی تھیں۔

''ہاں، اگر بھائی کے ساتھ ناشتہ کرلیتی تو مذہب تبدیل ہو جاتا یا نکاح ٹوٹنے کا خطرہ تھا؟ ویسے آپا! آپ کبھی بھی اچھی ہدایت کار نہیں بن سکتیں، اسی لئے آپ کے ڈرامے فلاپ ہو جاتے ہیں۔''

''دیکھو طلحہ! میں تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتی۔'' آپا واقعی غصے میں تھیں۔

''آپا پلیز، خفا نہ ہوں، آپ کی ناراضگی ہم افورڈ نہیں کرسکتے، آپ اس گھر کی سربراہ ہیں فی الحال، گھر کے کل وجز و آپ کے بااختیار ہاتھ اور زبان کی جنبش کے محتاج نہیں، میں تو پھر بھی مقابلہ کرلوں گا، لیکن آپ ہمیشہ کمزور پر بجلی بن کر گرتی ہیں، اس لئے معافی، ہاں بھائی! یاد آیا، ثنا کی انٹر کی تیاری مکمل ہو گئی ہے، اب آپ اس کا داخلہ کرا کے جائیں، اسے پڑھنے کا بہت شوق ہے، ذہین بھی ہے۔''

''ذہین؟'' آپا تلخی سے اسد کو دیکھنے لگی، مذاق اڑانے والا انداز تھا۔

''طلحہ ہی زیادہ جانتے ہیں بھئی اس کی ذہانت کو، خیر سے استاد ٹھہرے، احمقستان کی شہزادی کو یہ ہی ذہانت کی ڈگری دے سکتے ہیں۔''

آپا کے لہجے کی تلخی نے طلحہ کو ذرا متاثر نہیں کیا، وہ اسد کا ہاتھ پکڑ کر باہر آگیا اور کچن کی طرف منہ کر کے پکارنے لگا۔

''میرا ناشتہ برآمدے میں لے آؤ اور کبھی اپنے لئے بھی پراٹھا بنالیا کرو، باسی روٹیاں مرغیوں کے لئے چھوڑ دیا کرو، وہ بھی جاندار ہیں، بے زبان ہیں تمہاری طرح، ان کی تو خاطر فرض ہے، انڈے دیتی نہیں مفت میں، ویسے تم بھی مفت میں چاکری کررہی ہو، اس لئے ایک انڈا اپنے لئے بھی بنالیا کرو، اسراف کا خدشہ ہے، تو چلو، میرے حصے کا انڈا لے لیا کرو، میں تو درویش ٹھہرا، پراٹھا چائے، چینی یا جام کے ساتھ کھالوں گا، آئیں بھائی، دیکھیں ثنا صاحبہ کا ناشتہ، باسی روٹی، باسی سالن، چائے ندارد، کیونکہ بے جا اسراف کے خدشے ایک ثنا کے لئے ہی۔''

''چپ ہو جاؤ طلحہ! کس قدر بولتے ہو، اسد کے سر میں درد ہو گیا ہوگا۔'' آپا اماں کے کمرے سے ہی چلانے لگیں۔

''میں بھائی کے سر میں درد کی وجہ نہیں، پھر بھی سر اور شانے دبا دوں گا، چلیں، آپ نہیں چاہتیں کہ بھائی ثنا کا دیدار کریں تو یونہی سہی۔''

طلحہ بھلا کب چپ ہونے والا تھا، اب آپا اور طلحہ میں بحث ہو رہی تھی، وہ ان کے درمیان سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا، بہت تھکا ہوا تھا، لیٹتے ہی نیند کے جھولے میں جھولنے لگا، دو دن گھر میں ایسے مصروف گزرے کہ پتہ ہی نہیں چلا، دن کب ختم ہوا، آرام سے زیادہ مسائل کے انبار، ابا کی دوائیاں، اماں کے پان، چھالیہ، تمباکو کے لئے بازار کے پھیرے، زری کے ارمان، کب اسد بھائی آئے اور زری کے شوق پورے ہوں، طلحہ کی بک بک، فرنیچر کی ٹوٹ پھوٹ، ہر بار آتے ہوئے سوچتا، اس بار آرام کروں گا، خوب سو کر نیند کی کمی پوری کروں گا، مگر کسی عزیز محلے دار کی شادی یا کوئی تقریب اسے مصروف رکھتی۔ وہ سو کر اٹھا، تو طلحہ یونیورسٹی سے واپس آچکا تھا اور کھانے کا تقاضا کر رہا تھا۔

''ابھی ناشتہ کئے دیر ہی کتنی ہوئی ہے کہ کھانے کی دہائی مچا رہے ہو۔'' آپا ڈانٹ رہی تھیں۔

"تین گھنٹے چالیس منٹ، اس سے زیادہ شرفاء کے معدے خالی پن برداشت نہیں کر سکتے۔"

"شرفاء یا نکھڈ جن کو بس کھانے سے سروکار ہو۔"

"طعنے کی غذا اثر نہیں کرتی مجھ پر، طعنوں سے سینہ سپر ہو چکا ہوں، اپنے نیزے دوسروں پر آزمائیں، کامیابی ہوگی، ثنا میرا کھانا لے آؤ، ورنہ میں بے ہوش ہونے لگا ہوں، یا کچن پر دھاوا بول دوں، پھر کسی کے لئے کچھ بچے نہ بچے، میری ذمہ داری نہیں۔"

"زری سے مانگ لو، ہر وقت ثنا کو پکارتے ہو۔" آپا خفگی سے بولیں۔

"زری؟ زری نے کبھی اماں، ابا کو کھانا نہیں دیا، وہ تو کچن میں جھانکتی بھی نہیں، آپ کی ہدایت کے مطابق اور ویسے آپ ہوں یا زری یا میں یا اماں ابا، کھانے کے لئے ثنا کو ہی پکارنا پڑتا ہے، غلط کہہ رہا ہوں؟ آپ سے کہوں یا زری سے، آپ بھی یہی کہیں گی، ثنا! ابھی کھانا لے آؤ۔ غلط کہہ رہا ہوں؟"

"افوہ زبان نہیں تھکتی اس لڑکے کی۔" آپا نے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا، کچھ دیر بعد ہی زری طلحہ کو بلانے آ گئی، برآمدے میں میز پر کھانا رکھا تھا، آپا اور اسد اس کے منتظر تھے، اس کے آتے ہی زری بھی بیٹھ گئی۔ آپا نے نظر ڈال کر ماتھا تھام لیا۔

"افوہ جنگلی جاہل لڑکی، پانی نہیں رکھا، کتنا سمجھاؤں، اس کی عقل میں کچھ سماتا نہیں، ثنا! اچھا میں خود لاتی ہوں۔" یہ کہہ کر آپا اٹھنے لگی، طلحہ نے ہائیں ہائیں کہتے ہوئے انہیں روکا۔

"آتی ہے، ابھی جاتی ہے پانی لے کر، آخر آپ انگلی کٹا کر شہیدوں میں شریک ہونے کی کوشش کر رہی ہیں، بھئی، وہ اماں، ابا کا کھانے لے کر گئی ہے، ابا نے حلوے کی فرمائش کر دی ہوگی، وہی بنا رہی ہوگی، حکم کا غلام تو مرد ہوتا ہے، ثنا کو کنیز بننے کی ٹریننگ آپ کی ہی ہے، لو آ گیا بوتل کا جن حلوے سمیت، پانی سمیت۔"

ثنا پانی کے ساتھ حلوے کی پلیٹ بھی لائی تھی، میز پر رکھ کر چلی گئی اور گرم روٹی لاتی رہی پکا پکا کر۔ سب باتوں میں مگن کھاتے رہے، اسد نے نظر اٹھا کر دیکھا ہی نہیں، اس کا شروع سے یہی انداز تھا، سب جانتے تھے کہ اس نے ابھی تک اس شادی کو قبول نہیں کیا، جب نکاح ہوا، وہ سیالکوٹ کے قصبے میں تھا، بینک کی نئی شاخ قائم ہوئی تھی، پہلے اس کا خیال تھا کہ ٹرانسفر کرا لے گا، پھر نکاح کے فوراً بعد بھاگ گیا، اپنے قلعے کی طرف، اسے تین دن بعد ماموں کے فوت ہونے کی خبر ملی تھی، تو وہ چند گھنٹوں کے لئے آیا تھا، تدفین کے فوراً بعد اماں سے مل کر پھر واپس چلا آیا، رہائش بھی مرضی کی نہ تھی، ایک کمرہ تھا، اس میں اماں کی ہدایت پر کفایت کی خاطر دوسرے لڑکے کو بھی رکھ لیا تھا، تکلیف دہ زندگی گزاری، مگر گھر کا رخ نہ کیا، احتجاجاً۔

وہ ٹرانسفر کے لئے سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا، پھر کتنا عرصہ گزر گیا، ابا کی علالت کا سن کر گھر آیا، تو ابا نے درخواست کی تھی کہ مہینے میں ایک بار تو گھر آیا کرے اور تب سے ہر ماہ تنخواہ لے کر گھر آتا تھا، دو دن دو گھنٹے بن کر گزرتے، گھر کے کام، مہینے کا سودا، دوستوں سے ملاقات، رشتے دار بھی کافی تھے، رات کو دو بجے سے پہلے تو گھر میں داخل ہونا ہی مشکل تھا، دوست چھوڑتے نہ تھے۔

طلحہ کافی لاپروا تھا، لیکن اسے آپا کا سسرال چھوڑ کر میکے میں آ کر رہنا پسند نہ تھا، مگر آپا نے نہ جانے کیا سوچ رکھا تھا، اپنا بیٹا چھوڑ کر مہینوں سے آئی ہوئی تھیں، شوہر سے خفگی زیادہ لمبی ہو گئی، اسد نے کبھی ان سے اس بارے میں بات نہ کی تھی، نہ اماں سے ہی سوال کیا، گھر کے بہت سے معاملات سے وہ بے خبر ہی تھا، جس میں آپا کے علاوہ ثنا بھی تھی، جو آج تک اس کے دل میں جگہ نہ بنا سکی تھی، ثنا مختلف ڈشز بناتی اور اسد کو کھلاتی، لیکن پھر بھی اس کی بے رخی اور لاپروائی اپنی جگہ قائم رہی۔

............(جاری ہے)............



حقیقی علم

منور سلطانہ



"واہ مسرت! کیا آج بھی سیر کو نہ چلو گی! کل بھی تم بمشکل جانے پر رضا مند ہوئی تھیں، آخر وجہ کیا ہے؟" شاہین کمرے میں داخل ہوتے ہی بولی۔

"کوئی وجہ نہیں باجی! یونہی طبیعت نہیں چاہتی جانے کو۔" مسرت پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں طبیعت نہیں چاہتی، آخر کچھ معلوم بھی ہو۔" شاہین نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم آج کل کچھ اداس اداس سی نظر آتی ہو۔"

"اداس" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر خاموش رہی۔ "شاہین باجی! وہ نہایت غم بھرے لہجے میں بولی۔" آپ سے کیا چھپانا، حقیقت یہ ہے کہ میں اداس تو نہیں البتہ کچھ فکر مند ضرور ہوں۔"

"کیوں" شاہین نے قدرے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"کیوں کا اب میں کیا جواب دوں، باجی! میرے اعمال اور کوششوں کا نتیجہ کل تک میرے سامنے آ جائے گا...... خدایا مجھ پر رحم کرنا۔" مسرت نے نہایت ملتجیانہ انداز میں خدا سے دعا مانگتے ہوئے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟ تم بھی بعض اوقات کیسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتی ہو۔"

"آپ کو معلوم ہے نا کہ میٹرک کا نتیجہ کل یعنی 31 مئی کو نکلنے والا ہے، اسی لئے میں اس قدر پریشان ہوں۔"

"تو تمہیں کیا فکر ہے تم نے آٹھویں میں وظیفہ لیا، نویں میں کلاس بھر میں فرسٹ آئیں، کیا اب تم پاس نہ ہوگی، پریشانی کی کوئی وجہ نہیں، اٹھو سیر کو چلو، اس طرح طبیعت بھی بہل جائے گی۔"

"آپ مجھے سیر کے لئے مجبور نہ کریں، میرا دل بالکل نہیں چاہ رہا جانے کو، باجی! ابا جان جو بات بھی کرتے ہیں، وہ اکثر صحیح ثابت ہوتی ہے، اب کی دفعہ کہہ رہے ہیں کہ تمہارا انگلش میں پاس ہونا بہت مشکل ہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے ابا جان کی بات ضرور ٹھیک ہو جائے گی، ہائے اگر میں خدانخواستہ پاس نہ ہوئی، تو مجھے کالج میں کوئی داخل نہ کرائے گا، آپ کو معلوم ہے کہ مجھے کالج جانے کی کس قدر خواہش ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"پگلی رونے سے کیا بنے گا، صبر کرو، نتیجہ تو نکلنے دو پہلے ہی رو رو کر صحت خراب کر رہی ہو۔" شاہین نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "اٹھو ہاتھ منہ دھو کر کوئی کتاب وغیرہ پڑھو تا کہ تمہارا اس طرف سے دھیان ہٹے، اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔ کیونکہ میری سہیلیاں میری منتظر ہوں گی۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

مسرت کو کسی کل چین نہ تھا، وہ کبھی اٹھتی، کبھی بیٹھتی، کبھی بے چین ہو کر ٹہلنے لگتی...... وہ سوچتی کہ پرچے تو بھی اچھے ہو گئے تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ میرے دل کو اس قدر بے چینی ہے، کیا اس لئے کہ امتحان کے دنوں کے نزدیک میں اس قدر مصروف تھی، کہ نماز تک پڑھنی چھوڑ دی، باجی اکثر مجھ سے پوچھا کرتیں کہ تم نے نماز ادا کر لی اور میں اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے کہہ دیا کرتی کہ ہاں میں ابھی ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہوں، وہ یہ سن کر مسکرا دیا کرتیں، خدا جانے کیوں! اکثر ایسا ہوتا کہ باجی کہتیں کہ تمہارے چہرے سے تو وضو کیا ہوا معلوم ہی نہیں ہوتا، میں یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ وضو تو میرا پہلے کا کیا ہوا ہے، باجی کہتی دیکھو مسرت! اگر تم نے خدا کو یاد نہ رکھا، تو خدا بھی تمہیں فراموش کر دے گا، اور اس طرح تم اس کی رحمت سے محروم رہ جاؤ گی...... (ایک دم کانپ کر) ہائے کہیں باجی کی بات پوری نہ ہو جائے...... میں نے سچ مچ اس دوران میں کبھی خدا کو یاد نہ کیا، بلکہ الٹا اپنی کلاس کی ان چار لڑکیوں کا اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر مذاق اڑاتی، جو اسکول میں آ کر بھی نماز کی شدت سے پابندی کرتیں، انہیں ہم سب طنزیہ ملانیاں کہہ کر پکارتیں...... مجھے یاد ہے ہماری آزاد خیال استانی صاحبہ نے تفریح کے وقت ہمیں جغرافیہ پڑھنے کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ تمہیں دس منٹ کا وقت کھانے پینے کے لئے دیا جاتا ہے، اس کے بعد فوراً یہاں پہنچ جایا کرو...... اور تو ساری لڑکیاں کھانے پینے میں مصروف ہو جاتیں، مگر وہ چاروں اس دوران میں جلدی جلدی فرض نماز پڑھنے لگتیں...... ہماری استانی کو ان کی نماز پر کس قدر غصہ آتا تھا...... ایک دن ایک دو منٹ لیٹ پہنچیں، تو وہ ان پر کس قدر ناراض ہوئی تھی کہ خدا کی پناہ، مگر ان اللہ کی بندیوں نے جغرافیہ پڑھنا چھوڑ دیا، نماز پڑھنی نہ چھوڑی...... اس کے باوجود وہ کلاس بھر میں کس قدر ہوشیار تھیں...... باجی کا کہنا ہے کہ جو لوگ نماز کی پوری پابندی کرتے ہیں، اور ہر گھڑی خدا کو یاد رکھتے ہیں، وہ ہر کام میں سب سے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں...... خیر کل معلوم ہو جائے گا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں"...... ایسے ہی خیالات کا ہجوم اس کے دماغ پر چھایا ہوا تھا کہ اسے نیند نے آ لیا۔

صبح کی سپیدی کسی کے لئے پیغام مسرت اور کسی کے لئے پیغام غم بن کر بڑی، شان و شوکت کے ساتھ پھیل رہی تھی، نسیم سحر کے کیف آور جھونکے کسی خوش نصیب کے دل کو اور زیادہ خوش کر دیتے اور کہیں وہی جھونکے کسی غمگین کے دل پر تیر بن کر لگتے، مسرت بھی جلدی جلدی نماز سے فارغ ہو کر کمرے کی کھلی کھڑکی کے سامنے آ بیٹھی، آج امتحان کا نتیجہ نکلنے والا تھا، وہ عجب امید و بیم کی حالت میں تھی، کبھی تصور ہی میں کامیابی کا خیال کر کے خوش ہو جاتی...... اور کبھی فیل ہونے کے اندیشے سے ہی لرز اٹھتی...... اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں کو بند کر لیا...... "چھوڑو بھائی جان! آپ کو تو ہر وقت مذاق ہی سوجھتا ہے۔" مسرت اس کے ہاتھوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بیزاری سے بولی۔ یہاں تو یہ حال ہے، بقول شخصے:

نہ چھیڑا نے نہکت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

"اوہو یہ حال ہے، مان لو جی اب ہمیں نجومی، وہی ہوا نا جو ہم کہتے تھے۔" بھائی جان افسردہ لہجے میں بولے۔

"کیوں کیا ہوا؟" مسرت نے گھبرا کر پوچھا۔

"بس یہی کہ تم فیل ہو، اخبار میں تمہارا رول نمبر ہی نہیں ملتا۔" بھائی جان اخبار مسرت کی طرف پھینکتے ہوئے بولے۔ یہ سننا تھا کہ مسرت کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی، ایک دم اس کا سر چکرا گیا، اور وہ بے ہوش ہو گئی...... گھر کے سب لوگ اس کی طرف دوڑے کوئی پنکھا کرنے لگا، کوئی دودھ لانے دوڑا، ماں نے اسی وقت مسرت کو اپنی گود میں لٹا لیا، چند منٹ بعد مسرت کو ہوش آ گیا، ہوش میں آتے ہی وہ زار و قطار رونے لگی، سبھی نے اسے دلاسے دیئے، مگر بے سود، وہ برابر روئے جا رہی تھی اسی حالت میں ایک بج گیا، دوپہر کا وقت اور شدت کی گرمی، وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی اپنی بدنصیبی پر آنسو بہا رہی تھی، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس کی کلاس کی وہ چاروں لڑکیاں جن کا وہ مذاق اڑایا کرتی تھی، فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی تھیں، انہیں کے متعلق کچھ سوچتے سوچتے وہ سو گئی...... خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ وہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی ہوئی ہے، دور دور تک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، وہ آہستہ آہستہ پہاڑوں سے نیچے اترتی چلی گئی، آخر کار ایک نہایت پُر فضا مقام پر پہنچ گئی، سرسبز و شاداب جگہ رنگ برنگ کے کھلے ہوئے پھول، قسم قسم کے میوہ دار درخت اسے دیکھ کر جنت کا دھوکا ہو رہا تھا، وہ امتحان میں ناکامی کی وجہ سے بے حد غمگین آہستہ آہستہ آگے بڑھتی گئی کہ اچانک ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی، سامنے سے ایک پیر مرد بزرگ صورت آتے دکھائی دیئے، سفید لباس میں ملبوس...... سفید ریش...... پروقار چہرہ...... ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے...... وہ آ کر مسرت کے نزدیک ہری ہری گھاس پر بیٹھ گئے اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر بولے۔

"بیٹی! تو اتنی غمگین کیوں ہے؟"

"ابا جی! میں امتحان میں فیل ہو گئی ہوں۔" وہ غم انگیز لہجے میں کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔ "کس امتحان میں تم فیل ہوئیں بیٹی!" بزرگ نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے کہا۔

"دسویں جماعت کے امتحان میں۔" یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"تو پھر کیا ہوا دوبارہ دے لینا۔"

"ہائے بابا جی یہ آپ نے کیا کہا میں تو کالج میں داخل ہونا چاہتی تھی۔"

"کالج میں کس لئے؟"

"بابا جی! آپ تو اللہ میاں کے بہت ہی پیارے بندے ہیں، آپ سے اپنے دل کی باتیں چھپا کر کیا کرنی ہیں، میرا خیال ہے کہ جب تک کالج میں تعلیم حاصل نہ کروں گی، اس وقت تک میں دنیا میں نمایاں حیثیت سے زندگی بسر نہیں کر سکتی، میری دلی خواہش ہے کہ میری زندگی عیش و عشرت کی زندگی ہو، رہنے کے لئے شاندار کوٹھی ہو، خدمت کے لئے نوکر ہوں، سواری کے لئے موٹریں ہوں، بیش قیمت لباس میرے جسم کی زینت ہوں، میں جس طرف نکل جاؤں، لوگ حیرت سے میری جاہ و حشمت کو دیکھیں اور اس کے ساتھ ہی میرا علمی رعب

بھی سب پر چھایا رہے، اگر میری قسمت میں لیڈری ہوجائے تو پھر میری خوش نصیبی کے کیا کہنے۔"

"کیا تمہاری تعلیم کا منتہائے مقصود نمایاں حیثیت سے زندگی بسر کرنا ہی ہے؟"

"ہاں تو اور کیا، ہائے میری سہیلیاں کامیاب ہوکر کالج میں چلی جائیں گی اور میں بدنصیب پھر اسکول میں جانے کے لئے رہ گئی..... آہ! میرے خدا وہ وقت کب آئے گا، جب میری خواہشات کی تکمیل ہوگی۔" اس نے نہایت درد بھرے لہجے میں کہا۔

"تم عیش وعشرت کی زندگی تھوڑے سے عرصے کیلئے چاہتی ہو، یا کبھی نہ ختم ہونے والے عرصہ کے لئے؟"

"خوب، اب اس سامنے سمندر کی طرف دیکھو، کیا اس کا کنارہ نظر آرہا ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"اب میرے ہاتھ کی طرف دیکھو، یہ ہے ایک پانی سے لبریز پیالہ، اب تم مجھے بتاؤ کہ تم اس سمندر جتنی انواع واقسام کی نعمتیں چاہتی ہو جس کی انتہا ہی نہیں یا اس پانی کے پیالے جتنی؟"

"باباجی! اس شخص کے پاگل ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے، جو سمندر سے بھی زیادہ نعمتوں کو چھوڑ کر اس حقیر سے پیالے جتنی نعمتوں پر قناعت کرے۔"

"اے بھولی بچی! تو پھر تم کیوں پیالے جتنی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے اس قدر بے تاب ہو، سمندر جتنی نعمتیں حاصل کرنے کیلئے سعی وکوشش کیوں نہیں کرتیں۔"

"معاف فرمائیے باباجی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی، ذرا وضاحت سے سمجھائیے۔" مسرت نے قدرے حیران کن لہجے میں کہا۔

"سنو اور غور سے سنو، یہ دنیاوی نعمتیں اس پیالے کے پانی کے برابر ہیں اور آخرت کی نعمتیں لاانتہا، یہ سمندر کی مثال تو میں نے محض تمہیں سمجھانے کے لئے دی ہے، ورنہ وہ تو سمندر سے بھی بہت زیادہ ہیں جن کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے، بتاؤ کیا اب بھی تم وسیع سمندر کو چھوڑ کر اس دوگھونٹ پانی پر اکتفا کروگی؟"

مسرت گہری سوچ میں ڈوب گئی، فضا پر سکوت طاری ہوگیا، کبھی کبھی سمندر کی لہروں کی آوازیں سکوت میں خلل ڈال دیتیں۔

باباجی! وہ مہر سکوت کو توڑتے ہوئے بولی۔ "یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں غیر فانی لاانتہا نعمتوں کو چھوڑ کر فنا ہوجانے والی معمولی نعمتوں پر اکتفا کروں۔" خدا کے لئے مجھے غیر فانی نعمتیں حاصل کرنے کا طریقہ بتائیے..... خواہ کچھ ہو، میں اس طریقے کے مطابق عمل کرکے یہ نعمتیں حاصل کرکے ہی چھوڑوں گی۔"

بزرگ کے چہرے پر ایک پاکیزہ مسکراہٹ پھیل گئی، وہ بولے۔

"اے نیک بچی! ان نعمتوں کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم ایسا علم حاصل کرو، جس کے ذریعے تم خدا تک پہنچ جاؤ، اگر واقعی تم ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئیں کہ تم نے اس علم کے مطابق عمل کرکے خدا کی خوشنودی حاصل کرلی تو تم بلاشک وشبہ ان سب نعمتوں کی حقدار ہوجاؤ گی..... ہاں یہ بھی جان لو جو لوگ یہ علم حاصل نہیں کرتے یا کرتے بھی ہیں تو اس کے مطابق عمل نہیں کرتے تو وہ ہمیشہ رہنے والی دنیا میں نہایت ذلت کی زندگی بسر کریں گے۔"

"میرے اچھے باباجی! مجھے جلدی سے بتادیجئے کہ وہ علم کیسے حاصل ہوسکے گا۔" مسرت نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"اسے حاصل کرنے کا طریقہ تو بہت آسان ہے، یہ لو وہ کتاب۔" بزرگ نے ایک کتاب پکڑاتے ہوئے کہا۔

مسرت نے اسے پکڑنے کی کوشش کی، اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی، اس نے دیکھا کہ شاہین اس کے قریب کھڑی ہوئی مسکرا رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ

"چلو اٹھو مسرت! بہت سولیں۔"

"مگر..... وہ..... وہ بزرگ کہاں گئے؟" وہ آنکھیں ملتے ہوئے بولی اور..... وہ..... وہ کتاب۔"

"کون سے بزرگ اور کون سی کتاب معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا ہے، جس کا یہ اثر ظاہر ہورہا ہے۔" شاہین نے ہنستے ہوئے کہا۔

اب مسرت کو احساس ہوا کہ وہ خواب دیکھ رہی تھی، خدا جانے وہ کون سی کتاب ہے کاش یہ خواب نہ ہوتا، حقیقت ہوتی یا کم از کم اس کتاب کا نام ہی پڑھ لیا ہوتا اے کاش..... "کیا سوچ رہی ہو مسرت!" شاہین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"باجی! میں نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پورا خواب اسے سنادیا۔

"اچھا تو تم نہیں جان سکیں کہ وہ کتاب کون سی تھی؟" شاہین نے دوپٹہ سر پر لیتے ہوئے کہا۔

"یہی تو باجی! میری بدقسمتی ہے اگر مجھے معلوم ہوجاتا تو مجھ سے زیادہ اور کون خوش ہوتا۔"

آہ! اس وقت تو یہ حال ہے، بقول کسے:

آگے خوشی چلی گئی یاد ہی دل میں رہ گئی
یاد بھی کیوں نہ چھین لی آتی ہے بار بار کیوں

یہ کہہ کر وہ بے دم سی ہوکر بستر پر گر پڑی، شاہین مسکرانے لگی۔

"اگر میں تمہیں اس کتاب کا نام بتادوں تو....." شاہین نے کہا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے اس کا نام؟" وہ تعجب سے بولی۔

"ہاں" شاہین کے چہرے سے مترشح تھا کہ وہ اس راز کو پورے طور پر جانتی ہے، مسرت اٹھ کر بیٹھ گئی اور بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"سچ تو میری اچھی باجی! مجھے ضرور بتادیں اس کا نام، میں آپ کو جو مانگیں گی وہ دوں گی۔" اس کا لہجہ انتہائی خوشامدانہ تھا۔

"قرآن۔"

"قرآن مجید۔" اس نے حیرت سے اسے دہرایا، جیسے کسی نے بہت ہی عجیب بات کہہ دی ہو۔

"کیا یہی وہ علم ہے، جس کی طرف اس بزرگ نے مجھے توجہ دلائی ہے؟" وہ کچھ دیر ٹھہر کر بولی۔ "لیکن باجی میں نے تو قرآن پڑھا ہوا ہے اور اس کی کبھی کبھی تلاوت بھی کرتی ہوں۔"

"ہاں یہی وہ علم ہے۔" شاہین نے متانت سے کہا۔ "مسرت! تم تلاوت تو کرتی ہو لیکن اس کے مطلب سے بالکل ناآشنا ہو شاید یہی وجہ ہے کہ تم اسے پڑھتی بھی ہو اور اس کے خلاف بھی چلتی ہو، تمہیں اس کا علم ہی نہیں کہ اس میں خدا کے احکام موجود ہیں، جن کو جاننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کا فرض ہے۔ اس کے مطلب کو اچھی طرح سمجھو اور اپنی پوری زندگی اس کے مطلب کے مطابق بسر کرو، تب ہی تم ایسے باغوں کی مالک بن سکوگی جن کے نیچے نہریں رواں اور ایسے شاندار محل جن کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے اور وہ ایسی بے فکری کی زندگی ہوگی جہاں غم وفکر اور کسی بیماری کا گزر تک نہیں اور تو اور، وہاں موت کا بھی خدشہ نہیں وہ دائمی اور ابدی زندگی ہے۔"

"ان شاء اللہ باجی!" وہ مسکراتے ہوئے بولی، میں اپنی سب سہیلیوں کو بھی اس حقیقت سے واقف کرانے کی کوشش کروں گی کہ ہماری تعلیم کا منتہائے مقصود دنیا نہیں بلکہ دین ہونا چاہئے، تاکہ اس کائنات کے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرکے دین ودنیا کی خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہوں۔" اس کا چہرہ خوشی سے کندن کی طرح چمک رہا تھا، اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اسے کائنات کا ذرہ ذرہ اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوا معلوم ہوا۔

☆.....☆.....☆

انگریزی اور ہم دیسی

خادم حسین مجاہد

انگلش بیوی کی طرح ہے جس کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں اور جس کے ساتھ نبھانا بھی مشکل ہے، بات صرف زبان کی ہوتی تو خیر تھی لیکن اگر اسے اختیار کریں تو اس کے ساتھ اس کا کلچر بھی آجاتا ہے جیسے شادی میں سسرالی رشتہ داریاں تحفے میں ملتی ہیں، اسی وجہ سے اول اول انگریزی کو حرام قرار دیا گیا مگر آہستہ آہستہ یہ خود ہی حلال ہوتی چلی گئی۔ لیکن اب یہ مجبوری سے بڑھ کر فیشن میں داخل ہوگئی ہے، حتیٰ کہ اگر کسی کو انگلش بولنا نہ بھی آتی ہو تو وہ اسے بولنا ضروری سمجھتا ہے جس سے بعض اوقات بڑی دلچسپ صورت حال پیدا ہوتی ہے۔

ہمارے ایک دوست کی انگریزی کچھ کمزور ہے لیکن وہ انگلش کلچر کے اتنے دلدادہ کہ شادی کے آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی شادی کی سالگرہ منانے سے باز نہیں آتے، اپنے مقامی احباب کو اپنے خوشی نما غم یا غم نما خوشی میں شریک کرنے کے ساتھ ساتھ ملکی و غیر ملکی احباب کو بھی بذریعہ ایس ایم ایس اطلاع دے کر دعائیں ضرور وصول کرتے ہیں تاکہ جو حماقت کر بیٹھے ہیں اس پر خوشی خوشی قائم رہیں، اس سلسلے میں مجھے ایک دفعہ ان کا انگریزی اردو مکس میسج ملا تو میں نے سر پیٹ لیا، لکھا تھا ''کل میری میرج کی برتھ ڈے ہے، آپ کی دعاؤں کا ویٹ کروں گا۔'' شادی کی سالگرہ کا ترجمہ جو انہوں نے اینی ورسری کے بجائے برتھ ڈے (یوم پیدائش) سے کیا، اس کی صحیح داد تو کوئی انگریزی ہی دے سکتا ہے، ہم تو حیران تھے کہ شادی کی پیدائش کا دن بھی ہوتا ہے، اسی طرح ایک دن شام کی سیر کے دوران ایک شاعر دوست کے صاحبزادے سے ملاقات ہوگئی، جو میٹرک کا امتحان دے کر تازہ تازہ فارغ ہوئے تھے اور ہر وقت درست یا غلط انگریزی کے استعمال کی تاک میں رہتے تھے تاکہ لوگ انہیں پڑھا لکھا سمجھیں، جب میں نے پوچھا ''کیا ہو رہا ہے برخوردار؟'' تو جھٹ سے بولے۔ "Nothing just enjoy your self" اس میں My self کی جگہ Your self استعمال کرنے کی جو حماقت اس نے کی اس کا صحیح لطف تو انگریزی جاننے والے ہی اٹھا سکتے ہیں، باقی احباب کے لئے اس مقولے کا ترجمہ پیش خدمت ہے: ''کچھ نہیں بس آپ کو لطف اندوز کر رہا ہوں۔'' امید ہے کہ آپ اس فقرے کی بلاغت تک پہنچ ہی گئے ہوں گے۔

ایس ایم ایس اور ای میل کی بدولت انگریزی کی ایک اختصار شدہ شکل وجود میں آگئی ہے، جس میں You کو U، Your کو ur، For کو 4، Eye کو I: Why کو Y: We کو V اور کیونکہ کو QK لکھا جاتا ہے، ہمارے ایک دوست اسی وجہ سے انگلش کے پرچے

میں فیل ہوگئے کیوں کہ وہ ایس ایم ایس بہت کرتے تھے اور پیپر میں بھی ایس ایم ایس والی انگلش ہی لکھ آئے تھے، اسی تناظر میں ہم اپنے دوست عارف انیس کو R.F-19 لکھا کرتے تھے اور وہ بڑا خوش ہوتا تھا، انگلش میں تلفظ کا معاملہ بڑا گھمبیر ہے کیونکہ یہ بھی اردو کی طرح بے شمار زبانوں کا ملغوبہ ہے، اس لئے اس میں تلفظ کے کوئی لگے بندھے قواعد نہیں، مثلاً Put میں U پیش کی آواز دے گا اور But میں زبر کی۔ اس کے علاوہ اس میں بھی اردو کی طرح ایک آواز کے لئے ایک سے زائد الفاظ رائج ہیں مثلاً ف کے لئے F اور Ph، ش کے لئے Sio, tio, c, sh۔ ''ک'' کے لئے CH, KC وغیرہ۔ C ایسا لفظ ہے جس سے س تک حتیٰ کہ ش تک کی آواز جاتی ہے جس سے بڑی الجھن پیدا ہوتی ہے، ہمارے ایک دوست اسکول School کو سچول اور فیکلٹی (Faculty) کو فیسلٹی پڑھتے ہیں، اب امریکن انگلش میں کچھ آسانی کی کوشش کی جا رہی ہے جس میں Photo کو Foto اور School کو Skool بھی لکھا جا رہا ہے، لیکن یہ کوشش اسی طرح کامیاب نہیں ہو رہی جیسے ماضی میں اردو کی ایک آواز کے لئے ایک سے زائد حروف ختم کر کے ایک ہی حرف مخصوص کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور ہم آج تک ''س'' کی آواز کے لئے ص، س، ث اور ض کی آواز کے لئے ظ، ض، ذ کے حروف استعمال کرنے اور الجھنے پر مجبور ہیں، اگر ایسا ہو جاتا تو کچھ حروف تہجی کم ہونے سے طلبہ کی الجھن تو کم ہوتی، ان کے لئے ساکن الفاظ بھی ایک مسئلہ ہیں۔

پرائیویٹ انگلش میڈیم اسکولوں کے ٹیچرز اور ان کے اسٹوڈنٹس کے والدین انگلش میڈیم کے خبط کے باعث آسان ترین اردو کے الفاظ چھوڑ کر مشکل ترین انگریزی الفاظ استعمال کرنے پر مصر ہیں، حالانکہ ان کو والدین آسانی سے ادا کر سکتے ہیں، نہ بچے، مثلاً وہ شارپنر کا لفظ ہی استعمال کریں گے، حالانکہ پنسل تراش، کہیں تو بھی وہ اسی صفائی سے پنسل تراشتا ہے، اسی طرح اریزر کا لفظ ہے جو بچہ ادا ہی نہیں کر سکتا اور دکاندار سے جب وہ مانگتا ہے تو وہ کبھی اسے ریزر پکڑاتا ہے اور کبھی کچھ، حالانکہ ربڑ کہنے سے بھی اس کے مٹانے کی صلاحیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا، اسی طرح پرائمری کے نصاب میں خصوصاً سائنس میں گورنمنٹ اسکولوں میں بھی اصطلاحات تمام انگلش میں کر دی گئی ہیں جبکہ ان کو بچہ کیسے ادا کرے گا جب استاد بھی ادا نہیں کر سکتا، مثلاً ایک سیکریٹری سسٹم جسے نظام اخراج کے بجائے لکھا گیا ہے، یہ سلیبس کامیاب کرنے کے لئے تو پہلے اساتذہ کو پڑھانا پڑے گا، پھر وہ بچوں کو پڑھانے کے قابل ہوں گے بشرطیکہ بڈھے طوطے پڑھ گئے تو۔

انگریزی بنیادی طور پر انگریزوں کی ہی طرح بدتمیز اور بے حیا زبان ہے، اس میں آپ اور تم دونوں کے لئے You کا لفظ ہے، غیرت کا لفظ سرے سے موجود ہی نہیں، گالیاں اور فحش الفاظ کی کثرت ہے، اردو میں تو ادب احترام کے لئے بڑی آسانی سے الفاظ میں تمیز کر لی جائے گی لیکن انگلش میں کسی کو عزت دینے کے لئے بڑا تکلف کر کے His Highness یا Her Highness کے الفاظ استعمال کئے جائیں گے اور وہ بھی شاذ و نادر کسی بہت بڑی شخصیت کے لئے، بچوں اور بزرگوں کے لئے ایک جیسے الفاظ استعمال ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انگلش عربی کی طرح جامع زبان بھی نہیں ہے، لفظ کزن کی ہی مثال لے لیں۔ اس ایک لفظ میں اردو کے آٹھ دس طویل و عریض قسم کے رشتے آجائیں گے، بلکہ اگر کوئی رشتہ نہ بھی ہو تو بھی یہی لفظ کام آتا ہے، پھر انگلش چوں کہ کھلی ڈلی زبان ہے، اس لئے جو بات آپ اپنی زبان میں کریں تو ڈنڈے سوٹے چل جائیں، وہی انگلش میں کریں تو کوئی برا نہ مانے بلکہ آپ مہذب گنے جائیں اور مطلوبہ مقاصد حاصل ہو جائیں، اظہار محبت کا معاملہ ہو یا ڈاکٹر کی علامات مرض

بتانے کا انگریزی ہر جگہ آپ کی مدد کرے گی۔ لفظ Rape کو ہی لے لیں، آپ اسے خواتین وحضرات کی محفل میں بے دھڑک استعمال کریں، کوئی آپ کو نہیں ٹوکے گا، لیکن اگر آپ نے کہیں غلطی سے بھی اس کا ترجمہ کردیا تو کئی حضرات کی آنکھیں اور خواتین کے کان سرخ ہوجائیں گے، اسی طرح اگر کہا جائے کہ فلاں کی لڑکی نے گھر سے بھاگ کر آشنا سے شادی کرلی تو سب تھوتھو کریں گے لیکن اگر کہا جائے گا کہ ان کی لڑکی نے کورٹ میرج کرلی تو ان کی ذرا بھی بے عزتی نہ ہوگی، بلکہ لوگ لڑکی کی سمجھداری اور معاملہ فہمی کی داد دیں گے، گویا انگلش بھی پردے کی طرح ہے جو ہم اپنی زبان پر چڑھا کر من مانی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلے گا ان فن کار لڑکیوں کی طرح جو پردہ کرتی بھی ہیں تو بے پردگی کیلئے اور وہ بھی صرف اپنوں کے سامنے۔

آج کل انگلش ماڈرن ہونے کی علامت سمجھی جاتی ہے، اس لئے کئی ہوشیار لوگ اپنے دقیانوسی ناموں پر انگلش کا خول چڑھا کر ماڈرن ہوجاتے ہیں، وہ لوگ عموماً اپنے دقیانوسی نام کے انگریزی مخفف کے ساتھ کوئی ماڈرن سا نام یا تخلص لگا کر ماڈرن ہوجاتے ہیں، لیکن جب انگلش کا پردہ اٹھایا جائے تو نیچے سے ان کے دقیانوسی نام ننگے ہوجاتے ہیں جیسے ایم ڈی اختر مولا داد اختر نکلیں گے اور ایم ڈی چوہان موج دین چوہان اور اے ڈی سومرو اللہ دیوایا سومرو وغیرہ۔

ہمارے ملک میں سرکاری اسکولوں میں نرسری سے مکمل انگلش میڈیم کا آغاز ہوگیا ہے، انگلش کی تدریس تو عرصے سے جاری ہے، اب تو شاید آئندہ اردو بھی انگلش میں پڑھائی جانے لگے، یوں ممکن ہے اردو واقعی قومی زبان کا درجہ حاصل کرلے جو کہ اب تک نہیں کرسکی اور اس بات پر اب ہنسی تو کیا رونا بھی نہیں آتا کہ ہماری قومی زبان تو اردو ہے مگر کاروبار مملکت ۶۳ سال سے انگلش میں چل رہا ہے اور وہ بھی اس ملک میں جہاں درست اردو بولنے والے بھی خال خال پائے جاتے ہیں، ایک لحاظ سے یہ اچھا بھی ہے کہ حکومت نے اس قومی منافقت کو ختم کرنے کا سوچا ہے، ہم حکومت کو اس پر داد دیتے ہیں اور عوام کے لئے دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اب انہیں انگریزی کے ساتھ بھی اسی طرح گزارا کرنا پڑے گا جیسے شوہر بیویوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

گورنمنٹ نے جن سرکاری اسکولوں کو انگلش میڈیم کیا ہے وہاں وردی بھی انگلش کردی ہے، ابھی یہ حکم صرف طلبہ تک محدود ہے لیکن کوئی بعید نہیں کہ کل کلاں کو اسے اساتذہ تک وسیع کردیا جائے، پھر انگلش، سائنس، ریاضی اور کمپیوٹر والے اساتذہ کے لئے پینٹ شرٹ کوٹ ٹائی لازمی ہوگی جس سے صحت منداساتذہ آزمائش میں بھی پڑسکتے ہیں، عربی واسلامیات والے اساتذہ کو جبہ دستار میں آنا ہوگا، اردو اور مطالعہ پاکستان والے شلوار قمیص، شیروانی اور جناح کیپ استعمال کریں گے، جب کہ زراعت اور پنجابی والے دھوتی کرتے میں دکھائیں دیں گے، سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر انگریزی و سائنس قومی لباس میں نہیں پڑھی جاسکتیں تو انگریزی لباس میں اردو، اسلامیات، عربی، پنجابی، مطالعہ پاکستان اور زراعت کیسے پڑھی جاسکتی ہیں، پرائیویٹ اسکولوں کی اندھادھند تقلید میں موسم اور ماحول کا لحاظ کئے بغیر انگریزی وردی میں طلبہ کا خصوصاً گرمیوں میں جو حشر ہوگا اس سے معیار تعلیم میں جو بہتری آئے گی اس کا علم تو بعد میں ہوگا، سردست تو پاکستانیت ہمارے اسکولوں سے رخصت ہوگی اور مصنوعی انگریز بننے کی کوشش میں ہم اردو سے بھی جائیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم اول وآخر دیسی ہیں اور جتنی بھی کوشش کی جائے ہم انگریز نہیں بن سکتے اور دنیا میں ترقی انہی قدموں نے کی ہے جنہوں نے تعلیم اپنی مادری وقومی زبان میں حاصل کرکے دیگر زبانوں وغیرہ کو ثانوی حیثیت میں رکھا ہے۔

☆……☆……☆

وہ ایک عہد تھا جو سچی محبت کہلانے لگا

عفراء محمد

امی جان! جلدی سے یہ حلوہ کھا کر بتایئے کہ ٹھیک بنا ہے، نمرہ عجلت بھرے انداز میں کمرے میں داخل ہوئی اور فائزہ بیگم کے ہاتھ میں پلیٹ تھماتے ہوئے بولی۔

نہ بابا نہ، یہ کام تو اپنی ممی سے ہی کرواؤ، فائزہ بیگم نے بے زاری سے کہا۔

ایک تو ہمارے گھر میں یہ نئی مصیبت ہے، کوئی بات امی جان سے پوچھنی ہو تو وہ کہتی ہیں کہ ممی سے پوچھو، اگر ممی سے پوچھتے ہیں تو وہ ڈانٹتی ہیں کہ امی جان کے موجود ہوتے ہوئے مجھ سے پوچھتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہئے، نمرہ نے جھنجھلا کر پیر پٹختے ہوئے کہا اور فائزہ بیگم کا کمرہ حارث اور طلحہ کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔

تو آپی جان! اگر آپ کو کوئی بات پوچھنی ہو تو بابا جان سے پوچھ لیا کریں اور میرا خیال ہے کہ آپ کو وہاں سے یہ جواب نہیں ملے گا کہ ابا جان سے پوچھو، یا بابا جان سے۔ ننھی لاعبہ شرارت سے بولی اور کمرے میں موجود تمام نفوس کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

احمد حسن جو بظاہر اخبار پڑھنے میں مصروف تھے، مگر ان کے کان اپنے شرارتی بچوں کی باتوں کی طرف لگے ہوئے تھے، نمرہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

دیکھو نمرہ بیٹا! آج تو میں بھی یہی کہوں گا کہ آپ کو شرم آنی چاہئے، اپنے سرتاج کے ہوتے ہوئے مجھ بوڑھے کو حلوہ کھلا رہی ہو۔ احمد حسن نے سلمان کو شرارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، جو ابھی کمرے میں داخل ہورہا تھا، نمرہ کو ڈھیر ساری شرم نے آگھیرا اور وہ بھاگتی ہوئی کچن میں غائب ہوگئی۔

پہلی بار سلمان کو فائزہ بیگم کے کمرے میں بے تکلفی سے بیٹھے اور سب سے گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر ماہین بیگم بوکھلا گئیں اور گھبرا کر بولیں۔

ارے سلمان بیٹا! آپ یہاں بیٹھے ہیں، وہ سائرہ آپی اور مائرہ آپی آئی ہوئی ہیں اور وہ امی جان سے ملنے کے لئے بے چین ہورہی ہیں، ارے تو کیا وہ دس سالوں بعد آئی ہیں، جو مجھ سے ملنے کے لئے بے چین ہورہی ہیں، فائزہ بیگم نے برا سا منہ بنایا اور محبت سے اپنے وجیہہ حیادار داماد کو دیکھا اور ان کا ذہن بہت دور ماضی میں سفر کرنے لگا۔ وہ موسم سرما کا ایک سردترین دن تھا، فائزہ گرم کمبل میں لپٹی گہری نیند سورہی تھی کہ احمد حسن اس کے سرہانے کھڑے ہوکر دھاڑے۔

میرا ناشتہ کہاں ہیں، فائزہ بڑبڑا کر اٹھی اور رات کا بچا ہوا سالن روٹی گرم کرکے لے آئی۔ یہ ناشتہ ہے؟ احمد حسن نے ایک نظر کھانے پر ڈالی اور فائزہ کو خونخوار نظروں سے دیکھا۔ میرا خیال ہے ہم صبح کے کھانے کو ناشتہ ہی کہتے ہیں، فائزہ نے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ احمد حسن کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ غصے سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولے۔

یہ کھانا تمہیں ہی مبارک ہو، ایک ناشتہ ہی میں گھر پر کرتا ہوں، وہ بھی آج سے نہیں کروں گا۔

تو پھر لے آیئے کوئی ایسی بیگم، جو آپ کو انڈے پراٹھے، یا حلوہ پوری بنا کردے۔ فائزہ نے بھی دوبدو جواب دیا۔ سوچ رہا ہوں اب تو لے کر ہی آنی پڑے گی۔ احمد حسن کب خاموش رہنے والے تھے۔ اس سے پہلے

کہ گھر میں کسی قسم کا ہنگامہ کھڑا ہوتا، مائرہ احمد حسن کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

بابا جان! میں نے حلوہ پوری کھانی ہیں۔

کھانی ہیں تو اپنی ماں سے کہو، احمد حسن نے غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکا اور باہر نکل گئے۔

احمد حسن کی ایک کریانے کی چلتی ہوئی دکان تھی، وہ صبح کے گئے رات کو ہی گھر لوٹتے تھے، صبح کا ناشتہ وہ بہت اہتمام سے کرنے کے عادی تھے، مگر فائزہ کو صبح سویرے بستر سے اٹھنا بڑا مشکل لگتا تھا، پے در پے تین لڑکیوں کی پیدائش اور بیماری نے اس کو چڑچڑا کر دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ گھر میں آئے روز ایک ہنگامہ برپا رہتا تھا۔

ایک شام وہ سائرہ کو ہوم ورک کرواتے میں مصروف تھی کہ خلاف معمول احمد حسن گھر میں داخل ہوئے، انہوں نے ایک چھوٹے سے بچے کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اور ایک لڑکی نما عورت بھی ان کے ہمراہ تھی۔

دیکھو سائرہ، مائرہ تم کہتی تھیں نا کہ بابا جان ہمیں بھائی لا کر دیں، میں آج تمہارا بھائی لے کر آیا ہوں اور یہ تمہاری نئی ممی ہیں۔ احمد حسن نے ان کا تعارف کروایا اور فائزہ کو کہنے لگے۔ دیکھو فائزہ! میں نے یہ شادی اللہ کی رضا کے لئے کی ہے، اس لڑکی کا کوئی بھی اس بھری دنیا میں نہیں ہے، اپنے ہیں تو وہ بھی اس وقت بے گانے بن چکے ہیں، یہ لڑکی ماہین بے سہارا ہے۔

فائزہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا، احمد حسن کی کچھ روز پہلے کہی گئی بات اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح لگنے لگی۔ سوچ رہا ہوں کہ اب تو دوسری بیگم لانی ہی پڑے گی۔ یا اللہ! میں کہاں جاؤں، میری تو نہ ماں ہے، نہ باپ، فائزہ نے بے بسی سوچ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

دیکھئے باجی! میں اس گھر کی مالکن بن کر نہیں آئی، میں آپ کی اور بچیوں کی خوب خدمت کروں گی، احمد حسن نے مجھ سے اسی شرط پر شادی کی ہے۔ ماہین نے فائزہ کو عاجزی سے کہا۔

فائزہ کے دماغ میں تو آندھیاں سی چل رہی تھی، اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ میرے ماں باپ نہیں ہیں تو کیا ہوا، میرے بھائی تو ہیں، یہ خیال آتے ہی وہ اپنے اور بچیوں کے کپڑے بیگ میں بھرنے لگی۔

فائزہ نے دو سالہ نمرہ کو گود میں اٹھایا، ننھی مائرہ اور سائرہ کا ہاتھ پکڑا اور گھر سے نکلنے لگی۔ ماہین اس کے آگے ہاتھ جوڑتی رہی، مگر وہ جذباتی عورت بھلا کب سننے والی تھی، گالی اور کوسنوں سے نوازتی ہوئی گھر سے نکل گئی۔

فائزہ کے بھائیوں نے سنا تو آپے سے باہر ہو گئے، کوئی ضرورت نہیں ہے اس گھر میں جانے کی، ہماری بہن کوئی لاوارث تھوڑی ہے، فائزہ کو میکے میں آئے مہینہ ہو چکا تھا اور احمد حسن نجانے کتنے چکر لگا چکے تھے، مگر فائزہ اور اس کے بھائیوں کی ایک ہی رٹ تھی کہ اس گھر میں فائزہ رہے گی یا ماہین۔

ایک دن فائزہ دوپہر کو سائرہ اور مائرہ کو لے کر اسکول سے آ رہی تھی کہ مائرہ اس کا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

امی جان! میں نے اپنے گھر جانا ہے اپنے بابا کے پاس، میں ماموں کے گھر نہیں جاؤں گی، اس سے پہلے کہ فائزہ کوئی جواب دیتی، وہ تیزی سے سڑک کی طرف بھاگی اور ایک آندھی طوفان کی طرح آتی ہوئی کار سے ٹکرا گئی۔ فائزہ کو اپنے ہوش حواس جاتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

آٹھ سالہ مائرہ کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹی تھی اور پورے جسم پر سخت چوٹیں آئی تھیں، ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ بچی کی سخت دیکھ بھال کی ضرورت ہے، مائرہ کو اسپتال میں داخل ہوئے ہفتہ گزر چکا تھا، اس پورے ہفتے میں احمد حسن اور ماہین ہی تھے، جنہوں نے مائرہ کی دیکھ بھال کی تھی، فائزہ کو تو شدت غم کی وجہ سے اپنا ہی ہوش نہیں تھا، ننھی نمرہ کو بھی ماہین نے سنبھالا ہوا تھا۔

فائزہ کی دونوں بھابھی ایک ہفتے بعد عیادت کے لئے آئیں اور فائزہ کو سوتی ہوئی سمجھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے لگیں۔

ارے میاں نے نکاح ہی تو کیا ہے، کوئی جرم تو نہیں، جو اپنا ہنستا بستا گھر چھوڑ کر تین تین بچیوں کو لے کر نکل آئی، چھوٹی بھابھی نے تین پر زور دیتے ہوئے کہا اور بڑی بھابھی بھی ہاں میں ہاں ملانے لگیں۔

فائزہ کو لگا کہ جیسے وہ تپتی ہوئی دھوپ میں ننگے پیر آ کھڑی ہوئی ہے، مائرہ کو اسپتال سے چھٹی مل جانے کے بعد فائزہ چپ چاپ اپنے گھر آ گئی۔

ماہین نے سگی ماں سے بھی بڑھ کر مائرہ کی خدمت اور فائزہ کا خیال رکھا کہ فائزہ کا سخت دل خود بخود نرم ہونے لگا، ایک دن ماہین مائرہ کو آہستہ آہستہ چلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ فائزہ نے اس سے پوچھا تمہارا بیٹا کہاں ہے، ماہین نے جواب دیا۔

باجی! اس کے ابو کی خواہش تھی کہ ہم اپنے بچے کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گے، مگر وہ پہلے ہی دنیا سے چل بسے، میں نے ان کی خواہش پوری کرنی ہے، اسلئے اس کو مدرسے میں بھیج دیا ہے اور وہ وہیں رہے گا، مگر اتنا سا بچہ ماں کے بغیر کیسے رہے گا؟ فائزہ نے حیرت سے سوال کیا۔

ماہین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ اپنی داستان غم سنانے لگی۔ ماہین کی دکھ بھری کہانی سن کر فائزہ اپنے غم بھول گئی، اس نے تو اپنی بھابھیوں کی جلی کٹی سی تھی، مگر ماہین نے تو بچپن سے در در کی ٹھوکریں کھائی تھیں، اس کی ماں تو اس کے پیدا ہوتے ہی دنیا سے چل بسی تھی اور باپ نے اس کو ننھیال والوں کے حوالے کر دیا تھا اور مڑ کر کوئی خبر نہیں لی تھی، اس کے شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد تو اپنوں نے بھی سہارا دینے سے انکار کر دیا تھا۔

بلک بلک کر روتی ہوئی ماہین کو فائزہ نے گلے سے لگایا اور اس سے عہد کیا کہ آج سے ہم دونوں سوکن نہیں بلکہ بہنیں ہیں۔ ماہین کی شادی کو بیس سال گزر چکے تھے اور فائزہ اپنے عہد پر قائم تھی، وہ ہر بات میں اپنے سے زیادہ ماہین کو ترجیح دیتی تھیں، ماہین بھی ان کا ویسا ہی احترام کرتی تھی جیسا کہ بیس سال پہلے۔ فائزہ بیگم جو نرینہ اولاد کی نعمت سے محروم تھیں، اب تو اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں کہ جس نے حارث اور طلحہ کی صورت میں دو بیٹے دیئے، جو آج ان کی بیٹیوں کے لئے ایک مضبوط سائبان بن چکے تھے، جن پر فائزہ بیگم کی تینوں بیٹیوں کو بڑا مان تھا، ماہین کے تینوں بچے طلحہ، حارث اور ننھی لاعبہ فائزہ بیگم کے دیوانے تھے، جبکہ فائزہ بیگم کی بیٹیاں اپنی ممی ماہین کے قریب تھیں، ماہین کے بیٹے سلمان کو بھی احمد حسن نے اپنا بیٹا بنا کر پالا تھا، مگر جب سے وہ جوان ہوا تھا، اس نے فائزہ بیگم کے پورشن میں آنا چھوڑ دیا تھا۔

ماہین کی خواہش پر نمرہ کا نکاح سلمان سے کر دیا تھا اور سائرہ، مائرہ کی شادی رشتے داروں میں ہوئی تھیں۔

آج سلمان کو اپنے کمرے میں سب سے گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر فائزہ بیگم خوشی سے نہال تھیں، کیوں کہ شریعت کے اعتبار سے وہ اس کی ماں بن گئی تھیں اور دل ہی دل میں اپنے بیٹے کی نظر اتار رہی تھیں جس کی آنکھوں میں علم کا نور، چہرے پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سر پر شریعت کی دستار بندھی ہوئی تھی، ماہین بیگم خود تو عالمہ فاضلہ نہیں تھیں مگر ان کے جگر گوشے نے ان کے دنیا دار گھرانے میں علم دین کی شمع روشن کر دی تھی، آج اس عالم باعمل کے سبب ان کا گھرانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار بن گیا اور مثالی گھر کہلانے لگا۔

بیگم صاحبہ! آپ اپنا مراقبہ یا وظیفہ پورا کر چکی ہیں تو برائے مہربانی دستر خوان پر تشریف لے آیئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنی بیٹی کے ہاتھ کا بنا ہوا حلوہ کھائے بغیر دنیا سے رخصت ہو جاؤں، احمد حسن کی شرارت بھری آواز فائزہ بیگم کو ماضی سے حال میں لے آئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی بے بہا نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے دستر خوان پر آ بیٹھیں، جہاں بچوں سے زیادہ احمد حسن نئی نویلی دلہن نمرہ کے ہاتھ کا بنا ہوا حلوہ کھانے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

☆......☆......☆



یہ 1992ء کا واقعہ ہے، میں ان دنوں دودھ سپلائی کی گاڑی میں ڈرائیور کی ڈیوٹی انجام دیتا تھا، جیسا کہ سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ دودھ سپلائی کی گاڑیاں عموماً رات کے وقت دودھ سپلائی کرتی ہیں، میں قیوم آباد، اختر کالونی، پنجاب چورنگی پر دودھ اتار کر ٹاور کا رخ کرتا تھا، وہاں سے آگرہ تاج، لیاری چوک تک دودھ پہنچانے کے بعد میری ڈیوٹی ختم ہو جاتی، میں اکثر پنجاب چورنگی سے ٹاور، مائی کلاچی روڈ سے جاتا تھا، اس وقت عموماً رات کے ڈھائی بج رہے ہوتے تھے، ایک رات میں دودھ کی گاڑی لئے مائی کلاچی سے گزر رہا تھا، ہُو کا عالم تھا، اس زمانے میں وہاں لائٹس کا کوئی بہتر انتظام نہیں تھا، سارا علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، میری گاڑی کی لائٹیں راستہ دکھا رہی تھیں، سڑک بھی سنسان تھی کہ اچانک میری نگاہ ایک بزرگ پر پڑی، وہ سڑک کے کنارے کنارے پیدل چلے جا رہے تھے، میں نے احتراماً گاڑی ان کے قریب جا کر روک دی، وہ ٹھہر گئے اور اپنے ہاتھوں سے آنکھوں پر چھجا بنا کر گاڑی کی طرف دیکھنے لگے، پہلے تو مجھے کچھ ڈر سا لگا کہ بزرگ ناراض نہ ہو جائیں، اس لئے فوراً گاڑی سے اترا اور ”السلام علیکم“ کہا۔ بزرگ نے زیر لب سلام کا جواب دیا، میں نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”بابا جی! اتنی رات گئے، اس ویرانے میں آپ اکیلے کہاں جا رہے ہیں؟ آئیے میں آپ کو اپنی گاڑی میں شہر چھوڑ دوں۔“ بابا جی نے رکھائی سے جواب دیا۔ ”جس کا ٹھکانا ہی ویرانے میں ہو، اس کو شہر سے بھلا کیا واسطہ، تم اپنی راہ پر جاؤ، میرا گھر قریب ہی ہے، میں چلا جاؤں گا۔“ میں نے کہا۔

”بابا میں آپ کے ساتھ چل رہا ہوں، مجھے شدید پیاس لگی ہے اور مجھے جانا بھی دور ہے۔“ یہ کہہ کر میں نے کنڈیکٹر کو اشارے سے کہا کہ وہ وہیں ٹھہرے، میں واپس آتا ہوں، بزرگ نے اقرار میں جواب دیا نہ انکار میں، میں ان کے ساتھ چلتا رہا، وہ کچھ دور جا کر ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس رک گئے، پھر وہاں سے اندر کی طرف مڑ گئے، میں ان کے ساتھ چلتا رہا، تقریباً ایک ڈیڑھ فرلانگ چلے تو ان کی قیام گاہ آ گئی، جو چھوٹی سی جھونپڑی کی شکل میں تھی، میرے ہاتھ میں طاقت ور ٹارچ تھی، جو میں گاڑی سے اترتے ہوئے احتیاطاً اپنے ساتھ رکھتا ہوں، یہ فاصلہ بھی میں نے ٹارچ کی روشنی کے سہارے ہی طے کیا تھا، جھونپڑی کے اندر گھپ

اندھیرا تھا، میں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا کہ ایک پانی کا مٹکا، ایک جائے نماز اور چٹائی بچھی ہوئی تھی، جھونپڑی کی چھت پر ایک کنڈے کے ساتھ پلاسٹک کا ایک شاپر بھی لٹکا ہوا تھا، اس میں قرآن شریف جیسی کوئی کتاب رکھی تھی، جو یقیناً قرآن ہی ہوگا، کھانے پینے کی کوئی شے دکھائی نہیں دی، صرف دو ایک پلیٹیں اور گلاس نظر آیا، بابا نے مجھے مٹکے سے پانی انڈیل کر دیا، جسے پی کر میں ان کا شکریہ ادا کر کے لوٹ آیا، میرے سامنے انہوں نے موم بتی جلائی، جس سے جھونپڑی میں مدہم سی روشنی پھیل گئی تھی، واپسی پر میں راستے بھر یہ سوچتا ہوا آیا کہ یہ بزرگ اس ویرانے میں کیسے رہتے ہوں گے، یہ کھانا کہاں سے کھاتے ہوں گے اور رات کو اس وقت کہاں گئے تھے، جو واپسی پر اتنی دیر ہو گئی۔

اگلے روز جب میں رات کو دودھ سپلائی کے لئے نکلا تو میں نے ایک ہوٹل سے کھانا پیک کروایا اور اسی جگہ گاڑی روک کر اتر گیا، کنڈیکٹر کو وہیں چھوڑا، ٹارچ کی روشنی میں راستہ پہچانتا ہوا بابا کی جھونپڑی تک آسانی سے پہنچ گیا، بابا اندر قرآن شریف پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا تو انہوں نے ہلکے سے جواب دیا، موم بتی ان کے قریب پڑے ایک پتھر پر رکھی تھی، میں نے کھانا ان کے مٹکے کے قریب رکھا اور الٹے پاؤں واپس آ گیا، انہوں نے میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، بدستور قرآن پڑھتے رہے، خدا جانے رات کے اس پہر میرا لایا ہوا کھانا انہوں نے کھایا بھی تھا یا نہیں، مگر میں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کھائیں یا نہ کھائیں، میں روزانہ انہیں کھانا پہنچاتا رہوں گا اور اس طرح یہ میرا معمول بن گیا کہ میں روز اسی وقت بابا جی کی جھونپڑی میں کھانا پہنچا آتا، کبھی وہ مجھے جھونپڑی میں مل جاتے تھے اور کبھی نہیں، جس روز وہ نہیں ہوتے تھے، میں لکڑی کی کھونٹی پر کھانا لٹکا دیتا اور خود واپس آ جاتا، وہ موجود ہوتے تو ہمیشہ عبادت میں مصروف نظر آتے، کبھی بھی بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، مگر میں بغیر کسی لالچ کے یہ کام بلاناغہ سرانجام دیتا رہا۔

پانچ مہینے میرے اسی روٹین میں گزر گئے، میں بدستور کھانا پہنچاتا رہا، بابا صاحب نے مجھ سے کبھی بات نہیں کی اور نہ ہی کبھی کھانے کے لئے منع کیا، ان ہی دنوں میرے ماموں زاد بھائی کی شادی طے ہو گئی، مجھے پشور اپنے گاؤں جانا تھا، ڈیری فارم کے مالک سے چھٹی مانگی تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنی جگہ کوئی قابل اعتبار ڈرائیور انہیں دے کر جاؤں، بہ مشکل اپنے ایک دوست کو اس کام کے لئے رضامند کیا، چنانچہ مجھے چھٹی مل گئی، مگر چند دن تک مجھے اس ڈرائیور کے ساتھ کام کرنا پڑا تاکہ وہ اچھی طرح ان مقامات اور لوگوں کو پہچان سکے، جہاں مجھے دودھ پہنچانا ہوتا تھا، میں نے اس دوران بابا صاحب کے بارے میں، اپنے ڈرائیور دوست فرید احمد کو کچھ نہیں بتایا تھا، آخری رات میں نے اسے بتا دیا کہ میرے جانے کے بعد اسے میری ایک ڈیوٹی اور سنبھالنی ہوگی، اسے مختصراً بابا کے بارے میں بتا کر کہا کہ ”وہ بابا کو باقاعدگی سے کھانا پہنچا دے گا، تو میں اس کا بے حد ممنون رہوں گا، کھانے کی رقم میں یک مشت واپسی پر اسے ادا کر دوں گا، فی الحال شادی کی شاپنگ کی وجہ سے پیشگی کچھ نہیں دے سکتا، فرید احمد نے یہ ڈیوٹی نبھانے کا بھی وعدہ کر لیا، اس رات ہم نے وقت سے پہلے اپنا کام ختم کیا اور ڈیڑھ بجے مائی کلاچی روڈ پر پہنچ گئے، گاڑی رکوا کر میں نے فرید کو دور سے بابا جی کی جھونپڑی دکھائی اور اس سے کہا کہ وہ انتظار کرے، میں آج بابا سے کچھ دیر باتیں کرنا چاہتا ہوں، وہ واپس چلا گیا، میں کھانا لے کر جھونپڑی میں داخل ہوا تو بابا صاحب، جیسے میرا انتظار ہی کر رہے تھے، میرے سلام کا جواب دے کر کہنے لگے۔

”آج تم جلد آ گئے، گھر جانے کی خوشی ہے ناں!“

میں یہ جملہ سن کر حیران رہ گیا، کیوں کہ میں نے آج تک ان سے ہم کلام ہونے کی ہمت تک نہیں کی تھی، پھر انہیں میرے جانے کی خبر کیسے ہوئی، وہ کہنے لگے۔ ”کل تو

ڈرائیوری سے تمہاری چھٹی ہے نا، کل جمعرات بھی ہے، مغرب کے بعد مجھ سے آکر مل لینا، پھر اپنے گھر جانا۔" میں اتنا حیران تھا کہ مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا، اثبات میں سر ہلا دیا اور وہاں سے چپ چاپ چلا آیا، میرے دل میں ہلچل سی مچ گئی تھی، دوسرے روز مغرب کے بعد میں وہاں پہنچا، بابا صاحب جھونپڑی کے باہر ہی مل گئے تھے، انہوں نے مجھے وضو کرنے کے لئے کہا اور پھر قریب بٹھا کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں اور مجھ سے کہا۔

"بیٹا! اللہ کے کلام میں ہر پریشانی کا حل موجود ہے، مگر ہر انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اپنی پریشانی یا مسئلے کو قرآن کی روشنی میں دور یا حل کر سکے، اس کے لئے بصیرت، لگن، محنت اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق بھی لازم ہے، تم بس اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتے رہو اور اسے سمجھنے اور عمل کرنے کی کوشش کرتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہاری ضرور مدد فرمائے گا۔" میں بت بنا بابا صاحب کی باتیں سنتا رہا، انہوں نے چند آیات مجھے بتائیں کہ ان کا ورد کرتا رہوں، اللہ تعالیٰ میری روزی میں برکت فرمائے گا اور پھر کہا۔ "اب تم جاؤ، مجھے بھی کچھ کام کرنے ہیں۔" میں سحر زدہ سا واپس آ گیا۔

اپنی چھٹیاں گاؤں میں گزارنے اور شادی نمٹانے کے بعد جب واپس کراچی آیا تو میرے دوست ڈرائیور نے بتایا کہ میرے گاؤں جانے کے اگلے روز وہ کھانے لے کر اس جگہ گیا تھا، مگر وہاں اسے جھونپڑی تو ملی، مگر اس کے اندر کوئی بندہ تھا، نہ ہی سامان، تم نے کہا تھا کہ پانی کے مٹکے کے پاس کھانا رکھ دیا کرنا، وہاں مٹکا، چٹائی یا برتن کچھ بھی تو نہیں تھا، ایسا الگ رہا تھا کہ یہاں مدت سے کوئی رہتا ہی نہیں، میں نے فرید احمد کی بات کا اعتبار نہیں کیا اور خود وہاں گیا، مگر اس وقت تک جھونپڑی بھی ڈھے چکی تھی، وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ اس کا مکین وہاں سے چلا گیا تھا، کہاں گیا، اس بات کا سراغ مجھے آج انیس سال گزرنے کے باوجود نہیں ملا۔

غافل مچھلیاں اور دانا بچی

ایک بزرگ کے حالات کے بارے میں ہے کہ آپ مچھلیاں پکڑ رہے تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی چھوٹی لڑکی بھی بیٹھی تھی، آپ جو بھی مچھلی پکڑتے وہ لڑکی کو دیتے جاتے اور وہ لڑکی والد سے مچھلیاں لے کر پھر دریا میں ڈالتی جاتی، حضرت جب فارغ ہو کر اٹھے تو لڑکی سے فرمایا: "مچھلیاں کہاں ہیں۔" وہ بولی۔ "ابا جان! میں نے تو سب کو دریا میں ڈال دیا ہے۔" حضرت نے فرمایا: "تم نے یہ کیا کیا۔" ساری محنت برباد کر دی تو وہ بولی: "آپ ہی نے تو بتایا تھا کہ جو مچھلی ذکر اللہ سے غافل ہو جاتی ہے وہی جال میں پھنستی ہے تو آپ جن مچھلی کو پکڑتے تھے میں سمجھ لیتی تھی کہ یہ مچھلی ذکر اللہ سے غافل ہے، جب ہی تو پکڑی گئی ہے" اس لئے میں نے اس خیال سے کہ غافل مچھلیوں کو کھا کر ان کی محبت سے کہیں ہم بھی ذکر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں، لہٰذا میں نے ساری مچھلیاں پھر دریا میں ڈال دیں۔

(سدرہ جاوید، البدر اسکول، کراچی)

☆......☆......☆

دونوں جہاں کی بھلائی کی چیزیں

حضرت قتادہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چار چیزیں جس کو عطا ہو گئیں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں نصیب ہو گئیں۔ "اللہ کا ذکر کرنے والی زبان"، "شکر کرنے والا دل"، "صبر کرنے والا بدن"، "ایمان دار نیک بیوی"۔

(رافعہ عبدالغنی، کمالیہ)

☆......☆......☆

خواتین کی اکثریت حجاب کو پسند کرتی ہے

عطیہ نثار

عورت کو "نصف بہتر" اور خواتین کو ملک کی "نصف آبادی" ضرور کہا جاتا ہے، لیکن عملی زندگی میں ان باتوں کی اہمیت ایک سماجی و سیاسی نعرے سے زیادہ نہیں اور نعروں کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ نعرے فضا میں بلند کر کے بھول جانے کے لئے ہوتے ہیں، چنانچہ عملی زندگی میں نصف بہتر ابھی تک "نصف کمتر" اور نصف آبادی "نصف بوجھ" سمجھی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ خواتین کے مزاج، رویوں، رجحانات اور بالخصوص ان کے مسائل میں غفلت عام ہے، اس ضمن میں سیاسی و سماجی تنظیموں کا تو ذکر ہی کیا۔ ذرائع ابلاغ یہاں تک کہ تعلیمی و تحقیقی ادارے بھی خواتین کے حقیقی رجحانات اور مسائل سے غیر متعلق نظر آتے ہیں اور اس سلسلے میں کوئی علمی یا تحقیقی سرگرمی شاذ ہی دیکھنے میں آتی ہے۔

گزشتہ دنوں خواتین کے رجحانات اور ان کے مسائل سے واقفیت کے لئے خالصتاً سیاسی بنیادوں پر ایک ملک گیر سروے کیا گیا، یہ سروے ویمن کمیشن کی طرف سے کیا گیا تھا، اس سروے سے معاشرے میں نہ صرف یہ کہ خواتین کے مقام اور مسائل پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ہمارے معاشرے میں خواتین کی سوچ اور فکر بھی سامنے آتی ہے، سروے کے جواب کنندہ کی حیثیت سے شامل 57 فیصد غیر شادی شدہ اور 48 فیصد شادی شدہ ہیں، آمدنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سروے میں شامل خواتین کی کم سے کم آمدنی 1700 روپے اور زیادہ سے زیادہ آمدنی 5000 روپے ماہانہ تھی، یہ اعداد و شمار سروے کی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کا ثبوت ہیں۔

گزشتہ 50 سال سے مسلم معاشروں کا ایک بہت بڑا نفسیاتی، ذہنی اور معاشرتی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے ہر رویے اور رجحانات کا موازنہ مغربی معاشروں سے کرتے ہیں، ایسا کرتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ موازنے کی نفسیات فی نفسہ صحت مند نفسیات نہیں ہے کیونکہ موازنے میں زندگی کے بنیادی حقائق کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، ہم یہ حقیقت بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں میں خیر و شر، حسن و قبح اور پسندیدگی و ناپسندیدگی کے معیارات اور پیمانے مختلف ہو سکتے ہیں اور ضروری نہیں کہ جو چیز اہل مغرب کے لئے خوب ہو، وہ ہمارے لئے بھی خوب ہو، فہم کے اس نقص سے نہ صرف یہ کہ مسلم معاشروں میں مغرب کے حوالے سے ایک ہولناک احساس کمتری پیدا ہوا ہے بلکہ بعض

مفروضوں نے حقائق کا درجہ حاصل کیا ہے، مثال کے طور پر مذہبی دنیا میں یہ رائے عام ہے کہ مسلم معاشروں میں خواتین انتہائی کمزور (Power Less) ہیں، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں خواتین کی کوئی رائے ہے ہی نہیں اور اگر رائے ہے بھی تو اسے کوئی وقعت حاصل نہیں اور یہ کہ مسلم معاشرہ دراصل ہولناک حد تک مردوں کی گرفت یا (Male Dominated) ہے وغیرہ وغیرہ، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم معاشروں میں آج بھی ان دائروں میں فیصلہ کن کردار ادا کر رہی ہیں، زیر نظر سروے اس حقیقت کو پوری شدت اور وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے لاتا ہے۔

سروے کے تحت جب خواتین سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر میں شادی کے فیصلے کا انحصار کس چیز پر ہے تو 57 فیصد خواتین نے جواب دیا کہ سارے فیصلے مردوں اور عورتوں کے مشترکہ فیصلے اور رائے سے ہوتے ہیں۔ 24 فیصد خواتین نے کہا کہ اس سلسلے میں خواتین کے فیصلے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے جبکہ 17 فیصد نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں مرد کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے، صرف ایک فیصد اس مسئلے پر ابہام کا شکار تھیں اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ مشترکہ فیصلہ دراصل اکثر صورتوں میں مرد کا فیصلہ ہوتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس حقیقت کو کس طرح نظر انداز کیا جائے کہ ہمارے معاشرے میں صرف 17 فیصد مرد شادی کے سلسلے میں حتمی حیثیت کے حامل ہیں اور اس کے مقابل میں 24 فیصد خواتین شادی کے معاملے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں، اس صورتحال کی وضاحت ایک اور سوال کے جواب سے ہوتی ہے، سروے کا ایک سوال یہ تھا کہ بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں بنیادی فیصلے کون کرتا ہے، اس سلسلے میں 45 فیصد نے کہا کہ فیصلہ مشترکہ ہوتا ہے جبکہ 40 فیصد نے کہا کہ خواتین کی رائے حتمی ہوتی ہے اور 14 فیصد نے کہا کہ اس سلسلے میں مرد کے فیصلے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

جب خواتین سے پوچھا گیا کہ عام استعمال کی اشیا کے سلسلے میں گھر کے اندر کس کی رائے کو فوقیت حاصل ہے تو 33 فیصد خواتین نے کہا کہ فیصلہ مشترکہ ہوتا ہے جبکہ 53 فیصد خواتین نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں خواتین کی رائے کو فوقیت حاصل ہوتی ہے جبکہ صرف 14 فیصد مرد اس ضمن میں فیصلہ کن کردار کے حامل بتائے گئے، سوال یہ ہے کہ ان حقائق سے کیا ثابت ہوتا نظر آتا ہے؟ یہ مفروضہ کہ مسلم معاشروں میں خواتین کی کوئی وقعت نہیں یا یہ کہ خواتین بعض بنیادی شعبوں اور دائروں میں مغربی دنیا کی خواتین سے بھی زیادہ فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہیں۔

ہمارے معاشرے بالخصوص شہری معاشرے میں یہ خیال عام ہے کہ ملازمت پیشہ خواتین کی بڑی تعداد محض شوقیہ ملازمت کرتی یا یہ کہ خواتین میں ملازمت کا بڑھتا ہوا رجحان ان کی آزادی کا مظہر ہے لیکن سروے کے نتائج اس مفروضے کو بھی چیلنج کرتے نظر آتے ہیں، مثلاً خواتین سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ ملازمت کیوں کرتی ہیں تو 56 فیصد خواتین نے کم آمدنی کو اس کا ذمہ دار قرار دیا، 18 فیصد خواتین نے ملازمت کی وجہ یہ بتائی کہ ان کا کوئی سرپرست ہی نہیں ہے، 6 فیصد خواتین کے سرپرست تو ہیں مگر وہ کسی نہ کسی قسم کی معذوری کا شکار ہیں، 15 فیصد خواتین نے کہا کہ وہ محض اپنی صلاحیت اور اہلیت کو مزید بہتر بنانے کے لئے یہ کام کرتی ہیں، صرف تین فیصد خواتین نے کہا کہ وہ محض وقت گزاری کے لئے ملازمت کرتی ہیں، یہ حقائق اس بات کا اظہار ہیں کہ پاکستانی معاشرے کی خواتین کا ذہنی و نفسیاتی سانچہ ابھی تک مغربی خواتین کے سانچے سے بہت مختلف اور ہماری مذہبی وسماجی اقدار کے مطابق ہے۔

اس کی تصدیق مزید سوالات و جوابات اور رجحانات سے ہوتی ہے، مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں ملازمت پیشہ خواتین وہ کسی بھی شعبے سے

فیصد خواتین نے اشتہارات میں ماڈل کی حیثیت سے کام کو ناپسندیدہ قرار دیا۔

ملازمت پیشہ خواتین کے حوالے سے یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ ان کی بڑی اکثریت کسی نہ کسی قسم کے حجاب یا پردے کو پسند کرتی ہے اور نہ صرف پسند کرتی ہے بلکہ وہ ملازمت کے لئے گھر سے نکلتی ہے تو کسی نہ کسی انداز میں حجاب کو اپناتی ہے، ہمارے معاشرے کی 75 فیصد خواتین ملازمت پیشہ خواتین حجاب کو پسند کرتی ہیں، البتہ اس سلسلے میں پسند کے اعتبار سے درجوں کا فرق ہے، مثلاً 39 فیصد خواتین مکمل حجاب کے ساتھ گھر سے نکلتی ہیں اور 14 فیصد خواتین نقاب والی چادر استعمال کرتی ہیں اور 22 فیصد چادر استعمال کرتی ہیں، البتہ 25 فیصد نے اس سلسلے میں پوچھے گئے سوال کا جواب نہیں دیا، یہ حقائق اور اعداد و شمار اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں کہ 1947ء سے آج تک خود ریاست یا حکومت نے حجاب کے اسلامی رجحان کو معاشرے میں رائج اور راسخ کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا بلکہ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات ورسائل وجرائد میں بے حجابی کو آئیڈیل، پسندیدہ اور روشن خیالی و آزادی کی علامت کے طور پر پیش کیا جارہا ہے، چنانچہ ملازمت پیشہ خواتین کی اکثریت اگر حجاب کی قائل ہیں اور اسے برت رہی ہیں تو یہ بات اس امر کی علامت ہے کہ مذہبی اقدار و تہذیبی روایات پر معاشرے کا یقین اب تک مستحکم اور توانا ہے اور وہ ریاستی مدد کے بغیر بھی مغربیت کی بے پناہ یلغار کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خواتین کے بعض حقوق کا تحفظ ایک اہم مسئلہ ہے اور اس حوالے سے ملازمت پیشہ خواتین کی صورتحال بھی اچھی نہیں، مثلاً خواتین سے جب یہ پوچھا گیا کہ ان کے شوہر نے ان کا مہر دیا ہے اور وہ نان نفقہ کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں تو صرف 4 فیصد خواتین ایسی تھیں جنہوں نے کہا کہ ہاں اس نے مہر دیا ہے اور نان نفقہ بھی دیا جاتا ہے، 10 فیصد خواتین ایسی تھیں جنہیں مہر دیا گیا اور نہ نان نفقہ دیا جاتا ہے، 22 فیصد ایسی ہیں جنہیں کچھ نہ کچھ مہر اور نان نفقہ دیا جاتا ہے، 19 فیصد خواتین نے جواب دیا کہ انہیں مہر اور نان نفقے کا نصف فراہم ہوا ہے۔

خواتین پر تشدد ایک بڑا مسئلہ بن کر سامنے آیا ہے لیکن اس کے مضمرات عیاں نہیں، تاہم زیر نظر ملک گیر سروے سے یہ حقیقت عیاں ہوئی ہے کہ 53 فیصد خواتین کے نزدیک تشدد کی وجہ ناخواندگی ہے، 17 فیصد خواتین کے نزدیک اس کی وجہ اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت ہے، 2 فیصد کے نزدیک اس کا سبب منشیات کا استعمال ہے جبکہ 5 فیصد مشترکہ خاندانی نظام کو اس کا ذمہ دار سمجھتیں ہیں، البتہ 19 فیصد خواتین ایسی ہیں جنہوں نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔

جہیز بھی عاشرے کا ایک اہم مسئلہ ہے لیکن اس سلسلے میں ملازمت پیشہ خواتین کے ردعمل کی سطحیں مختلف ہیں، مثلاً 35 فیصد خواتین نے جہیز کو بہت اہم قرار دیا ہے جبکہ 40 فیصد کے نزدیک جہیز بہت اہم نہیں، صرف اہم ہے، 10 فیصد خواتین ایسی ہیں جو جہیز کو بالکل اہم نہیں سمجھتیں، تقریباً 15 فیصد خواتین نے کہا کہ وہ جہیز کو زیادہ اہم نہیں سمجھتیں، البتہ خواتین کی اکثریت یعنی تقریباً 79 فیصد خواتین کا خیال ہے کہ جہیز پر پابندی سے بہت سے معاشرتی مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

سماجی تحقیق فی زمانہ بہت اہم ہوگئی ہے اور اسے بھی اس علمی زندگی کی ترجیحات میں سرفہرست ہونا چاہئے لیکن بدقسمتی سے معاشرے کو سطحیت کی جانب دھکیل دیا گیا ہے، چنانچہ ہماری زندگی حقائق کی بجائے مفروضوں اور نعروں پر استوار کی گئی ہے، تاہم ویمن کمیشن نے اس حوالے سے معاشرے کی نصف آبادی کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا ہے، یہ سروے اس سلسلے میں پہلی بڑی کوشش ہے اور امید ہے کہ یہ کوشش ایک مستقل ادارے کی صورت اختیار کر لے گی۔

☆......☆......☆

یہود ونصاریٰ کی اسلام دشمنی

کیا ہم وہ کاسمیٹکس استعمال کرنا پسند کریں گے کہ جن لبوں سے قرآن مجید کی تلاوت کریں، انہی پر خنزیر کی چربی سے تیار کردہ لپ اسٹک بھی لگی ہو

بنت ساجدہ محمود

آج کل اکثر گھروں میں مسلمان نادانی اور نا سمجھی میں روزمرہ استعمال کی وہ چیزیں خرید لیتے ہیں جو ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تیار کردہ ہیں۔ یہ کمپنیاں لیور برادرز، کولگیٹ، پراکٹر اینڈ گیمبل، پامولو وغیرہ کے ناموں سے اپنا کام کررہی ہیں۔ ہم ان کمپنیوں کے تیار کردہ صابن، شیمپو، بسکٹ اور مختلف قسم کی اشیاء استعمال کرتے ہیں، لیکن ہم اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ جن کمپنیوں کی اشیاء خرید کر ہم ان کو منافع پہنچارہے ہوتے ہیں، وہ اس منافع کو پھر کہاں کہاں استعمال کرتی ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ہم خود اپنے ہاتھوں سے اپنے دشمن کو اسلحہ خرید کر دے رہے ہیں کہ اسے ہمارے بچوں پر، ہمارے بھائیوں اور بہنوں پر چلاؤ۔

ہم ان یہودی کمپنیوں کی تیار کردہ اشیاء بہت خوشی سے استعمال کرتے ہیں لیکن کیا کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ یہ یہودی ہمارے کتنے بدترین دشمن ہیں اور مسلمانوں کے خلاف کیا ناپاک عزائم رکھتے ہیں، ذیل میں فراہم کردہ معلومات کا مطالعہ کریں اور پھر سوچیں کیا ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ جو ہمارے خلاف طرح طرح کی شیطانی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں ہم انہی کی مصنوعات کو فخر سے استعمال کریں۔

یہود ونصاریٰ اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں، ان کی اس اسلام دشمنی کے نظارے ہمیں دنیا کے کونے کونے میں نظر آرہے ہیں، کہیں ہماری مساجد شہید ہورہی ہیں، کہیں ہمارے مقدس قرآن پاک میں تحریف کی کوششیں کی جارہی ہیں، کہیں قرآنی آیات کی بے حرمتی ہورہی ہے، دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے کہا جارہا ہے، داڑھی رکھنا پگڑی باندھنا جرم بنتا جارہا ہے۔ بھلا اس کے پس پشت کون ہے؟ یقیناً یہ وہی خفیہ ہاتھ ہیں، جو مدت سے اسلام دشمنی پر کمربستہ ہیں، جس کی خبر ہمیں ہمارا رب اپنی پیاری کتاب قرآن عزیز میں دے چکا ہے کہ یہود ونصاریٰ تمہارے دوست، ہمدرد اور خیر خواہ کبھی بھی نہیں ہوسکتے، اس پیارے اللہ کے علاوہ سچی بات بھلا اور کس کی ہوسکتی ہے، یہود ہی وہ بدقسمت قوم ہے جنہوں نے اپنے مہربان اور شفیق رب کی دو ہزار سالہ زندگی میں نافرمانیاں کیں، یہ وہ واحد قوم ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے زیادہ غضب و غصے اور پھٹکار و ملامت کا سزاوار ٹھہرایا ہے، اس قوم کی تباہی وبربادی کا سرسری خاکہ قرآن عزیز کی سورۂ بنی اسرائیل میں پیش کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی یہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرتے رہے ہیں، لیکن پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان کی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

جب تک اسلامی سیاسی حکومتیں مضبوط رہیں، ہر سازش کا منہ توڑ جواب دیا اور کسی سازش کو کامیاب نہ ہونے دیا لیکن کمزور اسلامی سیاسی حکومتیں قائم ہونے کی وجہ سے یہ سازشیں کامیاب ہونا شروع ہوگئیں۔

کفار مسلمانوں سے خطرناک حد تک نفرت اور تعصب رکھتے ہیں، چنانچہ وہ اسلامی عقائد وروایات کو ہر صورت ختم کرنا چاہتے ہیں، یہ اسلام دشمنی کبھی مدارس کے خلاف نظر آتی ہے، کبھی جہاد کو ختم کرنے کی سازشیں ہوتی ہیں، وہ مسلمانوں کے خلاف طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ تو دوسروں پر اسلام مسلط کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔ (استغفراللہ)

''اشیعا بومان ''جو کہ یورپ کا ایک معروف دانشور ہے وہ لکھتا ہے:

''یورپ کے لئے واجب ہے کہ وہ اسلام کو اپنے لئے خوف وخطر کا سبب قرار دے اور اسلام کو خوف وخطرہ کا سبب قرار دے دینا بلا جواز اور بلا اسباب نہیں ہے، ان اسباب میں سے صرف یہی سبب کافی ہے کہ اسلام اپنے ابتدائی ایام ظہور سے لے کر آج تک مسلسل وپیہم نہ صرف اپنا ذاتی وجود برقرار رکھے ہوئے ہے بلکہ وہ آگے بڑھ رہا ہے اور باقاعدگی کے ساتھ براعظموں کے براعظموں میں پھیلتا جارہا ہے اور اسلام سے خوف محسوس کرنے کا ایک اور اہم ترین سبب یہ ہے کہ اسلام کے اساسی وبنیادی ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن جہاد ہے۔''

برطانیہ کا ایک مشہور وزیراعظم گلیڈ اسٹون کہتا ہے:

''جب تک قرآن مسلمانوں کے دلوں یا دماغوں میں حکمران رہے گا اس وقت تک یورپ اسلامی مذہب کو نہ تو اپنے مذہب میں لاسکتا ہے اور اگر اسے اپنے قبضے میں یا تسلط میں لے بھی آئے تو وہ اپنے اس تسلط کو زیادہ دیر برقرار نہیں رکھ سکتا۔''

ایک یورپی مفکر کی ذرا شیطانی چال سنئے:

''اب مسیحیت اور یہودیت دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالکر محمدیت کا قلع قمع کرنے کے لئے پوری طرح مسلح ہوکر میدان عمل میں کود چکی ہے اور اپنے اس مشترک دشمن کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اور وسیلے کو بروئے کار لانے کے لئے بڑی سنجیدگی سے غورو غوض اور منصوبہ بندی کررہی ہے۔''

ان شیطانی چالوں اور منصوبوں کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے:

جن جائے نمازوں کو ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں ان میں سے بعض پر دو تصویریں بنی ہوتی ہیں، ایک تصویر تو بیت اللہ شریف کی ہے جبکہ اس کے دوش بدوش کلیسا کی تصویر ہے، اپنے گھر کی جائے نمازوں کو چیک کریں کہ کہیں بے خبری میں ان پر بھی تو یہ تصویر موجود نہیں۔

کورین کمپنی ''سوئز پوسٹ'' کے تیار کردہ جوتوں کی کھیپ پاکستان پہنچائی گئی تو ان جوتوں کے تلے پر لفظ ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ (استغفراللہ العیاذ باللہ)

اسی طرح امریکی کمپنی ''نائیک'' بھی اسی طرح کے مذموم عزائم اسلام کے خلاف رکھتی ہے اور توہین رسالت پر مبنی تصاویر، لٹریچر اور فلمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اسی طرح انگلینڈ میں مسلمانوں نے ایسے جوتوں کی فروخت پر شدید احتجاج کیا جن پر کلمہ طیبہ کی عبارت لکھی تھی، اسی طرح فٹ بال پر کلمہ طیبہ تحریر کردیا گیا، ہالینڈ کی ایک مشہور کمپنی نے شراب کی بوتلوں کے ڈھکن پر کلمہ طیبہ پرنٹ کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے، انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا آج ہمارے ملک کی ہر بڑی لائبریری کی زینت بنی ہوئی ہے لیکن اس میں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا ہے اور جہاں جہاں ہمارے نبی آخر

الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آیا ہے وہاں وہاں (نعوذ باللہ) فرضی تصویر شائع کی گئی ہے۔ ہالینڈ کی دکانوں پر آج کل ایسا کپڑا فروخت ہو رہا ہے جس پر سورۂ فاتحہ چھپی ہوئی ہے۔

جرمن ٹی وی پر ایک سیریز چل رہی ہے جس کا نام ہے "اسلام کی تلوار" اس میں یہ بات بار بار پیش کی جا رہی ہے کہ اسلام امن عالم کے لئے خطرہ ہے، اس کے جنونی پیروکار، آزادی، عدل اور مساوات کے دشمن ہیں اور مغرب کو پانی سے سر سے اونچا ہو جانے سے پہلے اسلامی طاقتوں پر حملہ کر دینا چاہئے۔

سموئیل زومیر نے مسیحی مبصرین کی ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"اے میرے رفیقو! بے شک تم نے مسلمان ممالک کے اندر ایک ایسی نوجوان نسل تیار کر دی ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے کوئی تعلق نہیں، حتیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی معرفت سے بھی کوئی سروکار نہیں ہے، تم نے مسلمانوں کی اس نوجوان نسل کو اسلام سے نکال کر اور اسے حلقہ بگوش مسیحیت کر کے استعماری مقاصد کی شاندار خدمت انجام دی ہے، یہ نوجوان نسل عیش وآرام کی دلدادہ ہے، کام چور اور کسلمند ہے، ہر جائز وناجائز ذریعے سے اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنا اور اس کے لئے ہر حیلہ یا حربہ بروئے کار لانا ان کی زندگیوں کا مقصد بن چکا ہے، ان کی زندگی کا نصب العین حیوانی خواہشات کی تسکین اور اس کے حصول کے ماسوا کچھ نہیں ہے وہ جب تعلیم حاصل کرتے ہیں تو اس کا نصب العین صرف اپنی خواہشات کی تسکین کرنا ہوتا ہے، انہی سازشوں کی ایک صورت انٹرنیٹ کے ذریعے بھی پیش کی گئی ہے، قرآن مجید کی چار جعلی سورتیں انٹرنیٹ پر پیش کی جا رہی ہیں۔

ایک سورت کا نام التجسد، دوسری کا الایمان، تیسری کا المسلمون اور چوتھی کا الوصایا ہے۔" (استغفر اللہ)

یہ شدید توہین قرآن ہے، مسلم حلقوں میں اس پر احتجاج کیا جا رہا ہے، مسلمان حکومتوں پر فرض ہے کہ اس پر سرکاری سطح پر دباؤ ڈالیں۔

اسی سازش کی ایک بہت عام جھلک عیسوی کلینڈر پیش کرتا ہے، ضرورت تو اس امر کی تھی کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہمارے ملک میں اسلامی کلینڈر کا نفاذ ہوتا اور ہمارے تمام معاملات اس کے مطابق طے پاتے، لیکن بدقسمتی سے آج ہم انہی دیوی دیوتاؤں کے نام لینے پر مجبور ہیں۔

اتوار کا دن دو لفظوں "ایت" اور "وار" سے مل کر بنا ہے جس کا مطلب ہے سورج کی پوجا کا دن، انگریزی میں اسے سنڈے کہا جاتا ہے۔

"سوم وار" کا مطلب ہے چاند کی پوجا کا دن (انگریزی میں Monday یعنی Moonday)

"منگلوار" کا مطلب ہے، سرسبز وشادابی کے دیوتاؤں کی پوجا کا دن، انگریزی میں ٹیوزڈے یعنی دیوتا کی پوجا کا دن۔

"بدھ وار" کا مطلب ہے، عقل وشعور کے دیوتا کی پوجا کا دن، انگریزی میں ویڈنس ڈے کا مطلب ہے، وڈن دیوتا ہندو اس کو بھی پوجتے ہیں۔

انگریزی میں تھرس ڈے یعنی تھار دیوتا کی پوجا کا دن، ہم اسے جمعرات کہتے ہیں۔

فرائی ڈے، یعنی فریکا دیوی کی پوجا کا دن، ہم اسے جمعہ کہتے ہیں۔

"سنیچر وار" کو انگریزی میں سیچر ڈے کہتے ہیں، یعنی سیچرن دیوتا کی پوجا کا دن، ہم اسے ہفتہ کہتے ہیں۔

اگر ہم ان ناموں کے بجائے عربی زبان کے ہفتے کے دنوں کے ناموں کو استعمال کریں تو اس شرکیہ فعل سے بچ سکتے ہیں، یوم الاحد اور یوم الجمعہ جیسے نام استعمال کرنا ہر طرح کے کفر وشرک سے پاک ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار ایسے اقدامات کئے کہ کسی طرح اسلام اور مسلمانوں کو تباہ وبرباد کر دیا جائے۔

اللہ رب العزت نے دین اسلام کو قیامت تک کے انسانوں کے لئے دین رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مسلمان قیامت تک رہیں گے، جب یہ مٹ جائیں گے تو اللہ یہ دنیا بھی مٹا دے گا اور ان یہودیوں کی سازشیں میرے رب کے کرم ورحمت سے کبھی پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں گی۔

حرف آخر:...... یہود نصاریٰ ہمارے بدترین دشمن ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کا سب سے اہم ہدف جہاد اور مجاہدین کو ختم کرنا ہے، اسی منصوبے کے تحت مجاہدین کو دہشت گرد اور جہاد کو دہشت گردی قرار دیا گیا تا کہ انہیں اتنا بدنام کر دیا جائے کہ لوگ نہ صرف یہ کہ اپنے بچوں کو اس مبارک فریضے کی ادائیگی کے لئے نہ بھیجیں بلکہ شوق شہادت کو مسلمانوں کے دلوں سے بالکل مٹا دیا جائے، انہیں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسا نصاب تعلیم پڑھایا جائے جو انہیں مکمل طور پر دنیا دار بنا دے اور دینی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے قرار دے کر ان کے خلاف کارروائی کی جائے تا کہ مسلمان اپنے بچوں کو مدارس میں بھیجنا چھوڑ دیں، کیونکہ بچے جب مدارس جائیں گے، قرآن پڑھیں گے، تو اس میں جہاد بھی آئے گا، مدارس میں جائیں گے تو دینی احکام سیکھ لیں گے، دین وشریعت پر عمل کریں گے، دنیا کمانے کی ہوس نہیں کریں گے، اسلام دشمنوں سے انتقام لیں گے اور یہود ونصاریٰ کی سازشوں کو سمجھ لیں گے، جب اللہ خود اپنے قرآن میں اس کا اعلان کر رہا ہے، چنانچہ اب ہمارے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنے ان بدترین دشمنوں کی تمام سازشوں سے آگاہ ہو کر بھی کیا یوں ہی بیٹھے رہیں گے یا عملی قدم بھی اٹھائیں گے، کیا ہم ان غیر ملکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اشیاء استعمال کرتے رہیں گے، جس کے ذریعے وہ ہمیں خنزیر کے گوشت سے لبریز صابن، ٹوتھ پیسٹ اور چاکلیٹ وغیرہ کھلا رہے ہیں۔

کیا ہم وہ کاسمیٹکس استعمال کرنا پسند کریں گے کہ جن لبوں سے قرآن عزیز کی تلاوت کریں، انہی پر خنزیر کی چربی سے تیار کردہ لپ اسٹک بھی لگی ہو۔

ابھی بھی وقت ہے آج سے عہد کر لیں کہ ملکی مصنوعات کو استعمال کریں گے، چاہے وہ کیسی بھی ہوں، لیکن اپنے ہاتھوں، اپنے گھر کو تباہ نہیں کریں گے، اپنے دین کے بدترین دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دیں گے، کبھی ان کو نفع نہیں پہنچائیں گے۔

☆......☆......☆

تبلیغ نہ کرنے والوں کے لئے وعید

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل میں سب سے پہلے تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص دوسرے سے ملتا اور اس کو کوئی ناجائز بات کرتے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر، ایسا نہ کر، لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی اس کے ساتھ اپنے کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں ویسا ہی برتاؤ کرتا، جیسا کہ پہلے کرتا تھا، جب عام طور پر ایسا ہونے لگا تو اللہ نے بعضوں کے قلوب کو بعضوں کے ساتھ خلط کر دیا۔ (یعنی نافرمانوں کے دلوں کی طرح ہی فرمانبرداروں کے دلوں کو کر دیا)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! اچھی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔ (ترمذی)

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے فضائل تبلیغ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، آٹھ کر بیٹھ گئے اور قسم کھا کر فرمایا کہ تم نجات نہیں پاؤ گے، جب تک ظالم کو ظلم سے نہ روک دو۔

(مہوش فیصل، گلشن اقبال کراچی)

شخصیت میں نکھار پیدا کرنے کے اصول



شبیر حسین

گاڑی میں بہت بھیڑ تھی، بیٹھنے کو جگہ نہیں تھی، کئی مسافر کھڑے تھے، ان میں ایک خوبرو آدمی بیش قیمت سوٹ میں ملبوس کھڑا تھا، اس نے بیٹھنے کو جگہ مانگی تو دو تین مسافر خندہ پیشانی سے سکڑ گئے اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

اس کے قریب ہی ایک اور آدمی کھڑا تھا جو کسی فیکٹری کا مستری معلوم ہوتا تھا، چہرے پر مشقت اور مسکنت کے آثار تھے اور اس کا لباس صرف قمیص اور پاجامہ تھا، اس نے امیرانہ لباس والے خوبرو آدمی کو ایک اشارے سے جگہ حاصل کرتے دیکھا تو اس نے بھی سامنے والی سیٹ پر بیٹھے مسافروں سے جگہ مانگی، مسافروں نے توجہ ہی نہ دی اور وہ کھسیانہ ہو کر کھڑا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی میں یہ انقلاب آیا کہ سیٹ پر بیٹھے مسافر اس مستری قسم کے غریب سے آدمی کو گھسیٹ گھسیٹ کر سیٹ پر بٹھا رہے تھے، وہ اس قدر سکڑ گئے تھے کہ خوش پوش آدمی جگہ کی تنگی سے پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، کسی نے اس کی طرف توجہ ہی نہ دی، مستری محفل کی جان بنا ہوا تھا، اس کے ہونٹوں پر تبسم تھا، وہ دھیمے دھیمے باتیں کر رہا تھا اور مسافر قہقہے لگا رہے تھے، اس کے مقابلے میں خوش شکل اور خوش لباس آدمی سب کو حقارت سے دیکھ رہا تھا۔

یہ شخصیت کا کرشمہ تھا، ایک نے اپنی اصل شخصیت کو مصنوعی شخصیت یعنی سوٹ بوٹ اور چہرے کی اچھی رنگت میں چھپا رکھا تھا اور دوسرے نے چہرے کی زردی اور غریبانہ لباس میں، اصل شخصیت ایسی چیز ہے جسے نہ مخمل میں چھپایا جاسکتا ہے نہ ٹاٹ میں...... یہ درست ہے کہ چہرہ اور لباس دوسروں پر فوری طور پر ایک اثر پیدا کرتا ہے، لیکن یہ اثر دیرپا نہیں ہوسکتا، شخصیت کی اصلیت از خود سامنے آجاتی ہے، آپ نے کئی آدمیوں کو کسی کے متعلق یہ کہتے سنا ہوگا۔ ''وہ آدمی بظاہر جاہل اور گنوار ہے، لیکن میں اس کی کسی بات کو ٹال نہیں سکتا، وہ جو کچھ کہتا ہے میں مان لیتا ہوں۔'' یہ دراصل اس آدمی کی شخصیت کی تعریف ہو رہی ہوتی ہے۔

خوبصورتی، قیمتی اور جدید لباس، تعلیمی ڈگریوں، کار اور کوٹھی، عہدے اور رتبے اونچی ذات اور سرکاری خطابات سے شخصیت نہیں بنتی، شخصیت کے ساتھ ان چیزوں کا تعلق دور پار کا بھی نہیں ہوتا، شخصیت ایک اندرونی قوت ہے جسے دوسرے دیکھ نہیں سکتے، بلکہ محسوس کرتے ہیں، اگر آپ خوبرو ہیں اور آپ کی اندرونی دنیا میں نفرت بھری پڑی ہے تو وہ آپ کی خوبروئی کا تمام تر اثر زائل کردے گی۔

شخصیت اور کردار چار عناصر کا مرکب ہوتے ہیں، گھر کے اثرات، مدرسے کے اثرات، گردو پیش، یعنی سوسائٹی کے اثرات اور انسان کا اپنا ردعمل...... اگر آپ کسی کو دوست نہیں بنا سکتے اور لوگ آپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی شخصیت غلط اثرات سے متشکل ہوئی ہے، یہ اثرات انسان کے چہرے مہرے پر کم ہوتے ہیں، ان کا اظہار کردار اور گفتار سے ہوتا ہے یا انسان کے سلوک اور برتاؤ سے۔

شخصیت بدل سکتی ہے:...... کچھ عرصے پہلے تک کہا جاتا رہا ہے کہ انسان کی شخصیت جس سانچے میں میں ڈھل گئی بس ہمیشہ کے لئے ڈھل گئی، اسے بدلا ہی نہیں جاسکتا لیکن اب ماہرین نفسیات نے تجربات کی روشنی میں فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ محض مفروضہ ہے اور بے بنیاد بات ہے، شخصیت کو انسان اپنی کوششوں سے بدل سکتا ہے اور منفی اثرات سے آزاد ہو کر نیا انسان بن سکتا ہے۔

معاشرے کے احوال و کوائف کچھ ایسی غیر یقینی اور ناگفتہ بہ صورت اختیار کر گئے ہیں کہ عام شہری باعزت زندگی بسر کرنے کی جدوجہد میں اپنی اصل شکل وصورت یعنی شخصیت بگاڑ بیٹھے ہیں، ہونٹوں سے مسکراہٹیں اور گھروں سے مسرتیں غائب ہوگئی ہیں، لوگ ایک دوسرے کو شکی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، خلوص اور دیانتداری ناپید ہوگئی ہے۔

ہمیں انہی حالات میں اپنی ان ڈھکی چھپی خوبیوں کو ابھارنا ہے جو معاشرتی افراتفری اور قباحتوں کے زہر کو کم کرسکتی ہیں، یقین جانئے کہ یہی انفرادی خوبیاں ایک نہ ایک دن اجتماعی قوت بن کر معاشرے کو سدھار لیں گی اور نفسا نفسی کی کیفیت ختم ہوجائے گی۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ اسی معاشرے میں آپ کو ایسے افراد نظر آئیں گے جو معاشی بدحالی اور جذباتی خلفشار کا شکار ہونے کے باوجود شگفتہ مزاج ہیں، بلکہ دوسروں کے منظور نظر، آپ بھی اپنی شخصیت میں یہ مقناطیسی قوت پیدا کرسکتے ہیں، آپ کو کسی ماہر نفسیات کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، خود ہی ہمت کیجئے، پھر اس کے نتائج دیکھئے، آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔

اپنے دوستوں، پڑوسیوں اور اپنے ساتھ کام کرنے والوں میں دو چار ایسے آدمیوں کو منتخب کرلیں جنہیں ہر کوئی پسند کرتا ہے، اس فہرست میں خوشامدیوں کو شامل نہ کیجئے، خوشامدی بے شک منظور نظر ہوتے ہیں مگر یہ ایک قبیح عادت ہے، اس عادت سے بچیئے ورنہ ایک دو افسروں کو خوش کرتے کرتے آپ اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی نظروں میں قابل نفرت انسان بن جائیں گے، ان آدمیوں کو منتخب کریں جو خوشامد کے بغیر مقبول اور ہر دلعزیز ہیں ان کی عادات اور طور طریقوں کا جائزہ لیجئے اور دیکھئے کہ ان میں وہ کون سے اوصاف ہیں جو دوسروں کا دل موہ لیتے ہیں۔

آپ کو ان میں یہ اوصاف نظر آئیں گے......

تندرستی، شگفتہ مزاجی، اخلاقی جرات، خود اعتمادی، کام اور فرض کی لگن، اُنس، ہمدردی، دوسروں کی ہر بات کو پوری توجہ سے سننا، دوسروں کے ذاتی مسائل اور تفکرات میں دلچسپی لینا، تحمل، بردباری، خوش ذوقی، دوسروں پر اپنی رائے نہ ٹھونسنا، اپنے ذوق کو دوسروں کے ذوق پر فوقیت نہ دینا، زود پشیمانی سے گریز اور غیبت نہ کرنا، یہ تمام اوصاف احساس کمتری کو ختم کر کے خود اعتمادی پیدا کرتے ہیں اور یہی آپ کی بنیادی ضرورت ہے۔

آپ اپنا جائزہ لیجئے، دیانتداری سے دیکھئے کہ آپ میں یہ اوصاف موجود ہیں یا نہیں؟ جی ہاں! اوصاف تو یقیناً موجود ہیں لیکن آپ نے انہیں دبا رکھا ہے، ان اوصاف پر آپ نے افسردگی اور شکست کا رنگ چڑھا رکھا ہے جب کوئی پڑوسی آپ کو اپنی کسی تکلیف کی تفصیلات سنانے لگتا ہے تو آپ کے چہرے پر اکتاہٹ چھا جاتی ہے یا پھر اس کی بات کاٹ کر آپ اپنی رام کہانی شروع کردیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ آپ کو بیکار اور گودا انسان سمجھ کر آپ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، اس سے آپ کے احساس کمتری کو زیادہ تقویت ملتی ہے...... ☆

ویسے تو سب خیریت ہے

ابن انشاء

ایک شخص کے پاؤں کے انگوٹھے پر ایک گومڑ نکل آیا تھا، کسی نے کہا، اسپتال جا کر اسے کٹوا دو، معمولی سا آپریشن ہوگا، پس وہ اسپتال چلا گیا، آپریشن کے لئے اسے بے ہوش کرنے کی دوا دی گئی جس سے اس کو دل کا دورہ پڑ گیا، اسے آکسیجن ٹینٹ میں رکھا گیا جس میں ہڈیوں کی سوزش کے جراثیم پہلے سے موجود تھے، چنانچہ اسے وہ بیماری لگ گئی، اسے اسٹریچر پر لئے جا رہے تھے کہ اسٹریچر الٹ گیا جس سے اس کی ٹانگ اور پسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اس ضرب سے اس کو دل کا ایک اور دورہ پڑ گیا، تادم تحریر وہ اس عالم میں ہے کہ اس کے ایک نلکی سانس لینے کے لئے لگی ہے، ایک نلکی پیشاب خارج کرنے کے لئے، ٹانگ پلاسٹر میں جکڑی ہے اور بازو پٹی میں بندھا گلے کا ہار ہو رہا ہے، اب رہا وہ گومڑ، تو اسے سب بھول گئے ہیں، وہ جہاں تھا، وہ وہیں ہے۔

یہ خبر ارجنٹائن کی ہے اور کسی اور کے بارے میں ہے لیکن یہ یہاں کی بھی ہو سکتی ہے اور ہم خوش قسمت نہ ہوتے تو ہمارے بارے میں بھی ہو سکتی تھی کیونکہ اپنی ٹانگ کو لئے لئے ہم ایک مقامی اسپتال میں بھی ہو آئے ہیں، جہاں ہر کوئی ہر کسی سے شاکی تھا، زیادہ تفصیل میں اس لئے نہیں جاتے کہ ہمیں تجربے نے بتا دیا ہے کہ کبھی اسپتالوں کے بارے میں نہیں لکھنا چاہئے، کسی حاکم وقت کے بارے میں نہیں لکھنا چاہئے، بلکہ جیسا کہ قدرت اللہ شہاب کے مشہور افسانے ''رپورٹ پٹواری مفصل ہے'' میں ہے، کسی پٹواری کے بارے میں لکھنے کی حماقت نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ پھر کر واسطہ انہیں لوگوں سے پڑنا ہوتا ہے، شہاب صاحب کے سائل نے جس کی زمین پٹواری نے کسی اور کے کھاتے میں ڈال دی تھی، شکایت تو گورنر کے نام بھیجی تھی، انہوں نے اپنے سیکریٹری کو برائے ضروری کارروائی بھیج دی، سیکریٹری نے کمشنر کو، کمشنر نے ڈپٹی کمشنر کو، ڈپٹی کمشنر نے تحصیل دار کو اور تحصیل دار نے اسی پٹواری کو منتقل کر دی کہ اس پر ''ضروری کارروائی کی جائے'' پٹواری نے درخواست دہندہ کو بلایا، ایک جوتا لگاتا تھا اور درخواست دکھاتا تھا اور جوتا لگاتا تھا کہ اور دے درخواست گورنر کو، بڑا آیا ہماری شکایتیں کرنے والا، اس ''ضروری کارروائی'' کے بعد درخواست یہ لکھ کر گورنر صاحب کو لوٹا دی کہ ''مناسب تحقیق کی گئی، مدعی جھوٹا ہے، جھوٹی درخواستیں دینے کا عادی ہے، شکایت داخل دفتر کی جائے۔''

ہم کوئی دس دن سے اپنی ٹانگ سمیت بستر پر پڑے ہیں، ہمارے دوست ڈاکٹر منیر الحق ہمیں دیکھ جاتے ہیں اور دلاسا دیتے ہیں کہ ''چند روز اور میری جان، فقط چند ہی روز۔'' انہوں نے نصیحت بھی کی کہ پرائے پھڈے میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے، ہم نے کہا، ڈاکٹر صاحب ہم نے نہیں اڑائی، لیکن اگر پرایا پھڈا خود آ کر ہماری ٹانگ میں اڑ جائے تو کیا کر سکتے ہیں۔

ایک اور دوست نے فرمایا: ''یہ جو تم دعوے کرتے پھرتے ہو کہ تم کو دولت مل رہی تھی، تم نے اس پر لات مار دی، کوئی بڑا عہدہ مل رہا تھا، اس پر لات مار دی تو ایسے کاموں کا تو یہی نتیجہ ہوتا ہے۔''

ہم نے کہا: ''نہیں صاحب! یہ بات نہیں، زبان سے کہنے کی بات اور ہے، ہم عزت، شہرت یا عہدے پر لات مارنے والے آدمی نہیں ہیں، بات فقط اتنی ہے کہ 31 جنوری کو ریڈیو پاکستان کے سامنے ٹیکسی لینے کے لئے ہم سڑک پار کر رہے تھے کہ غلط سائیڈ سے آ کر ٹیلی فون کے محکمے کی ایک جیپ نے ہمیں ٹکر مار دی اور دور اچھال دیا، رپورٹ ہم نے اس لئے نہیں کی کہ اس مقام پر جہاں پانچ طرف سے ٹریفک آتا ہے اور سڑک عبور کرنے میں پندرہ منٹ لگتے ہیں، نہ کوئی زیبرا کراسنگ ہے، نہ کوئی ٹریفک کا آدمی ہوتا ہے، ہوتا بھی تو رپورٹ کا کچھ مقام نہ تھا، قصور ہمارا تھا، ہم کیوں گھر سے باہر نکلتے ہیں، الٹا ہم نے جیپ کا شکریہ ادا کیا کہ ہمیں زندہ رہنے دیا، خبر اس واردات کی اس لئے کسی کو نہ ہوئی کہ ہمارے شہر میں اگر کوئی گاڑی کسی آدمی کو ٹکر مار دے تو یہ خبر نہیں ہے، ہاں کوئی آدمی کسی گاڑی کو ٹکر مارے تو خبر بنتی ہے۔''

☆......☆......☆

عباسی شہید اسپتال بہت بڑا عالی شان اسپتال ہے، وہاں کے ڈاکٹروں نے ہمیں پہچان کر ہماری طرف خاطر خواہ توجہ دی، لیکن اسپتال صرف سنگ و خشت نہیں ہوتا۔

ایکسرے کرنے والا آدمی پون گھنٹے کی تلاش کے بعد ملا اور ملا تو ہم سے ایمرجنسی کی فیس چارج کی، لیبارٹری کا نظام جیسا اس اسپتال میں ہونا چاہئے، ویسا نہیں ہے، ماہر ڈاکٹروں کی بھی کمی ہے، ہمارا خیال تھا کہ اتنے بڑے علاقے کے لئے اتنا بڑا اسپتال بنا ہے تو کچھ ماہرین جناح اسپتال اور سول اسپتال سے یہاں منتقل کر دیئے جائیں گے لیکن معلوم ہوا کہ جناح اسپتال مرکزی حکومت کا ہے، سول اسپتال صوبائی حکومت کا اور عباسی اسپتال میونسپل کارپوریشن کا، یہاں اکثر ڈاکٹر نئے ہیں، بعض تو شاید اسی سال فارغ التحصیل ہوئے ہیں، تجربہ کم رکھتے ہیں لیکن ایک صاحب نے کہا کہ ''چند سال چیر پھاڑ کرتے رہیں گے اور دوائیں آزماتے رہیں گے تو ان کو بھی تجربہ ہو جائے گا، انسان گاتے گاتے ہی کلاونت ہوتا ہے۔'' ویسے ان طالب علم نما ڈاکٹروں کو دیکھ کر ہمیں وہ مریض یاد آیا جو آپریشن ٹیبل پر لیٹا تو کہنے لگا۔

''ڈاکٹر صاحب! مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے کیونکہ یہ میرا پہلا آپریشن ہے۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، میرا بھی تو یہ پہلا آپریشن ہے، میں کوئی گھبرا رہا ہوں؟''

☆......☆......☆

ویسے تو ہم خیریت سے ہیں، لیکن اس تقریب سے بستر پر پڑے سارا سارا دن یہ سوچتے رہے ہیں کہ اپنے اہل وطن کی کس طرح خدمت کر سکتے ہیں اور ہمارے اہل وطن ہماری کیا خدمت کر سکتے ہیں، چونکہ ہم مشرقی تہذیب کے آدمی ہیں۔ ''پہلے آپ'' کے قائل ہیں، لہٰذا اس معاملے میں بھی پہل کرنے کا موقع اہل وطن ہی کو دینا چاہئے۔

قومی خدمت کا جذبہ ہم میں ایک تو فراغت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، کچھ یار عزیز الحاج جمیل الدین عالی کی صحبت سے جو ہمیں برابر دیکھنے آتے رہے ہیں، حج کرنے کے بعد سے ہم ان میں نمایاں فرق دیکھ رہے ہیں، لہو ولعب کی طرف ان کو رغبت مطلق نہیں رہی، خیالات فاسدہ ان میں پہلے بھی نہیں تھے، اب تو اور بھی نہیں رہے، غزلوں، دوہوں کو ''لاحاصل'' قرار دے کر انہوں نے عزم کیا ہے کہ آئندہ صرف قوالوں کی فرمائش پر گراموفون کمپنیوں کے لئے لکھا کریں گے، ایک ایسی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس سے دنیا بالکل ٹھیک ہو جائے، ہر طرف عربی ہی عربی رائج ہو جائے اور مسلمانوں میں کسی قسم کی کوئی خرابی باقی نہ رہے، تبلیغی تقریریں اس جذبے سے کرتے ہیں کہ بے اختیار جی چاہتا ہے، ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیں پھر خیال آتا ہے کہ ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔

شادی کیسے ہو سادی، یہ سوچا نہیں

قسط نمبر 1

ام حیات ہنگورا

''میرا نام صبا فاروقی ہے۔'' خاتون نے آتے ہی تعارف کرایا۔

''جی صبا فرمائیے، کیا مسئلہ ہے۔'' میں نے مسکرا کر سوال کیا۔

''مسئلہ'' وہ رکی، پھر بولی۔ ''مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک پڑھی لکھی خاتون ہوں اور میرے الحمدللہ دو بچے ہیں، ساتھ ہی میں رشتے بھی کرواتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''رشتے کرواتی ہیں۔'' میں نے دہرایا، کیونکہ صبا ایک باپردہ خاتون تھیں۔

''جی اپنے گھر پر ہی میں یہ کام کرتی ہوں، میرے شوہر بضد ہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں جبکہ میں یہ کام چھوڑنا نہیں چاہتی، چونکہ میرا مقصد نیک ہے، اس لئے میں لوگوں کے رویوں سے تنگ آ کر اپنا یہ سلسلہ ختم نہیں کرسکتی، یہ مسئلہ اتنی شدید نوعیت اختیار کرچکا ہے کہ میرے میاں کو مجھے لے کر یہاں آنا ہی پڑا۔'' اب وہ تھوڑا مسکرائیں۔

''اپنے کام کی نوعیت، اس کی شروعات اور چھوڑنے کے لئے زور دینے کی وجوہات تفصیل سے بتائیے۔'' میں نے نوٹ بک کھول لی۔

''یہ آج سے تقریباً تین سے چار سال پرانی بات ہے کہ میری فرسٹ کزن نے اپنے بیٹے کے لئے مجھے کوئی مناسب لڑکی دکھانے کے لئے کہا، میں نے اپنے ہی احباب کی لڑکی ریفر کردی، بس الحمدللہ رشتہ طے پا گیا اور اس کے بعد سے خاندان ہی میں یہ سلسلہ شروع ہوا جو آہستہ آہستہ خاندان سے نکل کر دوست برادری اور پڑوس تک چلا گیا، ہم اپنے اصلاحی احوال کے لئے تبلیغی جماعت سے جڑتے ہیں تو وہاں پر بھی شادی بیاہ کے سلسلے میں عورتیں اپنے بچوں کے لئے مجھ سے رجوع کرنے لگیں، شروع میں تو کوئی خاص مسئلے مسائل نہیں ہوئے، مگر اب جو مسائل کی نوعیتیں ہیں، اس سے میرے شوہر احمد فاروقی کی طبیعت اچاٹ ہوچکی ہے جبکہ میں بھی اکثر لوگوں کے رویوں سے تنگ آچکی ہوں اور یہ چاہتے ہیں کہ میں یہ سلسلہ ہی ختم کردوں، اتنے رشتے کروائے تو کچھ رشتوں کا اختتام اچھا نہیں بھی ہوا، کبھی منگنیاں ختم ہوئیں اور کبھی شادیاں۔ میری نیت تو اچھی تھی، مگر پھر بھی الزام سہنے پڑے جو احمد صاحب کی طبیعت کو گراں گزرے، اب احمد صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنا نفسیاتی علاج کرواؤں کہ اتنی ذلت اور ذہنی اذیت کے

بعد بھی میں یہ کام جاری رکھنا چاہتی ہوں اور جو کچھ میں ان کے سمجھانے کے باوجود سمجھ نہیں پا رہی تو شاید کسی اور کے کہنے پر سمجھ جاؤں، اس کے علاوہ جو میں احمد صاحب کے ساتھ شیئر نہیں کرسکتی، وہ بھی شیئر کرلوں، تاکہ جو میرا پوائنٹ آف ویو ہے، وہ کلیئر ہوجائے۔'' اس نے بات مکمل کر کے ٹھنڈی آہ بھری۔

''فیس کتنی لیتی ہو صبا۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہ جی نہ، بالکل نہیں لیتی۔ رشتہ طے پا جائے تو لڑکے یا لڑکی والے خوشی سے مٹھائی وغیرہ دے جاتے ہیں، میں یہ کام صرف نیکی کی وجہ سے کر رہی ہوں۔'' اس نے یاددہانی کروائی۔

''غلط کر رہی ہو صبا۔ فیس تو لینی چاہئے تھی، تھوڑی ہی سہی۔'' میں نے مسکرا کر سمجھایا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ ڈاکٹر۔ آپ کا نام جاننا چاہوں گی، ڈاکٹر کہہ کر تو مزا نہیں آئے گا۔'' صبا نے مسکرا کر کہا۔

''فردوس نام ہے میرا۔'' میں جواباً بولی۔

''ماشاء اللہ اچھا نام ہے، آپ کی شادی ہوگئی ہے۔'' اب اس نے سوال پوچھ کر مجھے گڑبڑا دیا۔

''کیا مطلب ہے صبا۔'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''وہ ایک بہت اچھا رشتہ ہے میری نظر میں۔'' وہ گڑبڑا کر بولی۔

''صباااا''...... کہہ کر میں نے اسے گھورا۔

''جی'' وہ تھوڑی شرمندہ ہوئی۔

''میں نے بھی یہ پروفیشن صرف خلق خدا کی خدمت کے لئے اپنایا ہے، میرے ماشاء اللہ چار بچے ہیں۔'' میں نے جواباً کہا۔

''شادی شدہ خواتین کے لئے کام کرنا مشکل ہے ناں، اس لئے پوچھا تھا۔'' اب اس نے وضاحت دی۔

''صحیح کہہ رہی ہو صبا، اللہ نے عورت کو ویسے بھی کمزور بنایا ہے، سورہ النساء میں آیت نمبر ۳۴ میں اس کا تفصیلی ذکر ہے جبکہ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بارے میں مردوں سے فرمایا کہ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمزور بنایا ہے اور پھر عام مشاہدہ ہے کہ جب وہ گھر کے علاوہ باہر کی ذمہ داری سنبھالتی ہے تو گھر کی گاڑی ڈگمگانے لگتی ہے، مگر کیا کیا جائے، یہ عالم شوق کا''...... میں نے مسکرا کر مصرعہ پڑھا اور پھر آگے کہنے لگی۔ ''میں دو سے تین گھنٹے ہفتے میں پانچ دن کلینک کرتی ہوں، وہ بھی اس لئے کہ کلینک میرے گھر کے پورشن میں ہی ہے۔'' میں نے بات مکمل کی۔

''مگر وہ جو بے چاری مجبوراً گھر سے نکلتی ہیں، وہ تو مستثنیٰ ہیں ناں۔'' وہ جواباً بولیں۔

''وہ کہاں خیال کرتی ہیں، پردے دار ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ جس طرح عورتیں گھر سے باہر نکلتی ہیں، اس حالت میں شوہر کے سامنے تو نہیں رہتیں، اب خود کو فریش ظاہر کرنے کے لئے میک اپ کر کے نکلتی ہیں، اول تو پردے کے بغیر اور ساتھ میں لوازمات۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت میں آجاتی ہیں۔ پردے کے مکمل احکامات کا ذکر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قرآن پاک کی سورہ نور اور احزاب میں کر رہا ہے، مگر افسوس!'' میں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''یہ تو ہمارے معاشرے کا المیہ ہے فردوس جی، علامہ اقبال نے بھی کیا خوب کہا تھا کہ ''یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود'' صبا بھی جواباً افسردہ ہوگئی۔

''موضوع سے ہم ہٹ گئے ہیں شاید۔'' میں نے توجہ دلائی۔

''ہاں جی ''اور بھی غم ہیں زمانے میں''...... کیوں فردوس جی۔'' وہ بذلہ سنجی سے بولی۔

''اچھا اب تم تسلی سے مجھے بتاؤ، تاکہ میں تمہاری الجھنوں کو سلجھانے کی کوشش کروں۔'' میں نے اس سے کہا۔

”میری ایک سسرالی عزیزہ نے مجھ سے اپنی بیٹی کے لئے رشتہ دکھانے کے لئے کہا، میں جو رشتہ بتاتی، ان کو ہر میں اعتراض ہوتا، ان کی بیٹی میٹرک پاس تھی، مگر خوبصورت اور اکلوتی تھی جبکہ ان کو داماد نہ صرف خوش شکل، بلکہ اکلوتا اور پڑھا لکھا چاہئے تھا، ظاہر ہے ہر چیز تو کسی کو بھی نہیں ملتی اور اس پر فرمائش یہ کہ نندیں بھی نہ ہوں، نند کو تو وہ ”گند“ کہتی تھیں، ان کی باتیں سن کر میری جان جل جاتی تھی، ایک بہت ہی اچھا رشتہ بتایا ان کو، اس وقت انہوں نے انکار کر دیا، اتفاق سے وہاں میری بہن کی بیٹی کی بات طے ہوگئی اور یہ میرے لئے شامت اعمال بن گئی کہ ہم کو تو ایسا نہیں بتایا، بہر حال اس بچی کا بھی رشتہ کروا دیا مگر وہ چند ماہ بعد اپنی والدہ کے گھر واپس آگئیں اور یہ میرا قصور ٹھہرا اور یہ پہلی دفعہ میرے ساتھ ایسا ہوا، یقین کریں فردوس مجھے کتنے دن تک نیند نہیں آئی، وجہ طلاق لڑکی کی آرام پسندی تھی، گھر نہ بسا سکی بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے، صورت چند دن کی اور سیرت عمر بھر کی ہوتی ہے، مگر نہ جانے رشتے طے کرتے وقت اچھے اچھوں کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔“ صبا نے طنزیہ بات مکمل کی۔

”بات تو ٹھیک ہے اور یہ سب زندگی کے ساتھ کی چیزیں ہیں، تمہارا ابھی دینی مجالس میں آنا جانا ہے، اچھائی برائی کا تم کو بھی اندازہ ہے۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔ ”اب جو میں کہتی ہوں، وہ تم کرو کہ تم جو کچھ بھی سنتی ہو، اس کو لکھ لیا کرو اور پھر اس کو اپنے دماغ سے نکال دو، نہ اس کو گھر میں ڈسکس کرو۔“

”مگر فردوس“ صبا نے میری بات کاٹی تو میں نے اس کو کہا کہ ”پہلے میری بات پوری ہونے دو صبا، اس بات کو ذہن نشین کرلو کہ تم کو گھر میں اپنے شوہر سے بھی ان معاملات کو شیئر نہیں کرنا، ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ تم نے کیا اصول متعین کئے ہیں جن کی بنیاد پر تم رشتے طے کرواتی ہو۔“ میں نے اس سے سوال کیا۔

”اصول تو کچھ بھی نہیں۔“ وہ سوچ کر بولی۔

”اور تم فیس بھی نہیں لیتیں۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”توبہ کریں جی، بغیر فیس کے لوگوں نے یہ حال کیا ہے تو فیس لے کر تو میرا جوس ہی نکال لیں گے۔“ وہ تھوڑا مسکرائی اور پھر مجھ سے پوچھنے لگیں۔ ”کیا آپ کو معلوم ہے کہ میمن کمیونٹی میں ایک جماعت ہوتی ہے بانٹوا میمن، وہاں پر فیس لے کر رشتے طے کروائے جاتے ہیں۔“

”کچھ سنا تو ہے۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”وہاں لاکھوں روپے لے کر رشتے کروائے جاتے ہیں، اس طرح وہ اپنی بیٹیوں کو گھر، سامان کے ساتھ رخصت کرتے ہیں اور سوئی سے لے کر سارے گھر کے ساز و سامان کا انتظام لڑکی کے والدین کے ذمہ ہوتا ہے۔“ اس نے میری معلومات میں اضافہ کیا۔ ”تو کیا یہ اچھی بات ہے۔“ میں نے اس سے پوچھا۔

”ٹھیک ہے یہ سب غلط بھی ہے اور زیادتی بھی، مگر مجھے اتنا بھی پتہ ہے کہ اگر رشتے ٹوٹ جائیں تو بھی کوئی ان رشتہ کروانے والیوں کو بلیم نہیں کرتا بلکہ جس کی غرض ہوتی ہے وہ اس کی لاکھوں کی فیس ادا کرتا ہے اور جوان کو برا بھلا بول رہا ہوتا ہے، وہ اپنے وقت پر انہی سے رجوع کرتا ہے۔“ وہ بولی۔ ”اسی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، یعنی جب تک برائی دوسرا کرے تو ہم اس کو برا ہی بولتے ہیں، مگر جب ہم کو وہی برائی کرنی پڑے تو ہم شرمندہ بھی نہیں ہوتے اور تاویلیں دینے لگتے ہیں۔“ میں نے اس کو سمجھایا۔

یہ بھی صحیح کہہ رہی ہیں آپ، مجھے یاد آرہا ہے کہ میری خالہ زاد بہن نے جب اپنی بیٹی کی شادی پر بیٹی کے سسرال والوں کو سونے کے سیٹ تحائف میں دیئے، تو میری پھوپھی زاد نے اس کو خوب برا بھلا کہا کہ لوگوں کی بچیوں کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہیں اور جب انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی کی تو فردوس انہوں نے سونے کے کڑے پہنائیوں میں دیئے، حد ہوگئی۔“ وہ جلے ہوئے انداز میں بولی۔

”میں تم کو فیس کے بابت اس لئے کہہ رہی ہوں کہ ہمارے معاشرے میں مفت جو اپنی خدمات پیش کرے، اس کی کوئی قدر نہیں کی جاتی، مثال کے طور پر اگر ساس بیمار ہے اور بہو خدمت کرے تو بہو کو ہی لتاڑا جاتا ہے، اگر وہ مشورہ بھی دے تو قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا اور یہ کام اگر نرس کر رہی ہو تو وہ کس طرح ہینڈل کرتی ہے، حالانکہ وہ اس کام کے پیسے لے رہی ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح ہم اسکولوں میں فیسوں کی مد میں ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں اور کبھی ہم کو اسکول کا ناغہ کروانا پڑ جائے تو ہم سو بار سوچیں گے، اس طرح مدرسے والے بغیر فیس کے پڑھاتے ہیں تو ہم کو بچوں کے سبق کے ناغے کی کوئی فکر نہیں ہوتی اور جب ہمارا جی چاہتا ہے، ہم بچوں کی چھٹی کروا دیتے ہیں۔“ میں نے سمجھایا۔

”بات سمجھ میں آرہی ہے یعنی جب جیب سے پیسہ نکلے گا تو قدر ہوگی۔“ صبا مسکراتے ہوئے بولی۔

”میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم رشتے طے کروانے پر کچھ پیسے لو بلکہ جب لڑکے والوں کو کسی کے گھر کے جانے کا کہو تو اس وزٹ کے پیسے مقرر کرو تاکہ وہ اپنے گھومنے پھرنے کا اور کھانے پینے کا شوق کہیں اور پورا کریں۔“ میں نے سمجھایا۔

”پھر لڑکی والوں کا کیا ہو۔“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”جو نخرے دکھائیں جیسا کہ تم نے اپنے کسی سسرالی عزیز کا بتایا، ان سے تو اچھے خاصے لو اور جو لوگ شریف النفس المعقول ہوں، ان کو اپنے حساب سے ہینڈل کرو، بہت کم لو یا اگر صاحب حیثیت ہوں بھی تو فیس لے لو اور پھر بچی کو شادی کا گفٹ انہی پیسوں سے دے دو اور یہ تم کو طریقہ سمجھ میں نہ آئے تو وہ تو تم اپنے شوہر سے بھی ڈسکس کر کے طے کر سکتی ہو، اسی طرح اگر تم کچھ اصول اور قاعدے بنا لو تو شروع میں تو یقیناً تم کو تکلیف ہوگی، مگر ہمیشہ کا آرام ہو جائے گا اور تم کو اس نیک کام کو جاری رکھنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی، تمہارے پاس اس کام کا کوئی لائحہ عمل Procedure نہیں ہے، اسی لئے تم کو پریشانی ہے۔“ میں نے بات مکمل کی۔

”مگر اس طرح تو میں۔“ میں نے اس کی بات کاٹی۔ ”غرض تم کو ہے یا ان کو۔“ میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”یقیناً ان لوگوں کو ہوتی ہے میں تو محض دو خاندان کے درمیان رابطہ ہی بنتی ہوں۔“ وہ بولی۔

”پھر تم کو چنداں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، جس کو غرض ہوگی، وہ سر کے بل آئے گا، تم نے بلاوجہ خود کو ہلکان کیا ہوا ہے، اب تم گھر جا کر سوچو کہ کس طرح کے اصول ہونے چاہئیں جو تمہارے لئے بہتر ہوں۔“ میں نے نوٹ بک بند کرتے ہوئے کہا۔

”مگر اس بے سکونی کا کیا کروں، جو بقول میرے شوہر کے میں نے سارے گھر پر طاری کر رکھی ہے۔“ وہ پوچھنے لگی۔

”تھوڑے دن کے لئے یہ سلسلہ روک دو، جو بھی تم سے کانٹیکٹ Contact کرے تو معذرت کرلو، کہہ دو بیمار ہوں، اس لئے وقت نہیں دے سکتی، بلکہ ایک مہینے کے لئے ہر کسی سے معذرت کرلو اور اس ایک مہینے میں اپنی سائیکی تھراپی کرواؤ اور مستقل میرے پاس آؤ، اللہ تعالیٰ بہتری کے اسباب پیدا کریں گے ان شاء اللہ۔ سکون آور گولیاں تو میں تم کو لکھ دیتی ہوں، مگر اس سے زیادہ سکون تم لاحول لا ولاقوۃ الا باللہ کی تسبیح میں پاؤ گی، صبح شام سو، سو دفعہ پڑھو اور چلتے پھرتے درود شریف کا ورد کرو، پھر اگلے ہفتے جو میں نے ہوم ورک دیا ہے اس کو کر کے آؤ، میں نے دوا کا نسخہ اس کی طرف بڑھایا۔“

”ٹھیک ہے فردوس جی، اگلے ہفتے ملتے ہیں۔“ صبا نسخہ پرس میں رکھ کر جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

☆......☆......☆

''کیسی ہو صبا؟'' میں نے اگلے اپائنمنٹ میں صبا کی اتری اتری صورت دیکھ کر پوچھا۔

''کچھ مت پوچھیں فردوس جی، احمد صاحب کے کہنے پر چھوڑ ہی دینا چاہئے اسی میں شاید آسانی ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

''کیا ہوگیا آخر بہت اپ سیٹ لگ رہی ہو۔'' میں بولی۔

''آپ نے جو کام بولا ہے، وہ بہت مشکل ہے۔'' وہ پھر گویا ہوئی۔

''اکثر مثبت نتائج نہ نکلیں تو یقیناً چھوڑ دینا، سب سے اولین ترجیح تو تمہارے لئے تمہارا اپنا ذہنی سکون ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لکھ کر لائی ہو۔'' میں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''جی وہ تو میں لائی ہوں، مگر میں آپ کو ایک بات بتانا تو اس دن بھول ہی گئی کہ میں اپنی ساس کے ساتھ رہتی ہوں اور جو باتیں میں شوہر سے کروں نہ کروں، اپنی ساس سے ضرور کرتی ہوں، اب اتنے سالوں سے ساتھ رہنے کی عادت ہے تو ایک دوسرے کو ہر بات بھی بتانے کی عادت ہے، اب ایک ہفتے سے میں نے ان سے ڈسکس نہیں کیا تو وہ بے چین ہیں، بار بار پوچھتی ہیں بہو تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے، میں نے ان کو یہ تو بتایا ہے کہ میں علاج کروا رہی ہوں، مگر یہ نہیں بتایا کہ آپ نے مجھے ڈسکس کرنے سے منع کیا ہے، نہ جانے وہ کیا سمجھیں۔'' اس نے اپنی پریشانی بتائی۔

''یہ تم نے ٹھیک کیا، جو ان کو یہ نہیں بتایا کہ ڈاکٹر نے بات کرنے سے منع کیا ہے، اگر تم بتا دیتیں تو وہ سمجھتیں کہ شاید مجھے ہی بتانے سے منع کیا ہے اور تم ان کا گمان دور کر بھی نہیں سکتی تھی۔'' میں نے اس کی بات سمجھ لی۔

''Exactly، آپ بالکل صحیح کہہ رہی ہیں وہ غلط ہی گمان کرتیں کہ نہ جانے ایسا کیا میں نے کہہ دیا ہے کہ میری ڈاکٹر نے مجھے ان سے بات کرنے سے منع کر دیا کیونکہ جو بھی ہے عام طور پر ساس، بہو کے رشتے کو ہینڈل کرنا کتنا مشکل ہے، اگر بہو سے غلطی ہو جائے تو اس کو ذلیل کرنے میں منٹ بھی نہ لگائیں اور بیٹی سے ہو جائے تو اس کو تب بھی پیار سے سمجھائیں، بہو کو ڈراتی ہیں اور بیٹی سے ڈرتی ہیں، کاش ساس بہو کو بھی بیٹی جانیں کاش!!!'' وہ ایک دم افسردہ ہوگئی۔

''ارے بھئی، بہت جذباتی ہو رہی ہو، یہ تو دنیا ہے اس میں اس طرح تو ہوتا رہتا ہے۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''بس جی لوگوں کی بدگمانیوں کو ہم کسی طرح دور نہیں کر سکتے۔'' اب وہ قدرے مسکرائی۔

''صحیح کہہ رہی ہو، ہم لوگ ایک دوسرے سے اتنی جلد بدگمان ہوتے ہیں، ذرا سی بات بری لگی اور تعلق ختم، جب کہ قرآن مجید میں سورہ حجرات کی آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''اے ایمان والوں بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگایا کرو۔'' جب کہ ہم مسلمان ایک دوسرے کی ہر وقت ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ بس کہیں سے بھی کسی کی کوئی غلطی مل جائے، پھر تو اس کی شامت، سارے رشتے ناطے ختم کر دیئے جاتے ہیں، شاید معاشرے کی خرابی کا ایک سبب یہ بھی ہے، ہمیں ہمارا مذہب ہی اپنے رشتے داروں سے حسن سلوک کا کہتا ہے، تب ہی نیک لوگ درگزر کرتے ہیں ورنہ تو لوگ شاید ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ ہوں۔'' میں نے پھر سمجھایا۔

''جی'' اب اس نے اتنا ہی کہا۔

''تمہاری ساس کو بھی دین کی سمجھ تو ہوگی۔'' میں موضوع کی طرف آئی۔

''مجھ سے زیادہ ہی ہے، الحمدللہ۔'' وہ بولی۔

''پھر وہ ان باتوں سے بچنے کی کوشش

نہیں کرتیں۔'' میں نے پوچھا۔

''فردوس جی، ہمارے گھر میں ٹی وی نہیں ہے، پورا دن فارغ ہوتی ہیں تو ہماری باتیں چلتی رہتی ہیں۔'' وہ بولی۔

''مگر غیبت ہو جاتی ہے۔'' میں نے پھر کہا۔

''عمل بہت مشکل کام ہے، حالانکہ ہم بھی تقریباً ہر بیان میں سنتے ہیں غیبت سے بچو، چغلی سے بچو، مگر یقین کریں ان بیانوں کے ختم ہونے کے بعد بھی ہم عورتیں وہیں پر یہی کر رہی ہوتی ہیں، کبھی مجھے بھی احساس ہوتا ہے، مگر پھر میں بھی۔'' وہ بولی۔

''عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔'' میں نے مسکرا کر مصرعہ پڑھا۔

''جنت بنانا کہاں آسان ہیں، اب شوہر کی برائی کرنا کتنا قبیح فعل ہے، مگر آپ کو پتہ ہے عورتیں کس طرح اپنے شوہروں کی برائی کرتی ہیں۔'' وہ نئے نکتے پر آگئی۔

''اچھا اس بحث کو چھوڑو، میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنے سارے پرپوزل کو فی الحال ملتوی کر دو گی، تو تم یہ کہہ کر بھی تو اپنی ساس سے پرسکون ہو سکتی تھیں کہ علاج کی وجہ سے ایک مہینے کے لئے سب کو منع کر دیا ہے۔'' میں نے اس سے پوچھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے آپ نے منع کیا تھا، مگر یہ جو رشتے طے پاتے ہیں، یہ ہفتوں اور مہینوں سلسلہ چلتا ہے، مگر ان کے متعلق باتیں تو تقریباً روز ہی ہوتی ہیں، ابھی تین رشتے تو ویسے بھی ایسے آئے ہوئے ہیں، اب میری ساس امی اس کے متعلق بھی بات کرتی تو میں ٹالتی کہ چھوڑیں تو ان کو ایک دو دفعہ تو محسوس نہیں ہوا، مگر پھر وہ ناراض ہونے لگیں، اب آپ تو میری سالوں کی محنت پر پانی پھیر دیں گی۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''شروع میں برا لگے گا پھر ان کی عادت ہو جائے گی۔ بزرگوں کو خوش کرنے اور بھی طریقے ہیں، خدا کو ناراض کر کے ان کو کتنے دن خوش کر لیں گی، خدمت سے خوش کریں، باتوں سے نہیں، کیونکہ دو بات کے بعد تیسری بات غیبت ہی ہو جاتی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر!'' وہ رکی، پھر بولی۔

''کچھ عرصے پہلے کی بات ہے، ہماری ایک عزیزہ کی بیٹی نے اپنی پسند سے شادی کر لی اور پھر اس کو طلاق ہوگئی، تو میں اور میری ساس اس پر بات کر رہے تھے، تو ایک لمحے تو میرے رونگٹے بھی کھڑے ہوگئے کہ یہ تو میری بیٹی کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا اور مجھے کسی کے متعلق بات کرنے کی کیا ضرورت ہے، مگر بات سے بات نکل گئی اور کافی دیر تک ہم اس کو برا بھلا کہتے رہے۔'' وہ خوفزدہ سی بولی۔

''کسی کو حقیر سمجھتے ہیں تو ہم ان کو برا بھلا کہتے ہیں اور جب ہم اس طرح کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر ہمیں بھی اس حال میں مبتلا کر دیتے ہیں، اسی لئے ''اللہ کہیں ہم کو بھی یہ دن نہ دکھائے۔'' ہم قابل حیرت پر بھی حیرت نہیں کرتے۔ یہ اصول ہونا چاہئے۔'' میں نے سمجھایا۔

''فردوس جی، اسی طرح رشتوں کے متعلق بات چیت پر غیبت ہو ہی جاتی ہے۔'' اب وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ اپنے غیبت کے بیان میں فرما رہے تھے کہ اگر ہم بس میں بیٹھے ہیں اور بس کا ڈرائیور گاڑی صحیح نہیں چلا رہا، اگر ہم اس کے پیچھے یہ کہیں کہ ڈرائیور اناڑی ہے تو یہ بھی غیبت میں شمار ہوگا، اب سوچ لیں کہ ہم صبح و شام غیبت میں گزار دیتے کس طرح کہ ہم کو پتہ ہی نہیں چلتا۔'' میں نے اس کو مثال دے کر سمجھایا۔

''پھر تو ہم اکثر اپنے عزیزوں کے گھر کھانا وغیرہ کھا کر آتے ہیں اور پھر ان میں برائی کرتے ہیں، ایسا پکایا تھا یا ایسا کھلا دیا، جیسا فقیروں کو کھلاتے ہیں، اف میری توبہ، فردوس جی، جب ہم بیان سنتے ہیں، اس کے بعد بھی ہمیں عمل کی توفیق نہیں ملتی، کیوں ہے ایسا کیوں ہے؟'' اب وہ قدرے جھنجلائی۔

''اصول متعین نہیں کئے ہم نے اس لئے۔'' میں

نے مسکرا کر کہا۔

"اصول کیسے اصول؟" وہ چونکی۔

"ہر چیز کو قاعدے اور طریقے سے کیا جاتا ہے، مگر جہاں دین کا معاملہ آتا ہے ہم گنجائش نکال لیتے ہیں، تقویٰ کو چھوڑ کر فتویٰ ڈھونڈتے ہیں، یہی چیز ہم کو عمل سے روکتی ہے، سننا، سنانا اچھا لگتا ہے، مگر عمل کے وقت اللہ تعالیٰ کی جگہ لوگوں کی خوشنودی کی فکر ہو جاتی ہے، اس طرح بیانوں میں جاتے ہیں تو نظر اللہ تعالیٰ کی جگہ اثبات پر ہوتی ہے، وہاں پر بھی اللہ تعالیٰ کو مانگنے کے بجائے دنیا ہی مانگتے ہیں، اولاد پڑھ لکھ کر کامیاب ہو جائے، روزی بڑھ جائے، رشتے مل جائیں، کبھی خدا سے خدا کو نہیں مانگتے، جس کی وجہ سے دنیا ہی کے رہتے ہیں، مالک کے نہیں بنتے، اپنی اصلاح کی فکر نہیں کرتے، البتہ دوسروں کی اصلاح کی فکر مکمل رہتی ہے، اسی طرح رشتہ داروں کو خوش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کے حقوق اللہ تعالیٰ ہی نے بتائے ہیں، اب آپ سوچو جہاں غیر شرعی شادیاں ہوں، وہاں جانا جائز ہے، نہیں نا، مگر انہی انہی محفلوں میں اچھے خاصے دیندار لوگ شامل ہوتے ہیں اور یہی وجہ بیان کریں گے کہ رشتہ داروں کے حقوق ہیں، اب چاہے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پامالی ہو، مگر یہ نفس کے بندے ہوتے ہیں، اللہ کے بندے نہیں ہوتے، اگر صرف یہ پردے دار خواتین اور سنت داڑھی رکھنے والے حضرات ان محفلوں سے اجتناب کر لیں تو آپ اس کے اثرات معاشرے میں محسوس کر سکتی ہیں، اسی طرح اگر ہم غیبت پر ایک دوسرے کو ٹوکنا شروع کر دیں تو سب کے لئے آسانی ہو جائے، حدیث شریف میں غیبت کو زنا سے اشد قرار دیا گیا ہے، مگر افسوس یہ کہ زبان کا چٹخارہ چھوٹتا نہیں، خود کو بدلتے نہیں، قرآن کو بدل دیتے ہیں۔" میں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی، میری باتیں سن کر صبا کافی دیر خاموش رہی۔

"صحیح کہہ رہی ہیں آپ، اس رشتے کرانے ہی کی وجہ سے مجھے بھی اکثر غیر شرعی شادیوں میں شرکت کرنی پڑی، حالانکہ میں پہلے نہیں جاتی تھی اور اصل جھگڑا ہی یہی ہمارے گھر کا ہے۔" وہ بولی۔

"یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ آپ نے اپنے اصول متعین نہیں کیے، اگر کیے ہوتے تو شاید آپ اتنی پریشان نہ ہوتیں، ٹائمنگ کیا رکھی ہوئی ہیں آپ نے اور دن وغیرہ متعین کیے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"کوئی ٹائمنگ نہیں، کوئی دن نہیں، اتوار تو اکثر و بیشتر اسی مصروفیت کی نظر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے احمد صاحب کا غصہ سوا نیزے پر رہنے لگا ہے، وہ کھل کر بولی۔

"افوہ۔" میں نے سر تھام لیا۔

"کیا آپ گائنو کی ڈاکٹر ہیں۔" میں نے سوال کیا۔

"جی کیا مطلب؟" وہ گڑبڑائیں۔

"اتوار والے دن اور وقت بے وقت تو ڈاکٹر اور خاص طور پر گائنی کی ڈاکٹر کو تنگ کیا جاتا ہے اور آپ کے شوہر کا غصہ ہونا تو لازمی ہے اور ان سب چیزوں نے آپ کے گھریلو سکون میں رخنہ ڈالا ہوا ہے، پھر آپ کے ساتھ آپ کی ساس بھی ہوتی ہیں، بچے کتنے بڑے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"دو بچے ہیں میرے، فاطمہ بارہ سال کی ہے، علی دس سال کا ہے۔" وہ جواباً بولیں۔

"ان کی کیا فیلنگز ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ عادی ہو چکے ہیں، پھر میں نے بتایا ناں کہ میری ساس بھی چونکہ ساتھ ہوتی ہیں تو مجھے اس کی وجہ سے بھی بڑا آرام ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں بہت مصروف ہوں، ورنہ دن میں دو تین فون تو عام سی بات ہے۔" وہ بولی۔

"آپ نے بچوں کے رویوں میں کوئی فرق نہیں پایا۔" میں نے پھر پوچھا۔

..........(جاری ہے)..........

گھر کہانی

اہلیہ محمد امان اللہ فاروقی



ایک ہی خاندان کے چار گھرانے، آپس میں مل کر رہ رہے تھے، بڑا صحن تھا، ایک کونے پر دو بھائی تھے، افضل اور اصغر، اور دوسرے دو تھے، ان کے بہن بہنوئی کی کل زمین ایک کنال تھی، دو دو کمرے سب نے بنا رکھے تھے اور صحن اکٹھا تھا، سب اپنے کمروں کے سامنے والے صحن میں گرمیوں میں سو جاتے تھے، آپس میں راضی تھے سب، تو دیواریں بھی نہ دی تھی درمیان میں، اب کافی عرصہ بعد بچوں کی جوانی دیکھ آپس میں ہی رشتے طے کرنے لگے، شامیر والدین کا اکلوتا تھا جبکہ باقی سب کے چار پانچ بچے تھے اور سارے خاندان والے شامیر کو بہت چاہتے تھے، وہ تھا بھی سلجھا ہوا، تعلیم یافتہ اور نوکری بھی واپڈا میں تھی، تو سب ہی اس کو بیٹی دینے کو تیار تھے، اب آپس میں بھائی مل گئے اور شامیر کے لئے نادیہ کا اور طارق کا رشتہ سلمیٰ سے طے کر دیا گیا اور سب ہی خاندان والے راضی تھے تو جلدی تاریخ طے ہو گئی، نکاح ایک ہفتہ بعد طے ہو گیا اور یوں دن گزر گئے، شادی کا دن آ گیا، سارے صحن میں رنگا رنگ جھالریاں تھی، چھوٹی چھوٹی بتیاں چمک رہی تھی اور ہم بھی دلہن دیکھنے چلے گئے، بڑی خوبصورت دونوں ہی دلہن بنی تھی، ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف وہ بٹھا دی گئی اور یوں شامیر نادیہ کے ساتھ مسکراتا ہوا کمرے میں چلا گیا اور ہم نے کسی سے سنا تھا کہ نادیہ خوش نہیں تھی اس رشتہ پر، وہ کسی دوسرے کزن کو پسند کرتی تھی، مگر باقی سب نے شامیر کو اس کی جوڑی بن کر نکاح کروا دیا، اب شادی کے چند دن بعد ہی وہ خبر پھر سنی کہ نادیہ خوش نہیں ہے، اگرچہ ایک ہی گھر میں اس کے ماں باپ بھی تھے اور ساس سسر بھی، مگر وہ یہ سمجھے بعد میں خوش ہو جائے گی، یوں کبھی جب ان کے گھر کا کوئی ذکر ہوتا تو سنا کرتے کہ اتنے ماہ گزر گئے وہ ابھی بھی خوش نہ ہو سکی، حالانکہ

دولت مال کی کمی کچھ بھی نہ تھی اور شامیر بھی کافی چیزیں گھر لاتا تھا سب خاندان والوں کو معلوم تھا، مگر وہ لڑکی نادیہ بس یہی کہتی، مجھے شامیر اچھا نہیں لگتا، آخر ایک دن شامیر نے بھی گھر میں سب کو کہا کہ اب نادیہ مجھے اپنا نہیں سمجھتی، باہر گھر سے میں ایک شامیر اس طرح ہوں کہ ایک بچہ بھی بڑا پیار کرتا ہے اور ہر بڑا بھی شامیر کو پیار کرتا ہے، مگر گھر آتا ہوں تو نادیہ نادیہ پکار کر تھک جاتا ہوں، مگر کبھی اس نے مجھے جواب دینا گوارا نہ کیا، میری گھر میں حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، دو سال ہونے والے ہیں، مگر نادیہ ابھی بھی مجھے قبول نہیں کر سکی، اس کے دل میں میری جگہ ہے ہی نہیں، شامیر رو رو کر بھی اسے نہ منا سکا تھا، اب ایک دن صبح ہی اعلان ہوا شامیر کی وفات ہو گئی، ہم بہت غمگین ہوئے اور چادر لے کر ان کے گھر گئے، گھر میں کہرام تھا، نادیہ کو دیکھا جو خاموش تھی، نہ زیادہ غم، نہ ہی خوشی، مگر ماں باپ بڑے پریشان، شامیر کی اولاد نہ تھی جبکہ اس کے ساتھ طارق کی شادی ہوئی، جس کے دو بچے بھی تھے، شامیر کو بجلی کا کرنٹ لگا تھا، وہ واپڈا کا ملازم تھا اور ایک دن صبح بجلی کے کھمبے پر تار درست کرنے گیا اور اچانک کرنٹ سے گرا اور وفات پا گیا، سب کو افسوس تھا کہ شامیر سب سے ہی ادب سے پیش آتا اور شاید نادیہ کو بھی بار بار کہتا تھا، نادیہ چند دن کی زندگی ہے خوشی سے گزارا کرو، آخر موت آنی ہے، وہ جب وفات پا گیا تو عدت کے دن گزارے نادیہ نے اور پھر اس کی پسند کا رشتہ آ گیا، وہ اپنے خالہ زاد نوید کو دی گئی اور چند ماہ بعد بڑی دھوم سے شادی تھی، مگر ہم نہ جا سکے، شامیر کے والدین پر کیا گزری، اللہ ہی جانتا ہے اور وہ نادیہ اب نادیہ نوید بن گئی تھی، بڑی محبت سے جو نوید کی خدمت کر کے اسے خوش رکھتی ہے اور اب وہ چار بچوں کی ماں بن چکی ہے، اب آپ بتائیں شامیر کو اور اس کے ماں باپ کو کیا ملا، ایک عورت گھر بسا بھی سکتی ہے اور اجاڑ بھی سکتی ہے، اب کس کو قصوروار بنائیں، نادیہ کو والدین کو یا......

☆......☆......☆

ایک بہترین مثال

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم ہے اور اس شخص کی جو اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم نہیں ہے، اس قوم کی سی ہے جو ایک جہاز میں بیٹھی ہو اور قرعہ اندازی سے منزلیں مقرر ہو گئی ہوں۔ بعض لوگ جہاز کے اوپر والے حصہ میں ہوں اور بعض نیچے والے حصہ میں ہوں، جب نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جہاز کے اوپر والے حصہ میں پانی لینے جاتے ہیں، اگر وہ یہ خیال کریں کہ ہمارے بار بار اوپر سے پانی نیچے لے جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس لئے ہم اپنے ہی حصے یعنی جہاز میں ایک سوراخ کر لیں، جس سے یہاں پانی ملتا رہے اور اوپر والوں کو ستانا نہ پڑے، اس صورت میں ان احمقوں کی تجویز کو وہ (اوپر والے) نہ روکیں اور خیال کریں کہ وہ جانیں اور ان کا کام ہمیں اس سے کیا واسطہ، تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہو جائے گا اور وہ دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کو روک دیں تو دونوں فریق ڈوبنے سے بچ جائیں گے۔ (ترمذی)

ایک ارشاد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ دریافت کیا گیا کہ ہم لوگ اس حالت میں تباہ و برباد ہو سکتے ہیں کہ ہمارے اندر متقی اور صلحاء حضرات موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں جب خباثت غالب آجائے۔ (فضائل تبلیغ)

(فاطمہ بنت فیصل، شادمان ٹاؤن، کراچی)



قارئین کرام سے گزارش ہے کہ صرف ایسے علمی اور معاشرتی سوال ارسال کریں جن کا تعلق عام زندگی سے ہو۔

☆......ذاتی نوعیت کے سوالات، شرم و حیا کے متعلق مسائل اور اختلافی مسائل بھیجنے سے گریز کریں، ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

☆......سوال مختصر اور جامع ہو، غیر ضروری طوالت سے اجتناب کریں۔

☆......تحریری صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔

☆......لفافے پر "آپ کے مسائل کا حل" لکھنا نہ بھولیں۔

ہر مسلمان کو کم از کم چار سورتیں یاد ہونی چاہئیں

سوال:......اگر کسی شخص کو صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص یاد ہو اور وہ ہر نماز میں یہ دونوں سورتیں ہی پڑھے تو اس سے نماز کے ثواب میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا؟ کیا اس طرح نماز ہو جاتی ہے؟ (صدیقہ فاطمہ، کراچی)

جواب:......سورۂ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں ایک ہی سورۃ پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کم سے کم چار سورتیں تو ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئیں، بلکہ ہر مسلمان کو پارۂ عم کا آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے اور جب تک (چار سورتیں) یاد نہ ہوں، ہر رکعت میں سورۂ اخلاص ہی پڑھ لیا کریں، نماز ہو جائے گی۔

☆......☆......☆

خواتین اور معلمات خاص ایام میں تلاوت کس طرح کریں؟

سوال:......خواتین اپنے خاص ایام میں قرآن شریف کی تلاوت کر سکتی ہیں یا نہیں؟ (ام وردہ، کراچی)

جواب:......خواتین کے لئے خاص ایام میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کو چھونا جائز نہیں، البتہ قرآن کی وہ آیات جو دعا اور اذکار کے طور پر پڑھی جاتی ہیں، ان کو دعا یا ذکر کے طور پر پڑھنا جائز ہے، مثلاً: کھانا شروع کرتے وقت "بسم اللہ" یا شکرانہ کے لئے "الحمدللہ" کہنا، یا کسی کی وفات کی خبر سن کر اناللہ پڑھنا، اسی طرح قرآن کے وہ کلمات جو کہ عام بول چال میں استعمال میں آجاتے ہیں، ان کا کہنا بھی جائز ہے۔

☆......☆......☆

سوال:......بعض معلمات جو کہ قاعدہ، ناظرہ یا حفظ کی تعلیم دیتی ہیں، کیا وہ اس وجہ سے کہ بچوں کی تعلیم کا حرج ہوگا، بچوں کو پڑھانے کے لئے قرآن شریف کی تلاوت کر سکتی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر تعلیم کا سلسلہ کس طرح جاری رکھا جائے؟

جواب:......قرآن کریم کی تعلیم دینے والی معلمات کے لئے بھی قرآن کریم کی تلاوت اور اس کو چھونا جائز نہیں، باقی یہ کہ تعلیم کا سلسلہ کس طرح جاری رکھا جائے؟ اس کے لئے فقہاء نے یہ طریقہ بتلایا ہے کہ وہ آیت قرآنی کلمہ کلمہ الگ الگ کر کے پڑھیں، مثلاً: الحمد......للہ......رب......العلمین۔ اس طرح معلمہ کے لئے قرآنی کلمات کے ہجے کرنا بھی جائز ہے۔

☆......☆......☆

سوال:......خواتین اپنے خاص ایام میں کسی شخص یا کیسٹ، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے تلاوت قرآن سن سکتی ہیں؟

جواب:......خواتین کے لئے خاص ایام میں تلاوت قرآن کی ممانعت تو حدیث شریف میں آئی ہے، لیکن قرآن سننے کی ممانعت نہیں آئی، لہٰذا ان خاص ایام میں کسی شخص سے یا ریڈیو اور کیسٹ وغیرہ سے تلاوت قرآن سننا جائز ہے۔

☆......☆......☆

عدت سے متعلق چند سوالات

سوال:......اسلام میں بنیادی طور پر عدت کا مقصد کیا ہے؟ (ثمرین، سرگودھا)

جواب:......عدت کا مقصد طلاق کی عدت میں بچے کی ولدیت کا تعین کرنا اور وفات کی عدت میں ولدیت کے تعین کے ساتھ شوہر کے ساتھ وابستگی کا ثبوت دینا ہے۔

☆......☆......☆

سوال:......عدت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی فرض ہے، واجب ہے یا سنت ہے؟ (ایضاً)

جواب:......عورت پر عدت گزارنا فرض ہے۔

☆......☆......☆

سوال:......عدت کی شرعی مدت کیا ہے اور یہ کس دن سے شمار کی جائے گی؟ (ایضاً)

کسی عورت پر عدت فرض ہونے کے دو سبب ہوسکتے ہیں۔ (۱) شوہر کے انتقال کی وجہ سے۔ (۲) شوہر اس کو طلاق دے کر فارغ کردے، اگر کسی عورت پر شوہر کے انتقال کی وجہ سے عدت فرض ہوجائے تو اگر شوہر کا انتقال قمری مہینے کی پہلی تاریخ میں ہوا ہو تو اس کے اعتبار سے چار ماہ دس دن عدت ہوگی۔ (خواہ مہینے ۲۹ دن کے ہوں یا ۳۰ دن کے) اور اگر پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور تاریخ کو انتقال ہوا تو دنوں کے حساب سے ۱۳۰ دن پورے کئے جائیں اور اگر شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے عدت فرض ہوجائے تو پھر عدت کی مدت ۳ حیض ہوگی اور اگر عورت حاملہ ہو تو مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں اس کی عدت وضع حمل (بچے کی ولادت) ہوگی۔

☆......☆......☆

سوال:......عدت کے ضروری احکام کیا ہیں؟ (ایضاً)

جواب:......(۱) عدت میں عورت کو بناؤ سنگھار کرنا، چوڑیاں پہننا، زیور پہننا، خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، سر پر تیل لگانا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، ریشمی، رنگین اور پھول دار خوبصورت کپڑے پہننا جائز نہیں، ایسے معمولی کپڑے پہنے جس میں زینت نہ ہو۔ (۲) سر دھونا اور نہانا، سر میں درد ہو تو تیل لگانا، ضرورت کے وقت موٹے دندانوں کی کنگھی کرنا جائز ہے، علاج کے طور پر سرمہ لگانا بھی جائز ہے، مگر رات کو لگائے، دن کو صاف کردے۔ (۳) عدت کے دوران گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر وہ اتنی غریب ہو کہ اس کے پاس گزارے کے لئے خرچ نہیں تو پردے کے ساتھ مزدوری کے لئے جاسکتی ہے، لیکن رات اپنے گھر آ کر گزارے اور دن میں کام سے فارغ ہو کر فوراً آجائے، بلا ضرورت باہر رہنا جائز نہیں۔ (۴) اسی طرح اگر بیمار ہوجائے تو علاج کی مجبوری سے حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جانا بھی جائز ہے۔

☆......☆......☆

مرغی کا انڈا کھانا حلال ہے یا حرام

سوال:......میرا سوال یہ ہے کہ فارمی مرغی اور اس کا انڈا جائز اور حلال ہے؟ بعض عالم اور اہل علم حضرات

اسے صرف اس لئے نہیں کھاتے کہ یہ غیر فطرتی طریقے سے پیدا ہوتی ہے، ان کا باپ نہیں ہوتا، یعنی مرغیوں کو خوراک دی جاتی ہے اور وہ انڈے دیتی ہیں، ان انڈوں کو انکیو بیٹر نامی مشین میں رکھا جاتا ہے تو بچے نکل آتے ہیں۔ دوسرا اس مرغی سے آج کل ڈاکٹر حضرات بھی منع کررہے ہیں، یہ کینسر، ہیپاٹائٹس اور بانجھ پن کا باعث بن رہی ہیں، چرغے، برگر اور دوسرے فاسٹ فوڈ میں اس میں جو اجزاء شامل ہوتے ہیں، وہ بھی معاون کردار ادا کرتے ہیں، لہٰذا شریعت کے حوالے سے تفصیلاً جواب دیا جائے اور رہنمائی کی جائے۔ (ایضاً)

جواب:......فارمی مرغی اور اس کے انڈے حلال ہیں، مرغی کے انڈے مشین میں رکھ کر ان سے جو بچے نکالے جاتے ہیں، وہ بھی حلال ہیں، ان کا کھانا شرعاً درست ہے، ہاں اگر پولٹری فارم والے ان مرغیوں کی غذا مختلف قسم کے مردار، ان ذبح شدہ مرغیوں کے بقیہ جات اور دیگر مختلف اشیاء ملا کر تیار کرتے ہیں تو یہ غذا ان مرغیوں کو کھلانا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی خرید و فروخت جائز ہے، لیکن باوجود اس کے ان مرغیوں کا کھانا جائز اور حلال ہے، جب تک ان کے گوشت میں بدبو نہ پیدا ہوجائے۔ اگر ان کے گوشت میں اس نجس غذا کی وجہ سے بدبو پیدا ہوجائے تو پھر ان کا گوشت نجس ہوجائے گا اور ان کا کھانا حرام ہوگا جب تک ان کے گوشت سے بدبو ختم نہ ہوجائے۔ اور اگر کچھ اہل علم حضرات ان سے پرہیز کرتے ہیں تو یہ ان حضرات کا تقویٰ ہے اور فتویٰ یہ ہی ہے کہ یہ حرام نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر طبی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ان کے کھانے سے مختلف موذی امراض پیدا ہوتے ہیں تو ان کو ترک کردینا بہتر ہے لیکن اس وجہ سے ان مرغیوں کو حرام نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کا استعمال طبی لحاظ سے نقصان دہ ہے لیکن ان کی حرمت کا فتویٰ نہیں ہے۔

☆......☆......☆

ناخن بڑھانے اور ناخن پالش لگانے کا حکم

سوال: آج کل نوجوان لڑکیاں اس کشمکش میں مبتلا ہیں کہ آیا لڑکیاں جو ناخنوں کو پالش لگاتی ہیں، اس کو صاف کرنے کے بعد وضو کریں یا پالش کے اوپر سے ہی وضو ہوجائے گا۔ کئی سمجھ دار اور تعلیم یافتہ لڑکیاں اور معزز نمازی خواتین یہ کہتی ہیں کہ ناخنوں کی پالش صاف کئے بغیر ہی وضو ہوجائے گا۔ (سمیرا ایبٹ آباد)

جواب:......ناخنوں سے متعلق دو بیماریاں عورتوں میں خصوصاً نوجوان لڑکیوں میں بہت ہی عام ہوتی جارہی ہیں، ایک ناخن بڑھانے کا مرض اور دوسرا ناخن پالش کا۔ ناخن بڑھانے سے آدمی کے ہاتھ بالکل درندوں کے سے ہوجاتے ہیں اور پھر ان میں گندگی بھی رہ سکتی ہے، جس سے ناخنوں میں جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور طرح طرح کی بیماریاں جنم لیتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں کو ''فطرت'' میں شمار کیا ہے، ان میں ایک ناخن تراشنا بھی ہے، پس ناخن بڑھانے کا فیشن انسانی فطرت کے خلاف ہے جس کو مسلم خواتین کافروں کی تقلید میں اپنا رہی ہیں، اس خلافِ فطرت تقلید سے پرہیز کرنا چاہئے۔

دوسرا مرض ناخن پالش کا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے عورت کے اعضاء میں فطری حسن رکھا ہے، ناخن پالش کا مصنوعی لبادہ محض غیر فطری چیز ہے، پھر اس میں ناپاک چیزوں کی آمیزش بھی ہوتی ہے، وہی ناپاک ہاتھ کھانے وغیرہ میں استعمال کرنا بھی اچھی بات نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ناخن پالش کی تہہ جم جاتی ہے اور جب تک اس کو صاف نہ کردیا جائے، پانی ناخن تک نہیں پہنچ سکتا، پس نہ وضو ہوتا ہے نہ غسل، آدمی ناپاک ہی رہتا ہے، جو تعلیم یافتہ لڑکیاں اور نمازی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ناخن پالش کو صاف کئے بغیر ہی وضو ہوجاتا ہے، وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اس کو صاف کئے بغیر نہ وضو ہوتا ہے نہ غسل ہوتا ہے، لہٰذا نہ نماز ہوگی اور نہ تلاوت جائز ہوگی۔

☆......☆......☆



خوابوں کی تعبیر

مولانا عبداللہ صفدر

قاریات سے گزارش ہے کہ ”خوابوں کی تعبیر کے لئے خط بھیجتے وقت چند باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

☆......تحریر صاف ستھرے کاغذ پر لائن چھوڑ کر لکھیں۔☆......ایک صفحہ پر ایک خواب تحریر کریں۔☆......تحریر صاف اور واضح ہو۔

☆......لفافہ پر ”خوابوں کی تعبیر“ ضرور لکھیں۔اپنے خواب ماہنامہ حیا کے ای میل ایڈریس Hya.diegest@gmail.com پر بھی ارسال کر سکتے ہیں۔

نوٹ: جن خوابوں کی تعبیر کی اشاعت شمارے میں مناسب نہ ہوگی ان کو تحریری جواب بھیج دیا جائے گا۔
جوابی لفافہ لازمی اپنے خواب نامہ میں رکھیں

خواب:(۱)......میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ دریا کے سامنے ایک کمرہ ہے، وہاں پر ایک لڑکی بیٹھ کے قرآن پڑھ رہی ہے، اس کے قرآن مجید میں الفاظ کے اوپر مسجد نبوی ہے، قرآن پڑھتے پڑھتے مسجد نبوی قرآن سے نکلتی ہے اور اس لڑکی کے اوپر آجاتی ہے، پھر صرف مسجد نبوی نظر آتی ہے، وہ لڑکی اس مسجد نبوی میں بند ہوجاتی ہے، پھر مسجد نبوی اس کے اوپر سے اتر کر قرآن مجید میں جاتی ہے، پھر اسی جگہ میں جا کر لگ جاتی ہے، پھر لڑکی ادھر سے نکل کر قرآن مجید، جہاں مسجد نبوی ہوتی ہے، اس کے بیچ میں چلی جاتی ہے، اب قرآن مجید میں مسجد نبوی کے ساتھ اس لڑکی کی تصویر ہوتی ہے، پھر لڑکی اپنی جگہ پر بیٹھ کر قرآن پڑھ رہی ہوتی ہے، وہ مسجد نبوی پھر وہاں سے نکل کر اس کے اوپر آجاتی ہے، لڑکی مسلسل قرآن مجید پڑھ رہی ہے، اب قرآن مجید میں مسجد نبوی کے ساتھ تصویر لڑکی کی ہوتی ہے، بس بار بار اسی طرح ہو رہا تھا، کبھی مسجد نبوی اس کے اوپر آرہی ہے، کبھی وہ اس میں چلی جاتی ہے اور مسجد نبوی بند ہو کر قرآن مجید میں چلی جاتی ہے۔

خواب:(۲)......میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہماری پچھلی گلی میں مدرسہ ہے، میں اور میرے ساتھ دو تین لڑکیاں ہیں، ہم وہاں جاتے ہیں، وہاں کی معلمہ سبق پڑھا رہی ہیں، دو لڑکیاں اس کمرے سے نکلتی ہیں، ان کے ہاتھ میں مہندی لگی ہے، وہ کہتی ہیں کہ ہم نے لگوائی ہے، تم بھی لگوالو، تھوڑی دیر بعد میں واپس آتی ہوں، میرے ہاتھ میں بھی مہندی لگی ہوتی ہے، مہندی سے بہت خوبصورت پھول بنے ہوئے ہیں، جب میں اندر

جا کر واپس آتی ہوں، میرے ہاتھ میں بھی مہندی سے پھول بنے ہوئے ہیں، لیکن ان لڑکیوں سے زیادہ خوبصورت، الٹے ہاتھ پر لگی ہوئی ہے، میری چھنگلیاں والی انگلی، (دائیں ہاتھ کی) نیلے رنگ سے محمد لکھا ہوتا ہے، میرے دونوں ہاتھوں میں نیلے قلم سے پھول بنے ہوئے ہیں، یعنی قلم سے مہندی لگی ہوئی ہے، میرے ساتھ ایک اور لڑکی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں بہت کم مہندی کے پھول ڈلے ہوئے ہیں اور ساتھ نام محمد بھی نہیں لکھا ہوتا، برائے کرم اس کی تعبیر عنایت کیجئے۔

(حوریہ بی بی)

تعبیر:(۱)......آج کی اس پُرفتن دور میں لوگوں نے قرآن کریم کی تشریحات کو بازیچہ اطفال بنا رکھا ہے، قرآن والسنہ کی خودساختہ تشریحات کی آڑ میں شریعت کی اصل روح کو مسخ کیا جا رہا ہے، پھر اس تحریف کو اپنے لئے بطور ڈھال استعمال کرتے ہیں، نام نہاد اسکالر اسلامی نظام حیات کے لئے خطرہ ہیں اور آج کل مختلف عنوانات کے ساتھ بعض نااہل لوگ بھی دین کی ڈگریاں بانٹ رہے ہیں، عورتیں چونکہ ابتدائی اور گھریلو زندگی کی نگران ہوتی ہیں، اس لئے اس صنف پر محنت کی ضرورت زیادہ ہے، کسی مستند دینی ادارہ سے فاضلہ نہ ہونے کے باوجود دین کے بنیادی اور باریک مسائل و عقائد میں دخل اندازی کرنا، غلط سلط تشریح کرنا اور اس کے علاوہ بہت کچھ ان سب کی طرف آپ کا خواب اشارہ کرتا ہے، آپ بھی اس سلسلے میں تحقیق سے کام لیں اور دین کی تعلیم کسی صحیح العقیدہ اور راست علم والی سے حاصل کریں۔

تعبیر:(۲)......آپ سنتوں والی زندگی کو اہتمام سے ادا کرتی رہیں اور اپنی دوستوں کو بھی اس کی ترغیب دیتی رہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق کسی متبع سنت گھرانہ سے قائم ہوگا۔

☆......☆......☆

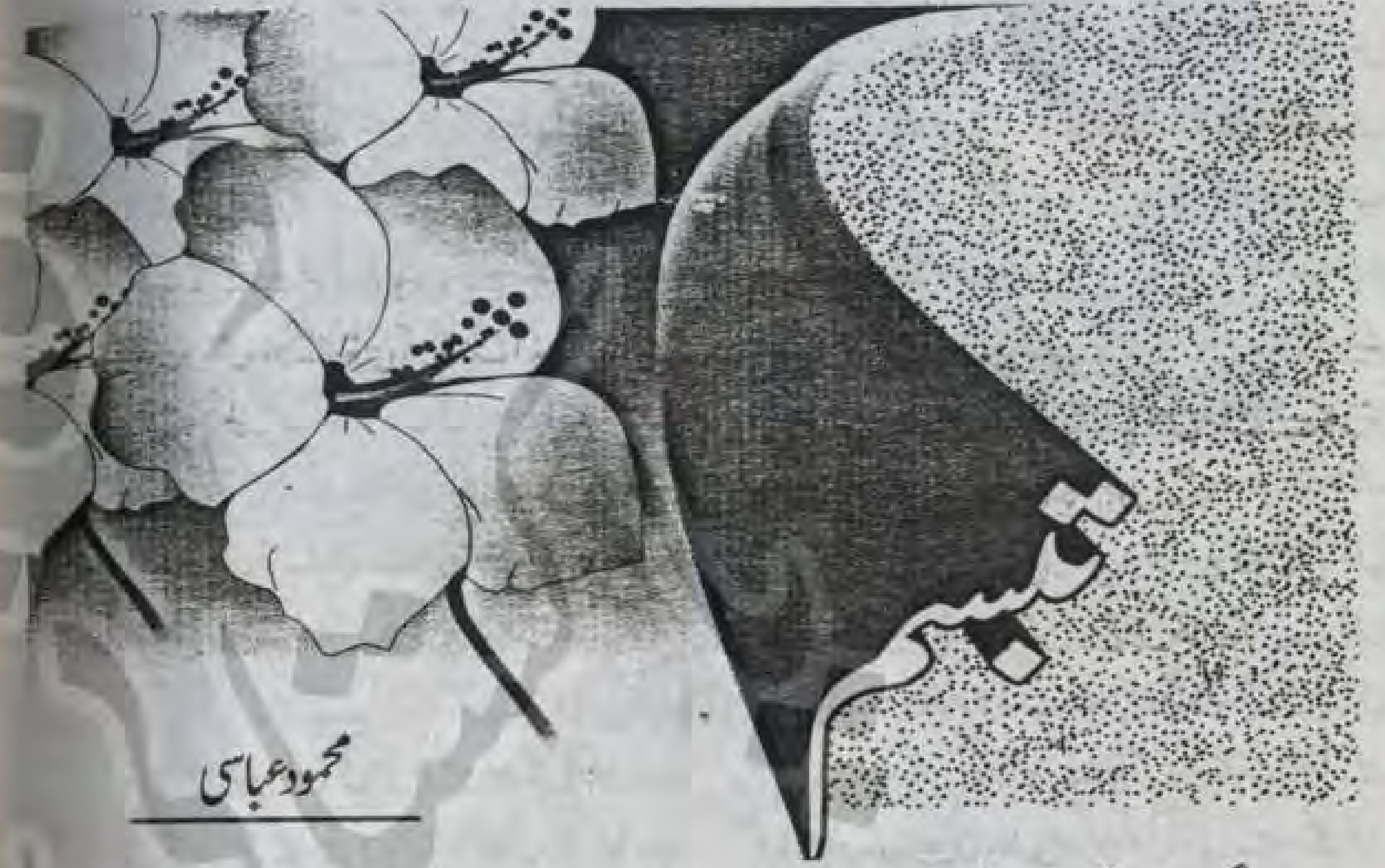
خواب:......میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے گھر میں اپنے والدین کے ساتھ بیٹھ کر پڑھ رہی ہوں اور پڑھتے پڑھتے سانپ کا ذکر آتا ہے، اتنے میں میرے سامنے ہی مجھے ایک سانپ نظر آیا، میں خواب میں یہ سوچ رہی ہوں کہ یہ سانپ پیٹھے سے نکلتا ہے، پتہ نہیں پھر پیٹھے سے آیا ہوگا، وہ چکر لگاتا رہا اور ہر چکر کے ساتھ اس کی لمبائی بڑھتی گئی، پھر میری کرسی کے نیچے سے گزرنے لگا تو میں ڈر کر ہلی، جس پر اس نے مجھے کاٹا۔ پھر ایک دوسرا چکر لگایا اور دوبارہ کاٹا۔ میں انتظار میں ہوں کہ کوئی اور یا میرے والدین اس کو ماردیں۔ میں نے خوف زدہ ہو کر جلدی سے اپنی جگہ تبدیل کی تو اسی سانپ نے وہاں آکر میرے پاؤں پر بہت زور سے کاٹا۔ پھر میں سوچتی ہوں اردگرد کوئی نہیں ہے، مجھے خود ہی مارنا پڑے گا، ہاتھ سے اس کے سر کے پیچھے سے پکڑ کر زور سے دبا کر مارتی ہوں اور پھر اپنے جوتے سے اسے پوری طرح سے کچل دیتی ہوں، پھر جا کر اپنے والدین کو بتاتی ہوں کہ تین بار سانپ کاٹ چکا ہے، جلدی ڈاکٹر کے پاس لے چلیں، پھر خواب میں ہی مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے، لہٰذا مجھے اس کی تعبیر کے لئے مفتی شیرازی صاحب کے پاس جانا ہے اور اتنے میں آنکھ کھل گئی، خواب صبح نو بج کر تیس منٹ ہے۔

(دختر محمد نعیم)

تعبیر:......آپ اللہ سے دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے پناہ مانگنے کا اہتمام کریں، کوئی قریبی جس کا آپ کے گھر آنا جانا ہے، وہ آپ کا بدخواہ ہے، جس سے آپ کو شدید تکلیف وایذا ہو سکتی ہے۔ آپ کو اپنی مدد اللہ کے سہارا خود ہی کرنی ہوگی جن سے آپ کی توقعات ہیں، وہ آپ کے خیرخواہ ہو سکتے ہیں، مگر آپ کے بدخواہ کو فی الحال کوئی غلط نہیں سمجھے گا اور نہ ہی آپ کی مدد کرے گا۔

فقط والسلام اعلم

☆......☆......☆



محمود عباسی

باپ گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس کا بیٹا زار و قطار رو رہا تھا، باپ نے رونے کی وجہ پوچھی۔

باپ: کیا ہوا بیٹا، اس طرح کیوں رو رہے ہو؟

بیٹا: اب میرا آپ کی بیوی کے ساتھ گزارا نہیں ہوسکتا۔

☆......☆......☆

ایک بچہ مسلسل رو رہا تھا، ماں نے رونے کی وجہ پوچھی تو بچہ بولا۔ پہلے ایک روپیہ دیں، پھر بتاؤں گا۔

ماں نے ایک • پیہ دیا اور پوچھا، اب بتا، کیوں رو رہے تھے۔

بچہ (خوش ہو کر) شکریہ، ماں میں اسی ایک روپے کے لئے رو رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایک بزرگ نے کسی بچے سے پوچھا:

بزرگ: بیٹا یہ سڑک کہاں جاتی ہے؟

بیٹا: انکل یہ سڑک کہیں نہیں جاتی، ہر وقت یہیں لیٹی رہتی ہے۔

(عشرہ صادق، رشید آباد ملتان)

کراچی میں آکر نئے آباد ہونے والے ایک صاحب نے یہاں کے ایک پرانے رہنے والے سے کہا: سنا ہے، اب کراچی میں کافی عرصے بارش نہیں ہوتی۔

بارش......؟ ان صاحب نے حیرت سے دہرایا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ ارے صاحب کیا بتائیں، ہمارے علاقے میں تو کئی ایسے مینڈک موجود ہیں، جن کی عمریں 24 سال ہوگئی ہے، لیکن انہیں تیرنا نہیں آیا۔

(ساجدہ یوسف، سرگودھا)

☆......☆......☆

ایک صاحب نے دوسرے صاحب سے کہا: میں تمہیں مزاحیہ قصے سناتا ہوں اور تم مجھے افسوس ناک واقعات سنانا۔ پھر اس نے کچھ مزاحیہ قصے سنائے، اس وقت تک وہ دونوں تیر ہویں منزل تک پہنچ گئے تھے۔

پہلا بولا: اب تم افسوس ناک واقعات سناؤ۔

دوسرا بولا: اگر میں نے تمہیں افسوس ناک واقعہ سنایا تو تم رو پڑو گے۔

پہلے نے کہا: نہیں، میں نہیں روؤں گا تم سناؤ۔

دوسرا بولا: تو پھر سنو، کمرے کی چابی نیچے رہ گئی ہے۔

(شہزادہ موٹو ہا، کراچی)

گاہک (حلوائی سے) تم کتنی مدت سے جلیبیاں بنا رہے ہو؟

حلوائی (فخر کے ساتھ) صاحب جی، تین سال کا تجربہ ہے۔

گاہک: بڑے شرم کی بات ہے، تمہیں جلیبیاں بناتے تین سال ہوگئے لیکن آج تک ایک بھی سیدھی جلیبی نہیں بنا سکے۔

(اعجاز الٰہی، خانیوال)

☆......☆......☆

مسافر رکشے سے: اسٹیشن جانے کا کیا کرایہ لو گے۔

رکشے والا: 50 روپے

مسافر: 20 روپے لے لو

رکشے والا: 20 روپے میں کون جاتا ہے۔

مسافر: تم پیچھے بیٹھو، میں لے کر جاتا ہوں۔

(ملک عرفان عبدالمجید)

☆......☆......☆

ایک بچے نے اپنے والد سے پوچھا:

"کیا یہ درست ہے کہ والدین، بچوں سے زیادہ علم والے اور ہوشیار ہوتے ہیں؟"

"بالکل۔" باپ نے جواب دیا۔

"بچے نے معصومیت سے پوچھا: پھر ریڈیو مارکونی کے والد نے کیوں ایجاد نہیں کیا؟"

(واجد نگینوی، کراچی)

☆......☆......☆

مریض: "ڈاکٹر صاحب! میں موت کے دروازے پر کھڑا ہوں۔"

ڈاکٹر: "میں اس دروازے سے آپ کو آسانی سے گزار دوں گا۔"

(احمد حجازی، رحیم یار خان)

بھائی جان: "منے! تم پاس ہوگئے ہونا؟"

منا: "ہاں، ہماری ساری جماعت پاس ہوگئی، مگر ماسٹر صاحب فیل ہوگئے ہیں۔"

بھائی جان: (حیرت سے) "وہ کیسے؟"

منا: "وہ ابھی تک اسی جماعت کو پڑھا رہے ہیں۔"

(دوست محمد، اسلام آباد)

☆......☆......☆

ایک ریستوران میں گاہک نے بیرے سے شکایت کی: "میں گوشت کا یہ ٹکڑا چالیس منٹ سے کاٹنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ناکام ہوں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" بیرے نے اطمینان سے کہا: "ریستوران رات ایک بجے تک کھلا ہوا ہے۔"

(روبینہ ناز، کراچی)

☆......☆......☆

پہلا دوست: "دولت اور محنت میں کیا فرق ہے؟"

دوسرا دوست: "جو رقم دوسروں سے قرض لی جائے، اسے دولت کہتے ہیں اور اس کی واپسی کے لئے جو لڑائی جھگڑا کیا جائے، اسے محنت کہتے ہیں۔"

(کلیم ممتاز، کراچی)

☆......☆......☆

تاجر نے اپنے ایک گاہک کو خط لکھا: "اگر آپ پرانے بل ادا فرما دیں تو ادارہ آپ کا ممنون ہوگا۔"

گاہک نے خط کے جواب میں لکھا۔ "آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے اپنے قرض خواہوں کی تین فہرستیں مرتب کر رکھی ہیں، اول جن کے بل فوراً ادا کئے جائیں گے۔ دوم جن کے بل پھر کبھی ادا کئے جائیں گے اور سوم جن کے بل کبھی ادا نہیں کئے جائیں گے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آپ کے خط کے شائستہ لہجے کی وجہ سے آپ کے ادارے کا نام تیسری فہرست سے کاٹ کر دوسری فہرست میں درج کر دیا گیا ہے۔"

(جاوید احمد، راولپنڈی)

☆......☆......☆



سلام

فکر و احساس و تیقّن کی عطا ہے کربلا
مومنوں کا امتحاں رب کی رضا ہے کربلا
دینِ حق کی سر بلندی کی بنا ہے کربلا
تیرگی میں روشنی کا اک دیا ہے کربلا
حضرت شبیرؓ کے خطبے کا ہے یہ ماحصل
جذبۂ ایثار غم کی انتہا ہے کربلا
حضرت شبیرؓ سے جس نے دغا کی مٹ گیا
اُن سے جو بھی جُڑ گیا سمجھا بقا ہے کربلا
کون ہے یہ جس کے شانے کربلا میں کٹ گئے
کس کے دَم سے جادۂ عشق و وفا ہے کربلا
حق نے باطل کو مٹایا تیرگی سب چھٹ گئی
دور حاضر کے لئے حق کی ضیا ہے کربلا
پوچھتا ہے مجھ سے طاہر! کربلا کا معرکہ
بالیقیں خُلدِ بریں کا راستہ ہے کربلا
ہر یزیدِ وقت کو سمجھائیں ہم رازِ حیات
ظالموں کی موت طاہر! کربلا ہے کربلا

(شاعر، طاہر سلطانی)

☆......☆......☆

طیبہ کے نظارے

ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
دن رات جو جنت میں گزارے نہیں بھولے
آنکھوں میں بسایا ہے میں نے گنبد خضرا
مسجد نہیں بھولی وہ مینارے نہیں بھولے
معراج ہو، میزان ہو، کوثر ہو کہ پل ہو
ہم کو کہیں سرکار ہمارے نہیں بھولے
ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
وہ سارے صحابہ بڑے پیارے ہیں نبی کے
پرساتھ سلائے ہیں جو پیارے نہیں بھولے
ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
بوجہل کی مٹھی ہو قمر ہو کہ شجر ہو
آقا تیری انگلی کے اشارے نہیں بھولے
ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
بوسے لئے نانا نے نواسوں کے لبوں پر

زہرہ وہ تیرے لعل پیارے نہیں بھولے
ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
جو چار چمکتے ہیں ستاروں کے افق پر
ان چاروں کی قسمت کے ستارے نہیں بھولے
ہم کو ابھی طیبہ کے نظارے نہیں بھولے
دن رات جو جنت میں گزارے نہیں بھولے

سید کونین تیرے جانثاروں کو سلام

جان گردوں میں نبوت کے ستاروں کو سلام
انبیاء کے بعد شہرہ ہے انہی کے نام
ان حجازی غازیوں کو شہ سواروں کو سلام
سید کونین تیرے جانثاروں کو سلام
جن کی ہیبت سے لرزتے کفر کے اعوان تھے
جن سے لرزا شام وروما، فارس وایران تھے
ان خلافت راشدہ کے تاجداروں کو سلام
سید کونین تیرے جانثاروں کو سلام
جن کا حملہ دشمنوں کو موت کا پیغام تھا
اس زمین پر کفر جن سے لرزائے برنام تھا
حق کے خوشنودین کے مخلص خاست گاروں کو سلام
سید کونین تیرے جانثاروں کو سلام
جب کہیں بادل سے ٹکراتے تھے حق کے پاسبان
حق پرستوں کے تماشے دیکھتا تھا آسمان
ان کے نیزوں کی چمکتی تیز دھاروں کو سلام
سید کونین تیرے جانثاروں کو سلام

(معلمہ راحیلہ الحق، راشدہ عبدالوحید، کمالیہ)

نسبت مدینہ

میری نسبت مدینے سے یونہی نہیں
میرے آقا کا روضہ مدینے میں ہے
میں مدینے کی جانب نہ کیسے کھنچوں
میرا دین اور دنیا مدینے میں ہے
میں یہاں ہوں میرا دل مدینے میں ہے
پھول کھلتے ہیں پڑھ پڑھ کے صلے علیٰ
جھوم کر کہہ رہی ہے یہ باد صبا
ایسی خوشبو چمن کے گلوں میں کہاں
جیسی خوشبو نبی کے پسینے میں ہے
میری نسبت مدینے سے یونہی نہیں
میرے آقا کا روضہ مدینے میں ہے
میں یہاں ہوں میرا دل مدینے میں ہے
اک ہے جنت تیری، اک ہے حجرہ تیرا
میرے مولا بتا اب میں جاؤں کہاں
امی عائشہ کا حجرہ مدینے میں
اک ہے چاند عرش کا اک ہے چاند فرش کا
فرش کے چاند کا جلوہ دیکھو ذرا
اک اشارے پہ ٹکڑے ہوا وہ قمر
اس قمر کا قمر بھی مدینے میں ہے
میری نسبت مدینے سے یونہی نہیں
میرے آقا کا روضہ مدینے میں ہے
میں یہاں ہوں میرا دل مدینے میں ہے

(عشرہ صادق، رشید آباد ملتان)

☆......☆......☆

کتاب عظمت

کتاب عظمت کے ہر صفحے پر خدا نے ان کا ہے نام لکھا
کہیں کہیں پر درود لکھا کہیں کہیں پر سلام لکھا
جہاں جہاں پر حضور پہنچے وہیں پر قرآن آرہا ہے

میں نے دیکھا انہیں کی خاطر خدا نے اپنا کلام لکھا
کہیں کہیں پر درود لکھا کہیں کہیں پر سلام لکھا
کہیں پر یٰسین، کہیں پر طٰہٰ، کہیں پر واللیل والضحٰی ہیں
انہیں کے چہرے کو صبح لکھا انہیں کی زلفوں کو شام لکھا
بلا کہ رب نے سبھی کو اقصیٰ جو ایک صف پر کھڑا کیا ہے
انہیں کو اختتام لکھا انہیں کو سب کا امام لکھا
حبیب رب کا، حبیب سب کا، سبھی کا دلبر سبھی کا پیارا
خدا نے ان کو سبھی جہانوں کے واسطے ہے انعام لکھا
ابوبکر کو عمر، غنی، علی کو بھی رب نے چن لیا
نبی کی خاطر نبی کے یاروں کو نبی کا غلام لکھا
ہیں سچے عاشق وہ ہی نبی کے جوان پر جانیں لٹا رہے ہیں
خدا نے ان کے لئے لیاقت شہادتوں کا ہے جام لکھا
کہیں کہیں پر درود لکھا کہیں کہیں پر سلام لکھا

(رافعہ میمونہ بی بی، ڈھوک رتہ، راولپنڈی)

☆......☆......☆

بیٹیاں

بیٹیاں تو پھولوں کی طرح ہوتی ہیں
ماں باپ کی شاخوں پہ جنم لیتی ہیں
گھر کو جنت کی طرح بنا دیتی ہیں
ہر قدم پہ پھول کھلا دیتی ہیں
جب بچھڑنے کی گھڑی آتی ہے
تو غم کے رنگوں میں خوشی نظر آتی ہے
ایک گھر تو اترتی ہے اداسی لیکن
دوسرے گھر کے سنورنے کا یقین سا ہوتا ہے

(معلّمہ راحیلہ اسحٰق، معلّمہ ارم جمیل، کمالیہ)

نظم

پھولوں کی شاخیں...... پھوٹی ہوئی...... بکھری سی کھلائی سی...... پتوں کی آواز...... سرسراہٹ سی...... نہ جانے موسم میں...... افسردگی سی...... جھوم رہی ہیں...... درخت کی شاخیں سی...... بارش کے پانی...... زمین کی مٹی سی...... خوشبو ہے کتنی...... پیاری اور میٹھی سی...... چڑیا کوئل پرندے...... پروں کی آوازیں سی...... چہکار ہی ہے اپنی زباں سی...... پیارے وطن پیاری وادی...... میری دھرتی اتنی پیاری سی...... ناز ہے اس موسم پر طیبہ...... جو چہروں کو دے گئی کھکھلاہٹ سی......

(طیبہ اکرم، بھنڈیوالی)

☆......☆......☆

غزل

تھک ہار کے بیٹھے ہیں جو چپ سادھ کے سارے
اس عرصۂ محشر میں کوئی کس کو پکارے
مقتل میں کھڑا ہوں میں ہتھیلی پہ رکھے سر
بندھن کبھی توڑے ہیں کبھی چھوڑے سہارے

ساحل پہ کھڑے لوگ بھی محفوظ کہاں ہیں
طوفان وہ آتا ہے کہ ڈوبیں گے کنارہ
بستی میں نہیں کوئی بھی شبلی کا مقلد
پتھر نہیں منصور کو اک پھول ہی مارے
میں سر میں لئے شوق کا سودا جو کھڑا ہوں
ہیں سنگ بدستوں کے میری سمت اشارے
کوئی ایک تو ایسا ہو کہ ظلمت سے نکالے
انسان کو انسان کی سولی سے اُتارے
خالد میں کہوں کیا کہ ہوئی تنگ زمیں اب
ہر شخص ہے سہما ہوا اب خوف کے مارے

(شاعر:...... پروفیسر خالد شبیر احمد)

☆......☆......☆

ایک غریب کی فریاد...... ملک کے حکمران کے نام

نئی صبح کے واسطے
نئے نظام کے لئے
بدل ہی سماج کو
بدل ہی رواج کو
بھڑک رہی ہے کیوں لگن
دلوں میں ہے یہ کیوں جلن
مٹے گی بھوک پیٹ کی
بجھے گی دل کی پیاس بھی
جھپٹ کے لو اناج کو
بدل ہی دو سماج کو
اداس ہے یہ زندگی
یہ زندگی ہے دکھ بھری
مٹیں گے ظلم ایک دن
بھریں گے زخم ایک دن
بھلا ہی دو اس آج کو
بدل ہی دو سماج کو
ستم کے تیر کیوں چلیں
کسی کے نیر کیوں بہیں
غریب کا ہے کیا قصور
امیر کا ہے سب فتور
ہٹادو کھوٹے راج کو
بدل ہی دو سماج کو

(محمد سعید عبداللہ بن سراج الدین گرمانی، کوٹ سلطان لیہ)

☆......☆......☆

غیروں کی شفقتوں کا ہم نے ذکر ہی کب کیا
اپنوں کی شفقتوں کے ستائے ہوئے ہیں ہم
زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں

☆......☆......☆

آرزو اور آرزو کے بعد خون آرزو
اک ہی مصرع میں ساری داستان زندگی

☆......☆......☆

اپنے لہو سے پھول کھلانے کے واسطے
ہر مقتل وفا میں پکارا گیا ہوں میں

☆......☆......☆

سر بلند اپنا لہو تھا، سرنگوں قاتل کی تیغ
ہم ہتھیلی پر جو سر اپنا اٹھا کر لے گئے

(ہادیہ حبیب الرحمٰن، باغ آزاد کشمیر)

☆......☆......☆



روپ بہروپ

تحریر: اُم حیات ہنگورا

"ماشاءاللہ چار گائے اور سات بکرے لائے ہیں میرے بیٹے نے۔" صائمہ کی ساس، صائمہ کی ماں کو بتا رہی تھیں۔ ماشاءاللہ، ماشاءاللہ، صائمہ کی والدہ جواباً بولیں۔

"ایک بکرا بھجواؤں گی میں صائمہ کے لئے، آپ اپنے حساب سے ذبح کروا لیجئے گا، میری آخری بہو ہے، جتنے لاڈ اٹھاؤں کم ہے" اور پھر بکرے کے ساتھ، ساتھ اتنے لوازمات آئے کہ جواب میں صائمہ کی والدہ کو دو بکرے اور دوسرے سامان کے ساتھ داماد کی عیدی بھجوانی پڑی۔

بکرا عید کے بعد صائمہ رخصت ہو کر اپنے پیا دیس سدھاریں اور پھر......

"امی جان کتے کے گوشت کی سی بو آ رہی ہے، کچن کے ڈیپ فریزر سے۔" صائمہ نے آ کر ساس کو بتایا۔

"بیڑا غرق کرے خدا ان لائٹ والوں کا، تم کو بھی یاد نہ آیا جنریٹر میں ڈیپ فریزر بھی جلانا ہوتا ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ سے کچھ نہیں ہوتا، مگر کمبخت دو دن تک لائٹ نہ تھی تو تھوڑا دھیان کر لیا ہوتا۔" صائمہ کی ساس صائمہ پر برس پڑی۔

"مگر ہم سب تو اپنی اپنی والدہ کے گھر چلے گئے تھے، گھر میں تو صرف آپ اور ابو ہی تھے۔" صائمہ فوراً بولی۔

"ہاں اب سارا الزام مجھ پر رکھ دو۔" صائمہ کی ساس چلائی۔ "مگر امی ڈیپ فریزر میں تو گوشت ہے کب منگوایا تھا، معلوم کروائیں، کس کا گوشت دے دیا ہے۔" صائمہ بولی۔

"کس کا دے دیا ہے کیا مطلب بہو! اس میں قربانی کا گوشت ہے۔" صائمہ کی ساس پھر چلائی۔

"قربانی کا گوشت۔" امی جان مگر اگلے مہینے پھر قربانی ہے تو یہ۔

"چار گائے اور آٹھ بکرے، کیا بانٹنے کے لئے کٹوائے تھے، کان کھول کر سن لو بہو، دے دلا کر سب کچھ ہم ڈیپ فریزر میں رکھ لیتے ہیں، تین نندیں ہیں ان کو ہی تو دینا ہوتا ہے، باقی سب ہم سارا سال استعمال کرتے ہیں، تم تو گوشت کھاتی نہیں ہو، اس لئے شاید تم کو اندازہ نہ ہوا ہو، ورنہ اس دن عاصمہ بھی کہہ رہی تھی امی گوشت میں ہیک ہے۔" صائمہ کی ساس بولی۔ اسی لئے گھر میں لوگوں کے پیٹ اکثر و بیشتر خراب رہتے ہیں، صائمہ نے دل میں سوچا، مگر امی آپ تو اس دن تو کہہ رہی تھیں تو قربانی تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں پھر یہ۔

"تو اللہ ہی کی راہ میں تو کی تھی، اللہ کو محبوب تو خون بہانا ہے، خون بہا دیا، باقی گوشت مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہم سارا بھی رکھ سکتے ہیں اور ہم سارا ہی رکھ لیتے ہیں، ان غریبوں کے لئے مدارس اور مسجدیں ہیں ناں۔"

☆......☆......☆



سہانا بچپن

بچپن کسی کا بھی ہو، تاہم ہر غم سے بے نیاز، ہر فکر سے آزاد، ہر پریشانی سے دور صرف بچپن ہوتا ہے۔ اس دور میں کی گئیں شرارتیں، کھیلے گئے کھیل اور کی گئی حرکتیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں، بچپن کے کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کی یاد بار بار آتی ہے اور ہر بار ایک نیا لطف دیتی ہے۔ اپنی ان یادوں میں ماہنامہ حیا کی قاریات و قارئین کو بھی شامل کر لیجئے۔ ہم یہ واقعہ شکریہ کے ساتھ آپ کے نام سے شائع کریں گے۔

ایک سال پہلے کی بات ہے، میں نے اور میری چاچی زاد بہن شارفہ نے اپنی گڑیا کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ کی، میرا دلہا اور شارفہ کی دلہن تھی، میں نے اس کی گڑیا کی بہت پیاری بری بنائی، اس کا کمرہ سجایا، کمرے میں واشنگ مشین، پنکھا، سنگھار میز، صوفے، مسہری، فریج، غرض ہر چیز تھی اور چھوٹی سی شیشے والی الماری بھی تھی اور مسہری کے ارد گرد میں نے چمکیوں کی لڑیاں لٹکائی، جیسے اصل میں دلہن کے کمرے میں ہوتی ہے، کمرے میں ہر طرف چمکی ہی چمکی پھیلی پڑی تھی، غرض میں نے اور بھائی نے مل کر پورا کمرہ سیٹ کیا، میں اور میری دو تین برات لے کر اس کے گھر گئے، بہت دھوم دھام سے برات لے کر گئے تھے، شارفہ کے گھر جا کر دلہن کے اوپر خوب چمکی گرائی، تھیلیاں بانٹی، تھیلیوں میں ہم نے شاہی میوہ، گوگو، ٹافیاں وغیرہ ڈالی ہوئی تھی، غرض سب کو تھیلیاں دیں اور دلہن کو خوب دھوم دھام اور شور شرابے سے اپنے گھر لے آئے، پھر اگلے دن ولیمہ تھا، اس طرح یہ یادگار شادی اپنے اختتام کو پہنچی، ویسے تو میں نے اپنی اور بھی گڑیوں کی شادی کی، مگر یہ زیادہ یادگار رہی، اب تو ماشاءاللہ اس گڑیا کے چھ سات بچے بھی ہیں، جن کی شادی اور تین تین بچے بھی ہو گئے ہیں، ویسے تو ہمیں اب بھی گڑیوں سے کھیلنے کا شوق ہے، مگر پڑھائی میں مصروفیت کی وجہ سے ہم اپنی ان گڑیوں کو ٹائم نہیں دے سکتے، البتہ ان کا کمرہ ویسے کا ویسا ہی ہے، اب ہمیں اپنا بچپن بہت یاد آتا ہے، خوب مستی کی، عیش و عشرت سے دن گزارے، مگر اب تو میرے ماشاءاللہ سے دو بھانجے اور ایک عدد لاڈلی بھانجی زینب ہے، اب تو ہم ان کا بچپن دیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب کے بچپن خوشیوں بھرے گزریں۔ آمین

☆......☆......☆

ایک دفعہ میں اور میری بچپن کی دوست مبرہ حیدر آباد میں کسی کی برات میں بس میں بیٹھ کر جا رہے

تھے، ہماری امی تو ملتان میں ہی تھی، ابو حیدر آباد میں تھے، مگر وہ دوسری بس میں تھے، اس وقت ہم بہت چھوٹے تھے، ہماری سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر ایک لڑکا سو رہا تھا، وہ بیمار تھا اور وہ والی سیٹ بھی خراب تھی، مطلب اگر اسے پیچھے سے گرائیں تو وہ گر جائے گی، غرض ہم اس سیٹ کو بار بار گراتے رہے اور وہ لڑکا بھی بار بار گر رہا تھا، وہ رو رہا تھا، اس کی امی ہمیں منع کر رہی تھی کہ ایسا مت کرو، اسے چوٹ لگ جائے گی، مگر ہم باز آنے والے کہاں تھے، اسے گراتے رہے اور ہنستے رہے، اب بھی ہم دونوں کو وہ بات یاد آتی ہے تو ہنسی چھوٹ جاتی ہے، میری اور مبرہ کی بچپن کی بہت یادیں ہیں، مگر وہ آئندہ سناؤں گی۔

(عشرہ صادق)

☆......☆......☆

آج میں آپ کو جو بچپن کا واقعہ سنانا چاہتی ہوں، یہ میری بہن اسماء اور میری کزن مریم کا ہے، اب آگے انہی کی زبانی سنئے، ہم ایک آئس کریم والے کے پاس گئے اور ہمارے پاس کوئی پیسے بھی نہیں تھے تو ہم نے اسے کہا کہ ہمیں آئس کریم دے دیں، انہوں نے دی تو ہم لے کر بھاگ گئیں، لیکن اسماء کے گلے میں ردا تھی، اس نے اس کی وہ پکڑ کر کھینچی اور کہا، جب تک پیسے نہیں دو گے، واپس نہیں کروں گا، اسی طرح میری بہن چیختی چلاتی گھر پہنچی، گھر میں آ کر معلوم ہوا کہ انہوں نے اسے رقم نہیں دی، اسی طرح میری بہن بدستور روتی رہی اور اسے وہ ردا آج تک نہ مل سکی اور نہ ہی انہوں نے رقم واپس کی، آج بھی میری بہن کو یاد آتا ہے تو بہت افسوس ہوتا ہے۔

(ہادیہ حبیب)

☆......☆......☆

ہماری بھانجی کنزیٰ دو سال کی ایک پیاری بچی ہے، دیکھتے ہی بے اختیار پیار آتا ہے، ادھر وہ اپنی شرارتوں سے گھر والوں کا دل موہ لیتی ہے، ماموں کو دیکھتے ہی شور کر دیتی ہے، اس کا اٹھنا، بیٹھنا، کھیلنا، کودنا سب ماموں کے ساتھ ہوتا ہے، ماموں کو "مام" کہتی ہے، آئس کریم شاپ پر جاتی ہے، پہلے کولڈ رنگ لیتی ہے، وہ پی کر آئس کریم لیتی ہے اور پھر جوس لے کر گھر آتی ہے، کتابیں لے کر بیٹھ جاتی ہے، ب، ت پڑھتی رہتی ہے، پیپر پینسل دے دو تو اس پر لائنیں ڈالتی ہے، پھر پوچھو، کنزیٰ کیا لکھا ہے تو کہتی ہے "مام" سب پوچھتے ہیں کپڑے کون لایا تو بولتی ہے "مام" چیز کس نے دلوائی "مام" کہتی ہے، ہر بات میں "مام" کا نام لیتی ہے، پوچھو، کنزیٰ فاروق کہاں ہے تو ڈانٹ کر بھولتی ہے، "مام" ہے۔ نماز پڑھتے دیکھ کر خود بھی ساتھ کھڑی ہوتی ہے، سجدہ کرتی ہے اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی ہے، بڑی بہن کو "آپا" اور چھوٹی کو "نھا" کہتی ہے، اگر کوئی ڈانٹ دے تو کہتی ہے "تاؤ" (مارو) چھوٹی بہن کو روتے دیکھ کر مما سے کہتی ہے، مما ننھے تاؤ، (ننھے کو مارو) جہاں بلی دیکھی شروع ہو جاتی ہے "ماؤں، ماؤں" بلی دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور اس کو پیار کرتی ہے۔

(بنت حافظ محمود قریشی)

☆......☆......☆

میری بہن جب چھوٹی تھی تو ایک دن امی سے کہا کہ امی مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں، امی نے کہا کہ کیوں کیا تکلیف ہے ابو آئیں تو لے جائیں گے، تو وہ بولی کہ جب میں سوتی ہوں تو آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، اس لئے ابو کو جلدی بلائیں کیونکہ میں نے دوپہر کو سونا بھی ہے، سب کا ہنس ہنس کر برا حال ہوا۔

☆......☆......☆

میرا چھوٹا بھائی ایک دن چارپائی پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا، امی اندر گئیں تو پوچھا بیٹا کیا بات ہے تو کہنے لگا، امی مجھے بہت شدید بخار ہے، جلدی جلدی چاچو کو کہیں کہ وہ میرے لئے سیب اور کیلے لے کر آئیں تاکہ میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں۔

(ساجدہ سعید احمد خان)



حسین، نوجوان نظر آنا انسان کی فطری خواہش ہے اور وہ اس کے لئے ہمہ وقت کوشاں بھی رہتا ہے، صدیوں سے خصوصاً خواتین میں حسین اور نوجوان نظر آنے کی جدوجہد جاری ہے، آج چوں کہ ہم نہایت ترقی یافتہ دور میں زندگی گزار رہے ہیں، ہمارا ہر لمحہ بہت مصروف ہے، سوچنے کے لئے بھی وقت نہیں ملتا اور پھر اپنی ذات کے لئے وقت نکالنا......؟؟ اور اگر کہیں ملازمت بھی کر لی تو بس پھر تو صبح کا ناشتہ گول، بھاگم بھاگ کام پر چلے گئے، سارا دن وہیں گزر گیا، شام کو چائے، پھر رات کے کھانے کی تیاری، ہزاروں جھمیلے، نظریں گھڑی کی سوئیوں پر، رات کو اگلے صبح کے بیسیوں کام ذہن میں کلبلانے لگتے ہیں، کیا کیا کرنا ہے، کس سے ملنا ہے، کہاں جانا ہے......وغیرہ وغیرہ، تو ایسے میں اگر ہم محض چھ غذائی اجزاء کو اپنی خوراک کا حصہ بنا لیں تو یہ ہمیں ممکنہ بیماریوں سے بہ آسانی تحفظ دے سکتے ہیں، جیسے خون میں کولیسٹرول کی مقدار کو کنٹرول کرنا، دل کی شریانوں کی تنگی کی بیماری، آسٹیو پروسس، غیر معمولی دل کی دھڑکن، بلڈ پریشر، گردے کی بیماری، یادداشت کی کمزوری کو دور کرنا وغیرہ، ذیل میں ان چھ غذائی اجزاء کے بارے میں معلومات فراہم کی جا رہی ہیں، جو نوجوانی اور خوب صورتی قائم رکھنے میں بے حد معاون ثابت ہو سکتی ہیں اور آسانی سے دستیاب بھی ہیں۔

زیتون کا تیل:......زیتون کے تیل کے استعمال کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے، جس نے اسے شہرت دوام عطا کی ہے، ماہرین کا کہنا ہے کہ اس میں موجود اجزاء دل کی بیماریوں اور کینسر کے خلاف روک تھام کے لئے اکسیر ہے، اس کے علاوہ زیتون کے تیل میں موجود اجزاء پولی فینائل بڑھتی عمر کے اثرات خصوصاً جلد کے ڈھیلے پن کو دور کرنے کا بہترین بدل قرار دیا ہے، اس میں موجود اومیگا تین صحت کی ضمانت ہے۔

دہی:......لمبی عمر پانے والوں کی زندگی کا راز دہی کی آدھی پیالی کا روزانہ استعمال ہے، دہی میں کیلشیم کی زیادہ مقدار پائی جاتی ہے، جو آسٹیو پروسس کو کنٹرول کرنے اور تاخیر عمر کے تقاضوں پر قابو پانے میں مددگار ہے۔

مونگ پھلی:......سردیوں میں خوب کھائی جاتی ہے، اس کی 100 گرام کی مقدار میں 50 گرام چکنائی، 16 گرام کاربوہائیڈریٹ، وٹامن ای، پروٹین اور نمکیات پائے جاتے ہیں، جلد کی شگفتگی اور جسم کو گرم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

مچھلی:......اس کو اپنی غذا کا اہم جزو بنانے اور وافر مقدار میں استعمال کرنے سے اس میں موجود اومیگا تین دل کی شریانوں میں کولیسٹرول بڑھنے کے عمل کو روکتا ہے اور دل کی بے ترتیب دھڑکن کو بھی درست رکھتا ہے، ایسے لوگوں میں دل کی بیماریاں بالکل نہیں پائی جاتیں، وہ اس رسک سے نجات پا جاتے ہیں جو مچھلی کا استعمال جاری رکھتے ہیں، ہفتے میں تین دن استعمال بھی کافی ہے اور سارا سال اسی طرح استعمال بے حد فائدہ مند ہے، مگر یاد رہے، مچھلی کا تازہ اور کم کانٹے والی ہونا ضروری ہے۔

چاکلیٹ:......یہ بچوں اور بڑوں سب میں مقبول ہے، اس کے استعمال سے دل کی بیماریوں میں 90

فیصد کمی پائی گئی ہے، اس کا روزانہ استعمال خون کی شریانوں میں خون کے بہاؤ کے عمل کو تیز کرتا ہے، بلڈ پریشر میں کمی، گردوں کے امراض اور ڈیمینشیا میں بھی کمی کرتا ہے۔

نٹس:......جن لوگوں کی غذا میں متواتر ڈھائی ماہ تک نٹس کا استعمال رہے، ان کو زیتون کے تیل کے فوائد حاصل ہوتے ہیں، ان میں وٹامن، نمکیات اور فائٹو کیمیکل جیسے اجزاء پائے جاتے ہیں، جو جلد کی شگفتگی اور تازگی کے لئے اہم ہیں، جیسے بادام میں کیلشیم، میگنیشیم پائے جاتے ہیں جو خون میں آہستہ آہستہ سرایت جسم میں کر کے شکر کی مقدار کو درست رکھتے ہیں، اخروٹ میں چوں کہ چکنائی کی مقدار کم ہوتی ہے، اس لئے دل کے امراض اور کینسر کے بچاؤ میں بھی مددگار ہے، یہ جلد کو جھریوں سے بچاتا ہے، خشک خوبانی میں کولیسٹرول بالکل نہیں ہوتا اور یہ جسم سے یورک ایسڈ کو کم کرتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام غذائی اجزاء کا تعلق ہماری روزانہ کی ضرورت سے ہے، لیکن کبھی کبھی ہم ان کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں، ان چھ اجزاء میں سے کسی ایک کو بھی اپنی روزانہ خوراک میں یا ہفتے میں تین دن شامل کر کے ممکنہ بیماریوں سے تحفظ حاصل کیا جاسکتا ہے، یاد رکھئے! زندگی اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے اور حسن وصحت دنیا کے تقاضے ہیں تو آیئے، ان میں مضبوط رشتہ قائم کریں۔

☆......☆......☆

پرکشش اور حسین شخصیت کیلئے چند بیوٹی ٹپس

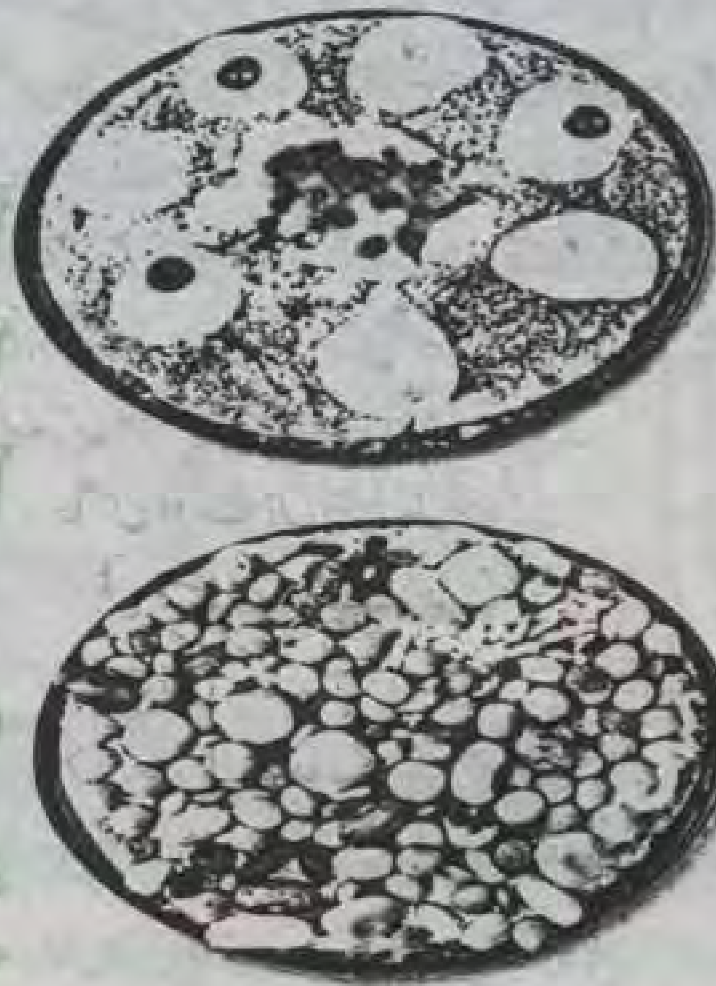
ایک خوبصورت اور حسین چہرہ یقیناً آپ کی شخصیت کو پُرکشش بنا دیتا ہے، لیکن کچھ خواتین قبل از وقت ہی عمر رسیدگی کے اثرات کا شکار ہو جاتی ہیں اور ان کے چہرے پر جھریاں بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی اگر ان کا وزن بڑھنے لگے تو چہرہ مزید بے رونق لگنے لگتا ہے۔

اس کی اہم اور بنیادی وجہ نامناسب غذا اور تھکن کا احساس ہے جو آپ کو وقت سے پہلے ہی بوڑھا بنا دیتا ہے، کبھی کبھی ہم ایسی مصنوعات کا استعمال کر لیتے ہیں جو ان جھریوں کو مزید بڑھا دیتی ہیں، اگرچہ عمر رسیدگی کے اثرات کو روکا تو نہیں جاسکتا لیکن اسے کم ضرور کیا جاسکتا ہے، اگر آپ کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے تو پریشان ہونے کے بجائے اپنی جلد کی قسم پر نظر ڈالئے۔

اگر جلد خشک ہے تو اس کے لئے ناریل کا تیل وغیرہ استعمال کر سکتی ہیں، ناریل کے تیل کے مساج سے جلد بے حد پُرکشش نظر آتی ہے، اگر آپ کی جلد چکنی ہے تو ایسی مصنوعات کا استعمال کیجئے کہ جو چکناہٹ کو خشک کر دیں، ساتھ ہی متوازن اور غذائیت سے بھرپور غذاؤں کا استعمال کیجئے، نہ صرف اپنے وزن کو کم کرنے کے لئے بلکہ جلد کی تروتازگی کے لئے بھی، زیادہ سے زیادہ مسکرایئے اور اپنی آنکھوں پر زیادہ زور مت دیجئے، کیونکہ اس سے آنکھوں کے گرد حلقے پڑ سکتے ہیں اور آپ کا چہرہ بے رونق نظر آتا ہے۔

پمپلز بھی آج کے دور کا اہم مسئلہ بن چکا ہے، وہ خواتین جن کا چہرہ بے حد صاف رہتا تھا، ان کے چہرے پر بھی اچانک پمپلز نمودار ہونے لگتے ہیں جو بعض اوقات مستقل نشانات کا سبب بن جاتے ہیں، ان خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے بیوٹی باکس پر نظر ڈالیں، بازار میں ہر روز ان گنت مصنوعات متعارف کروائی جا رہی ہیں لیکن ان تمام مصنوعات کا اثر وہ نہیں ہوتا جو کہ بتا جاتا ہے، بعض تو وہ آپ کی جلد کو بے پناہ نقصان پہنچانے کا سبب بن جاتے ہیں، اس لئے ہمیشہ برانڈ نام دیکھ کر معیاری مصنوعات کا انتخاب کیجئے تاکہ آپ ان مسائل کا شکار نہ ہوں۔

☆......☆......☆



باورچی خانہ

میٹھا میٹھا کھاؤ، میٹھا میٹھا بولو کیوں کہ میٹھے بول میں جادو ہے۔

چکن مصالحے دار

ضروری اشیاء:

مرغی کا گوشت......ڈیڑھ کلو
نمک......حسب ذائقہ
لہسن، ادرک پیسٹ......ایک کھانے کا چمچہ
دہی (پھینٹ لیں)......ڈیڑھ کپ
زیرہ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس......ایک کھانے کا چمچہ
تیل......ڈیڑھ کپ
پیاز (باریک چوپ کر لیں)......ایک کپ
لال مرچ پاؤڈر......ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹو پیسٹ......ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر......1/4 چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر......1/4 چائے کا چمچہ
ثابت لال مرچیں......تین عدد

ترکیب:

گوشت میں دہی، نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، لہسن، ادرک پیسٹ، زیرہ پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر، ٹماٹو پیسٹ لگا کر ایک یا دو گھنٹے رکھیں، تیل گرم کر کے پیاز اور ثابت مرچیں فرائی کریں، پیاز میں ہلکا سا کلر آجائے تو میرینیٹ کیا ہوا گوشت ڈالیں، ڈھکن لگا دیں اور درمیانی آنچ پر پکائیں، تیل الگ ہونے لگے تو بھون لیں، لیموں کا رس چھڑک کر سرونگ ڈش میں نکال لیں، اوپر سے ہری پیاز کا سفید حصہ کاٹ کر ڈالیں اور گرم گرم سرو کریں۔

☆......☆......☆

فرنچ ٹوسٹ

ضروری اشیاء:

ڈبل روٹی کے سلائسز......دو یا تین عدد
انڈا......ایک عدد
دودھ......دو کھانے کے چمچے
مکھن......ڈیڑھ چائے کا چمچہ
تیل......حسب ضرورت
چینی، دار چینی پاؤڈر......حسب پسند

ترکیب:

بریڈ سلائسز کو ترچھا کاٹ لیں، تمام سلائس پر ہلکا سا مکھن لگائیں، اس کو انڈے اور دودھ میں دار چینی پاؤڈر کے ساتھ کچھ دیر کے لئے ڈپ کریں اور ایک ایک کر کے گرم تیل میں ڈال کر فرائی کر لیں، اگر میٹھے فرنچ ٹوسٹ بنانا ہوں تو انڈے اور دودھ میں تھوڑی چینی ملا لیں یا پکنے کے بعد سلائسز پر پسی ہوئی چینی چھڑک دیں۔

☆......☆......☆

لوبیا گوشت

ضروری اشیاء:

گوشت............ڈیڑھ کلو
لوبیا (بھگودیں)............250 گرام
لال مرچ پاؤڈر............ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر............ڈیڑھ چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر............ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر (چوپ کرلیں)............دو عدد
پیاز (چوپ کرلیں)............دو عدد
لہسن، ادرک پیسٹ............دو چائے کے چمچے
نمک............حسب ذائقہ
تیل............ڈیڑھ کپ
ہرا دھنیا، ہری مرچیں............حسب ضرورت

ترکیب:

گوشت میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، لہسن، ادرک پیسٹ، پیاز، پانی، تیل، ٹماٹر ڈال کر پکائیں، لوبیا کو بھگو کر ابال لیں، گوشت گل جائے تو بھون کر لوبیا ڈالیں، تھوڑا پانی ڈال کر پانچ منٹ تک پکائیں، مزیدار لوبیا گوشت تیار ہے، سرونگ ڈش میں نکال کر ہرے دھنیے اور ہری مرچوں سے گارنش کر کے تافتان اور سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

☆......☆......☆

ویجی ٹیبل بروتھ

ضروری اشیاء:

پیاز (چوپ کرلیں)............ایک عدد
چقندر (چوپ کرلیں)............تین کپ
ہری پیاز (چوپ کرلیں)............دو عدد
شملہ مرچ (چوپ کرلیں)............ایک عدد
مشرومز (چوپ کرلیں)............ڈیڑھ کپ
سیب (چوپ کرلیں)............ایک عدد
مکھن............دو کھانے کے چمچے
تیل............دو کھانے کے چمچے
یخنی............آٹھ کپ
زیرہ............ایک چائے کا چمچہ
تیزپات............ایک عدد
لیموں کا رس، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر:......حسب ذائقہ

سجاوٹ کے لئے:

کریم............2/3 کپ
سویا............چند پتے

ترکیب:

ایک بڑے سوس پین میں پیاز، چقندر، ہری پیاز، شملہ مرچ، مشرومز، مکھن تیل، زیرہ، سیب اور تین کھانے کے چمچے یخنی ڈال کر ہلکی آنچ پر تقریباً پندرہ منٹ تک پکائیں، اس کے بعد اس میں زیرہ ڈال کر مزید ایک منٹ پکائیں، اب اس میں بقیہ یخنی تیز پات، لیموں کا رس اور نمک سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر ابال لیں۔

جب ابال آجائے تو آنچ ہلکی کر کے ڈھک کر مزید تیس منٹ کے لئے پکائیں۔

اب سبزیوں کو چھان کر علیحدہ کرلیں اور اس کا پانی محفوظ کرلیں، سبزیوں کو فوڈ پروسیسر میں ڈال کر سوس پین میں دوبارہ ڈال دیں اور محفوظ کیا گیا پانی شامل کرلیں، اچھی طرح گرم کریں اور سرونگ باؤل میں نکال کر کریم اور سویا کے پتوں سے سجا کر سرو کریں۔

☆......☆......☆



قارئین کے قلم سے

''ماہنامہ حیا'' کی قاریات کے لئے ایک رنگا رنگ انتخاب جو آپ کے بھیجے ہوئے شہ پاروں، ادبی نگارشات اور آپ کی اپنی تخلیقات سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ ''گلدستہ حیا'' آپ کی منتخب کی ہوئی خوشبو سے معطر ہے۔ تاہم تحریر کے انتخاب کے وقت اس کے معیار کا ضرور خیال رکھئے۔ تحریر صاف اور ایک لائن چھوڑ کر لکھئے۔ جس کتاب یا مصنف یا شاعر کے کلام سے تحریر اخذ کی گئی ہے اس کا حوالہ بھی ضرور دیجئے۔

سات کا عدد

جہاں تک سات کے عدد کی تخصیص کا سوال ہے تو اس کی وجہ شارع کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں، بلکہ اس کا علم توفیقی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت پر موقوف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کا ہی عدد فرمایا اور سننے والوں نے اسی کو نقل کیا، نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ سے تخصیص بیان فرمائی اور نہ سننے والوں نے دریافت کیا، جیسا کہ رکعات وغیرہ کے اعداد کا مسئلہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ سات ہی کا عدد بہتر اور مناسب ہے، اس کی حکمت اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ علامہ نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور کی تمام اقسام میں سے عجوہ کو خصوصیت دینا اور پھر سات کے عدد کے ساتھ مخصوص فرمانا یہ امور اسرار ہیں، جن کی حکمت ہم تو نہیں سمجھ سکتے، لیکن جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس پر اعتقاد رکھنا چاہئے۔

سات کے عدد میں عجیب نقطہ:...... بعض اہل علم نے نماز میں سات فرائض کی حکمت لکھی ہے کہ انسان کا جسم سات چیزوں سے بنا۔

(۱)...... مغز یعنی بھیجا۔(۲)......رگیں۔(۳)......گوشت۔(۴)......پٹھے۔(۵)......ہڈیاں۔(۶)......خون۔(۷)......جلد یعنی کھال، یہ سب سات ہوئے، ان ساتوں اجزا کے شکریہ میں سات فرض رکھے گئے، ہر ایک

چیز کا شکریہ ایک فرض۔

سات کے عدد کے متعلق علامہ ابن قیم کی تحریر:...... حافظ ابن قیم جوزی سات کے عدد کی حکمت بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ”رہ گئی سات کے عدد کی بات، تو اس کو حساب و شریعت دونوں میں خاص مقام حاصل ہے، خدائے وحدہ لاشریک نے سات آسمان بنائے، سات زمینیں بنائیں، ہفتے کے سات دن مقرر فرمائے، انسان کی اپنی تخلیق سات مرحلوں میں ہوئی، خدائے وحدہٗ لاشریک نے اپنے گھر کا طواف اپنے بندوں سے سات چکروں میں شروع کروایا، سعی بین الصفا والمروہ کے چکر بھی سات مرتبہ شروع کیے، عیدین کی تکبیریں سات ہیں، سات برس کی عمر میں بچوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب دلانے کا حکم ہوا، حدیث میں ہے (یعنی اپنے بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو) پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں سات مشکیزہ پانی سے غسل کرانے کے لئے فرمایا۔ خدائے تعالٰی نے قوم عاد پر طوفان سات رات تک جاری رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ خدائے پاک میری مدد فرما، ایسے سات سے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ خدا کی طرف سے صدقہ کا ثواب جو صدقہ دینے والوں کو ملے گا سات بالیوں سے (جو ایک دانہ سے اگتی ہیں جن میں سو دانہ ہوں گے) تشبیہ دی اور وہ خواب جو حضرت یوسف علیہ السلام کو بتایا، اس میں سات بالیاں ہی نظر آئیں اور جن سالوں میں کاشت نہایت عمدہ ہوئی، وہ سات تھے اور صدقہ کا اجر سات سو گنا تک یا اس سے بھی زائد، سات کے ضرب کے ساتھ ملے گا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ سات کے عدد میں ایسی خاصیت ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اس میں عدد کی ساری خصوصیات مجتمع ہیں اور اطباء کا سات کے عدد سے خاص ربط ہے، خصوصیت سے ایام بحران میں بقراط کا مقولہ ہے، دنیا کی ہر چیز سات کے اجزاء پر مشتمل ہے، ستارے سات ایام سات، بچوں کے طفولیت کی عمر سات، پھر چودہ سال، پھر مراہق، پھر جوان، پھر کہولت، پھر شیخ، پھر ہرم اور خدائے پاک کو ہی اس عدد کے مقرر کرنے کی حکمت معلوم ہے، اس کا مطلب وہی ہے جو ہم نے سمجھایا، ہمارا پیغمبر جن کی ہر بات یقینی اور قطعی اور کھلی دلیل وحی ایسی ہو، اس کا قبول و تسلیم کرنا تو بہر حال ان اطباء سے زیادہ حسن قبولیت کا مستحق ہے، نہ کہ اعتراض کا مقام ہے۔“

☆......☆......☆

مثالی دنیا

دنیا کے کاموں میں اہل دنیا کا مشغول ہونا اور آخرت کو بھول جانا، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے آدمیوں کی ایک جماعت کشتی میں ہو اور کشتی کسی جزیرے میں پہنچے، وہ جماعت حاجت انسانی اور طہارت جسمانی کے واسطے کشتی سے باہر آئے اور کشتی بان نے منادی کر دی ہو کہ کوئی بھی شخص زیادہ دیر نہ لگائے، طہارت کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہو کیوں کہ کشتی جلد روانہ ہو جائے گی اور یہ لوگ اس جزیرہ میں جا کر پراگندہ ہو گئے، ایک گروہ جو بہت عقلمند تھا، اس نے پھرتی سے طہارت کر لی اور واپس آ گیا، کشتی خالی پائی جو جگہ اپنے موافق نظر آئی، لے لی اور ایک گروہ اس جزیرہ کے عجائبات دیکھنے کو ٹھہر گیا، وہاں خوش رنگ پھول اور خوش آواز جانور اور سنگریزے منقش اور رنگا رنگ دیکھنے لگا، پھر جب آیا تو کشتی میں کشادہ جگہ نہ پائی، تنگ و تاریک جگہ میں بیٹھا اور تکلیف اٹھائی، ایک گروہ نے عجائبات دیکھنے پر بھی کفایت نہ کی، وہاں سے عمدہ عمدہ سنگریزے چن لایا اور کشتی میں رکھنے کی جگہ نہ پائی، تنگ جگہ میں تو آ بیٹھا اور سنگریزوں کو اپنی گردن پر رکھ لیا، جب دو دن گزرے، سنگریزوں کا عمدہ رنگ بدل کے سیاہ ہو گیا اور بدبو آنے لگی تو ان

بدرنگ اور بدبودار سنگریزوں کے پھینکنے کی بھی نہ جگہ ملی، وہ گروہ پریشان ہوا اور اس بوجھ اور تکلیف کو اپنی گردن پر لادنا پڑا اور ایک گروہ اس جزیرے کو دیکھ کر ایسا متحیر ہوا کہ وہ انہیں دیکھتا ہی رہا اور کشتی چل نکلی، وہ دور پڑا رہا، کشتی بان کا پہلا کہا نہ سنا، اسی جزیرے میں پڑا رہا، یہاں تک کہ اس گروہ کے باقی آدمی بھوک کے مارے مر گئے اور بعضوں کو درندوں نے ہلاک کر ڈالا، پہلا عقلمند گروہ پرہیزگاروں کے مثل ہے، پچھلا گروہ جو ہلاک ہوا، وہ کافروں کی مانند ہے کہ اپنے آپ کو خدا اور آخرت کو بھول کر اپنے آپ کو بالکل دنیا کے حوالے کر دیا۔ **استحبوا الحیوۃ الدنیا علی الاخرۃ**:...... انہوں نے دوست رکھا دنیا کی زندگی کو آخرت کے بارے میں اور بیچ والے دونوں گروہ گنہگاروں کی مانند ہیں کہ اصل ایمان محفوظ رکھا لیکن دنیا سے ہاتھ نہ کھینچا، ایک گروہ نے مفلسی کے ساتھ سیر کی، حظ اٹھایا، ایک نے سیہ کاری کی اور سنگریزے لے کر اپنے آپ پر بوجھ لادا۔

(انتخاب:...... رافعہ میمونہ بی بی)

☆......☆......☆

امیر المومنین سے نوعمر لڑکے کی گفتگو

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی کو جب خلافت ملی تو ملک کے مختلف اطراف سے لوگ مبارک باد دینے کے لئے آئے، ان میں حجازی لڑکا بھی تھا، جو بالکل نوعمر تھا، خلیفہ نے کہا: ”اے لڑکے! کسی اپنے سے بڑی عمر والے کو گفتگو کرنے کے لئے پیش کرو۔“ لڑکے نے کہا: ”امیر المومنین! جب اللہ تعالٰی بندے کو بولنے والی زبان اور ذکر کرنے والا دل عطا کرے تو وہ کلام کا مستحق ہو جاتا ہے اور اے امیر المومنین! اگر عمر کا لحاظ ہوتا تو اس وقت امت میں جو آپ سے بڑی عمر والے ہیں، وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہوتے۔“ امیر المومنین نے کہا: ”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“ لڑکے نے کہا: ”ہم مبارک باد پیش کرنے کے لئے آئے ہیں، اللہ تعالٰی نے ہم پر احسان کیا ہے کہ آپ جیسا عادل و منصف خلیفہ ہم پر مقرر کیا ہے۔“ امیر المومنین نے کہا: ”اے لڑکے! کوئی اور بات؟“ لڑکے نے کہا: ”بہت سے ایسے بادشاہ گزرے ہیں جو اللہ تعالٰی کے حلم (برداشت) پر مغرور ہو گئے ہیں اور اس سے غافل ہو گئے کہ اللہ تعالٰی کی لاٹھی بے آواز ہے، خوش آمدی مصاحبوں نے ان کو رعایا کے حالات سے غافل کر کے نفسانی خواہشات پورا کرنے میں پھنسا دیا ہے، بے شک ایسے لوگ جلتی ہوئی آگ کا ایندھن ہیں۔ اے امیر المومنین! ہماری دعا ہے کہ آپ ایسے لوگوں میں داخل و شامل نہ ہوں، بلکہ دعا ہے کہ اللہ تعالٰی اس امت کے نیک لوگوں کے ساتھ آپ کا حشر کرے۔“ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس لڑکے کی عمر پوچھی تو معلوم ہوا کہ صرف گیارہ سال ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس نوعمر لڑکے کی دانش مندانہ گفتگو سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ”کاش! آج ایسے صاف گو اور دانش مندانہ بچے ہماری قوم میں پیدا ہوتے، جن کی عقل و دانش سے بڑے بڑے لوگوں کے ضمیر روشن ہوتے۔“

☆......☆......☆

قیمتی باتیں

بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول ہے کہ جو شخص آٹھ باتوں سے عاجز آ جائے تو وہ دوسری آٹھ باتیں اختیار

کرے، تاکہ وہ اس کی فضیلت پالے، پہلی یہ کہ جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ سوئے سوئے ہی نماز تہجد کا ثواب پالے، وہ دن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ دوسری یہ کہ جو آدمی چاہتا ہے کہ روزہ رکھے بغیر نفل روزہ کا ثواب حاصل کرے تو وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ تیسرے یہ کہ جو شخص چاہتا ہے کہ علماء کا درجہ حاصل کرے، وہ تفکر اختیار کرے۔ چوتھی یہ کہ جو گھر بیٹھے ہی نمازیوں اور مجاہدوں کا ثواب چاہتا ہے، وہ شیطان سے جہاد کرے۔ پانچویں جو ناداری کے باوجود صدقہ کا اجر لینا چاہتا ہے، وہ اپنا سیکھا ہوا علم لوگوں کو سکھائے۔ چھٹی یہ کہ جو حج سے عاجز آنے کے باوجود اس کی فضیلت چاہتا ہے، وہ جمعہ کی حاضری کا پابندی سے اہتمام والتزام کرے۔ ساتویں یہ کہ جو عبادت گزاروں کا درجہ لینا چاہتا ہے، وہ لوگوں کی باہم مصالحت کرائے اور ان میں عداوت اور بغض پیدا نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ جو ابدال کا درجہ چاہتا ہے، وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے اور اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند ہو۔

(انتخاب:......بنت حافظ محمود قریشی، لیاقت آباد، کراچی)

☆......☆......☆

توبہ کب تک قبول ہوگی؟

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں، جب تک اسکی غرغرہ کی حالت نہ ہوجائے۔

حضرت قتادہؓ نے بیان کیا ہے کہ ہم حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں تھے اور وہاں حضرت ابوقلابہ بھی موجود تھے، حضرت ابوقلابہؓ نے یہ حدیث بیان کی، جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ملعون قرار دیا تو ابلیس نے مہلت مانگی اور کہا: ''اے اللہ تیری عزت اور جلال کی قسم، میں ابن آدم کے دل سے نہیں نکلوں گا۔ (استغفر اللہ اللھم استعاذمنہ) جب تک اس میں روح ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری عزت کی قسم، میں ابن آدم کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھوں گا، جب تک اس میں روح ہوگی۔'' سبحان اللہ، یا اللہ ہمیں توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرما۔ (آمین)

(انتخاب:......معلمہ م ف بنت سید زاہد حسین شاہ، معلمہ ف ن بنت محمد نواز، گجرات)

☆......☆......☆

قبروں کے شکستہ ہوجانے پر رحمت الٰہی

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الرحمۃ المہداۃ'' میں ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقبرہ پر گزرے جس میں نئی سی قبریں بنی ہوئی تھیں اور پاس گئے تو معلوم ہوا کہ اکثر معذب ہیں، دعا کی اور آگے گزر گئے، کچھ عرصے بعد پھر وہاں سے گزر ہوا جبکہ قبریں شکستہ ہوگئی تھیں، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب کے سب مغفور اور روح وریحان میں ہیں، حیرت ہوئی اور جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ مرنے کے بعد ان کا کوئی عمل تو ہو انہیں پھر مغفرت کا سبب کیا ہوا، فرمایا: جب ان کی قبریں شکستہ ہوگئیں اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ رہا تو مجھے رحم آیا اور مغفرت کردی۔

☆......☆......☆

دوسال تک نام یاد نہ ہوا

حضرت مولانا احتشام حسین کاندھلوی کے نانا شیخ احمد حسن بڑے باخدا لوگوں میں سے تھے، جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو حضرت نانوتوی نے اعلان کیا کہ دارالعلوم کا سنگ بنیاد میں ایسی ہستی سے رکھواؤں گا جس نے ساری زندگی کبیرہ گناہ تو کیا کرتا کبیرہ گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا، لوگ یہ سن کر حیران ہوگئے، پھر حضرت نانوتویؒ نے شیخ احمد حسن سے درخواست کی کہ وہ سنگِ بنیاد رکھیں، حضرت حسن کثرت ذکر کی وجہ سے اکثر اوقات عالم جذب میں ہوتے تھے، آپ کی خدمت میں آپ کا داماد دوسال تک رہا اور آپ کو اس کا نام یاد نہ ہوا، جب کبھی وہ سامنے سے گزرتا تو پوچھتے، ارے میاں تم کون ہو؟ وہ عرض کرتا کہ اللہ کا بندہ فرماتے۔ ''ارے میاں سبھی اللہ کے بندے ہیں، تم کون ہو؟'' وہ عرض کرتا کہ حضرت آپ کا داماد اللہ کا بندہ ہوں، فرماتے، اچھا اچھا، دوسال تک یہی سوال جواب ہوتے رہے، مگر اللہ کا نام دل پر اتنا چھاچکا تھا کہ اب کسی کا نام یاد نہ ہوتا تھا۔

☆......☆......☆

جو تیرے اختیار میں ہے تو وہ کر

کہتے ہیں کہ ایک شخص بہت زیادہ شراب پیا کرتا تھا، اس نے ایک مرتبہ اپنے ہم پیالہ لوگوں کو جمع کیا اور ایک لڑکے کو چار درہم دیئے کہ ان کے لئے پھل خرید لائے، بچے کا گزر منصور بن عمار کی مجلس کے دروازے پر ہوا، منصور ایک محتاج کے لئے کچھ مانگ رہے تھے اور کہہ رہے تھے، جو کوئی اسے چار درہم دے گا، اس کے لئے چار دعائیں کروں گا، یہ سن کر بچے نے چاروں درہم اسے دے دیئے، منصور نے کہا، تو کیا کیا دعا کرانا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا ایک آقا ہے، جس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں، منصور نے دعا کی اور کہا، اور کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میرے درہموں کے بدلے اور درہم دے دے، انہوں نے دعا بھی کردی، پھر کہا، اور کیا؟ اس نے کہا کہ اللہ میرے آقا کی توبہ قبول کرلے، انہوں نے یہ بھی دعا کردی اور پھر پوچھا، اور کیا، اس نے کہا، اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے آقا کو اور آپ کو اور جو لوگ یہاں موجود ہیں، ان کو معاف کردے، منصور نے یہ دعا بھی کردی، اس کے بعد وہ لڑکا اپنے آقا کے پاس لوٹ گیا۔ آقا نے پوچھا، تو نے دیر کیوں لگائی، اس نے سارا قصہ سنادیا، آقا نے کہا، انہوں نے کیا دعا کی، اس نے کہا، میں نے آزاد ہونے کی درخواست کی تھی، آقا نے کہا، جاؤ تم آزاد ہو، دوسری دعا کون سی تھی؟ کہا، یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان درہموں کے بدلے درہم اور دے دے، آقا نے کہا، یہ لو چار ہزار درہم، پھر کہا، تیسری دعا کون سی تھی؟ اس نے کہا، یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ قبول کرلے، اس نے کہا، میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، پھر کہا، چوتھی دعا کون سی تھی، کہا، یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں، مجھے، قوم اور نصیحت کرنے والوں کو معاف کردے، آقا نے کہا، یہ میرے اختیار میں نہیں، جب رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے، جو کچھ تمہارے اختیار میں تھا، تو نے کردیا، کیا تیرا خیال ہے کہ جو کچھ میرے اختیار میں ہے، میں نہیں کروں گا؟ میں نے تجھے، غلام کو اور منصور بن عمار کو اور ان لوگوں کو جو وہاں موجود معاف کردیا۔

(انتخاب:......حفصہ اکرم، جامعۃ الصفہ، سعید آباد، کراچی)

حیا کی محفل





محترم قارئین وقاریات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے کہ آپ سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔

عجیب زمانہ آگیا ہے، نفسانفسی کا عالم ہے، کوئی کسی پر اعتماد اور اعتبار کرنے کو تیار نہیں، بھائی بھائی کو دھوکہ دے رہا ہے...... جھوٹ، فریب، دھوکہ بازی، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، وعدہ خلافی...... اور اس جیسی بہت سی برائیاں معاشرے میں پھیل چکی ہیں، جس کو جہاں موقع ہاتھ لگتا ہے دوسرے کو نقصان پہنچانے میں دیر نہیں کرتا۔ لیکن اس گئے گزرے دور میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ان برائیوں سے اپنا دامن بچائے ہوئے ہیں، ایسے لوگ اگرچہ تھوڑے ہیں لیکن، ہیں ضرور......

کیا آپ کا کبھی ایسے فرد سے واسطہ پڑا ہے، جس نے اس گئے گزرے دور میں بھی ایسا عمل کیا ہو جس نے آپ کے دل و دماغ میں گہرے نقوش چھوڑے ہوں...... ایسے ''گوہر نایاب'' کے بارے میں اپنے دل و دماغ کے نقوش کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ماہنامہ حیا کو ارسال کریں، آپ کی یہ تحریر آپ کے نام اور شکریہ کے ساتھ شائع کی جائے گی۔

حیا رسالہ کیسا لگا اور اس کو پھیلانے میں کیا کردار ادا کیا، ضرور بتائیے گا۔

آپ کے خطوط کی منتظر

مہرافروز مہر

⊠ بنت سید زاہد حسین شاہ، گجرات سے لکھتی ہیں: محترمہ و مکرمہ مدیرہ صاحبہ! امید ہے آپ بمع اسٹاف خیریت سے ہوں گی اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور یونہی ہمیشہ آپ سے دین کا کام لیتا رہے، تقریباً چار سال پہلے جب میں ''درجہ عالمیہ'' میں تھی تو ''حیا'' کو پہلی بار پڑھنے کا موقع ملا، تب سے اب تک اس دینی رسالہ سے بے حد لگاؤ رکھتی ہوں اور طالبات کو (جو مدرسے آنے سے پہلے) فضول غیر شرعی رسالے پڑھ کر اپنا وقت ضائع کرتی اور گناہ کا ارتکاب کرتی تھیں، ''حیا'' کے پڑھنے کی

ترغیب دیتی ہوں، الحمدللہ کئی طالبات اب ''حیا'' کی قاریہ ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو، مجھے اور سب مومنات و مومنین کا خاتمہ بالخیر فرمائے، پہلی حاضری میں ''گلدستہ حیا'' میں چند باتیں ارسال کر رہی ہوں، شائع کر کے حوصلہ افزائی کریں، اگر قابل اشاعت ہوں تو۔

✍ بنت زاہد حسین صاحبہ، حیا کی پسندیدگی کا شکریہ، اللہ تعالیٰ آپ کی کوشش اور محنت کو قبول فرمائے، آپ کی تحریر عنقریب حیا کی زینت بن جائے گی۔

☆......☆......☆

⊠ آمنہ بنت طفیل، سعید آباد بلدیہ ٹاؤن سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید اور دعا ہے کہ آپ اور ''حیا'' سے وابستہ تمام معاونین خیر و عافیت سے ہوں گے۔ اکتوبر کے شمارے میں اپنی شائع کی ہوئی تحریر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ (آمین)...... اس فانی دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں، جن پر اللہ رب العزت نے خاص رحمت کی نظر ڈالی ہوئی ہے اور انہیں اپنے پیارے اور پُرنور گھر کی زیارت نصیب فرمائی، ایسے تمام خوش نصیب انسانوں کو میری طرف سے دل کی گہرائیوں سے بیت اللہ شریف کی زیارت کی مبارک ہو۔ اللہ رب العزت سب کو اپنے پُرنور گھر کی زیارت بار بار نصیب فرمائیں۔ (آمین)...... ان خوش نصیب لوگوں میں ایک ''حیا'' کی رائٹر ''حفصہ بنت محمد اکرم'' بھی شامل ہیں، اب آتی ہوں حیا رسالے کی طرف۔ ''عفرا محمد'' کی تحریر نہایت پسند آئی، اس کے علاوہ سعیدہ اقبال کی تحریر نے نہایت متاثر کیا ''میمونہ نامی'' معصوم اور بھولی بھالی بچی نے اپنے والد کو گناہوں کے دلدل سے نکال کر آخرت کی روشنیوں کی طرف توجہ دلائی، اس میں نوجوان نسل کے لئے بھی سبق ہے کہ جوانی میں ایسا عمل کریں کہ لوگ اس نیک عمل کو دیکھ کر معاصیتوں کو چھوڑ دیں۔ ہادیہ رحمان کی تحریر ''ماحول کا اثر'' پڑھ کر ایک سبق حاصل ہوا، اگر کسی کو برائی میں مبتلا دیکھیں تو منع کریں، اس کی طاقت نہ ہو تو اس کے حق میں ہدایت کی دعا لازمی کریں۔ سب سے زیادہ ''مریم حسن'' کی تحریر پسند آئی، ان سے التماس ہے کہ مزید ایسی تحریریں پیش کریں، جس سے پریشان حال لوگ، اپنی پریشانی کو کم کر سکیں، مجھے خوشی ہوگی کہ اگر آپ میری بھیجی ہوئی تحریر کو شائع کر کے میرا حوصلہ بڑھائیں گی۔ ''حیا'' کی تمام ٹیم اور ''حیا'' کی تمام قاریات کو میرا خصوصی سلام۔ دعاؤں میں یاد اور اپنا خیال رکھئے گا، آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت ''حیا'' کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں اور آپ کو اپنا فضل عظیم و اجر عظیم عطا فرمائیں، آمین۔

✍ حفصہ بیٹی کو ادارہ حیا اور قارئین حیا کی طرف سے بھی مبارک باد۔

☆......☆......☆

⊠ فصیحہ بنت عمر فاروق، میرپور خاص سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! باجی جان، مجھے اللہ رب العزت سے امید ہے، آپ اور آپ کا پورا اسٹاف اللہ رب العزت کے خاص فضل و کرم سے خوش و خرم ہوگا۔ ماشاءاللہ ''حیا'' رسالہ بہت زبردست جا رہا ہے، تمام سلسلے زبردست ہیں، باجی جان، میں نے ''حیا'' کے پرانے رسالے پڑھے ہیں، یعنی 2006-2005ء کے، ہر رسالے میں اشتیاق احمد صاحب کے ناول ہیں، اب کیوں نہیں ہوتے ان کے ناول؟ باجی آپ ان سے کہیں کہ وہ ہمارے رسالے کے لئے بھی کچھ لکھیں نا۔ سلسلے وار کہانیوں میں مریم غازی کی کہانی بہت اچھی ہے، خیر ابھی تو دو ہی قسطیں پڑھی ہیں، تعریف بعد میں کریں گے، آخر میں رسالے کے لئے ایک شعر غرض ہے۔

تم سے وابستہ کچھ ایسا سلسلہ پھولوں کا زندگی بھر ساتھ جیسے قافلہ پھولوں کا ہے

☆......☆......☆

طیبہ اکرم بھنڈیوالی، مظفر آباد سے لکھتی ہیں: محترمہ مدیرہ ماہنامہ ''حیا'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ کے حکم سے، آپ اور آپ کی معاون ٹیم خیر وعافیت سے ہوں گی، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے معاونین کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ ''ماں نمبر'' جولائی کا شمارہ ملا، اتنا پیارا ''ٹائٹل'' جس کو دیکھ کر آنکھوں کے سامنے ایک منظر گھومتا رہا، ''ماں، رحمتوں کی کہکشاں'' واقعی ماں کہنے کو تو ایک لفظ ہے، لیکن ماں وہ ہستی ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں، ماں سارے جہاں میں خود دکھ سہتی ہے لیکن اولاد پر آنچ نہیں آنے دیتی، ماں ہی وہ عظیم ہستیاں جو پیغمبروں کو جنم اور عظیم مجاہدینوں تک کی پرورش کرتی آئی ہے، ماں وہ مقدس ہستی ہے جس کے پاؤں تلے جنت ہے، ماں کی دعا ابھی زمین پر ہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ماں کی پکار پر لبیک کہہ دیتا ہے، غرض ماں سب کچھ ہے، ماں پر کیسی ہی مشکل آجائے، لیکن وہ اپنی اولاد کی خواہشات ضرور پوری کرتی ہے، لیکن آج ہم ماڈرن دور میں آگئے ہیں، ہمیں ماں باپ کی قدر و قیمت کا نہیں پتہ، ہم بالکل اپنے آپ کو ایک ایسے کٹہرے میں لے آئے ہیں جہاں ہمارے پاس والدین کے لئے بھی ٹائم نہیں ہوتا ہے، والدین ہی دکھ سکھ میں سب سے پہلے دنیا میں شامل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کو اپنے والدین کا فرمانبردار بنائے اور ہمیں دنیا و آخرت میں کامیابی عطا فرمائے۔ ماں نمبر بہت اچھا لگا، تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ ''مجھے میری امی واپس منگا دوں'' نے رُلا دیا، ہم یا ہمارے حکمران کیوں اتنے بے حس ہوگئے ہیں، آخر کب تک عافیہ کو دوسروں کی قید میں رکھیں گے، کب تک خاموش بنے سب کچھ دیکھتے رہیں گے، پاکستانیو! وقت سے پہلے بیدار ہو جاؤ، کہیں بعد میں ہمارے ہاتھوں پچھتاوا ہی نہ رہ جائے، آخر میں تمام قارئین، شیرین گل آنٹی کو سلام۔

طیبہ صاحبہ، ''ماں نمبر'' کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☆......☆......☆

رافعہ میمونہ بی بی، ڈھوگ رتہ راولپنڈی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید کرتی ہوں کہ آپ بفضل خداوندی ٹھیک ٹھاک ہوں گی، اللہ کریم آپ کو اور ''حیا'' کے پورے اسٹاف کو حوادث دنیا سے بچائے۔ (آمین)...... اکتوبر کا شمارہ ملا، اس کا ''سرورق'' ماشاءاللہ بہت حسین تھا، دل کر رہا تھا کہ بس بندہ دیکھتا ہی رہے، اتنا خوبصورت منظر ہے، کتنی دیر اسی کو ہی دیکھتی رہ گئی اور دل سے ایک ہوک سی اٹھی کہ رب ہمیں بھی بلائے اپنے خوبصورت گھر میں، کب ہمارے قدم اٹھے اور ہم وہاں پہنچ جائیں۔ ''آواز حیا'' تو ہمارے دل کی آواز ہے، اللہ کریم ہمیں نبی پاکؐ سے سچی محبت والفت نصیب فرمائیں، یہ جو ہمارے پیارے نبیؐ کی حرمت پر بار بار حرف اٹھایا جارہا ہے، اس کا واحد حل یہ ہے کہ ہم سب اپنی اپنی ذمہ داری پوری کریں، اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال کو سنت کے رنگ میں ڈھالیں، خود بھی سنت رسولؐ سے آراستہ ہوں، اگر یہ یہود ونصاریٰ ہمارے پیارے نبیؐ کا دل دکھاتے ہیں تو کم از کم ہم مسلمان تو ان کا دل نہ دکھائیں، آج کا مسلمان بھی سنت سے اعراض کرکے اپنے پیارے نبیؐ کا دل ہر وقت دکھاتا رہتا ہے، اللہ کریم ہمیں سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ (آمین)...... ''فرمان الٰہی'' اور ''نور نبوت'' بھی ہمیشہ کی طرح اپنا نور بکھیرے ہوئے تھے۔ ''دعوت تبلیغ کے کام میں عورتوں کا کردار''، ''نماز پر محنت کیجیے''، ''اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں''، ''فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب''

اور ''رسول اعظمؐ''...... بہت بہترین مضمون تھے، اللہ کریم عمل کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)...... ''عقیدتوں کا سفر'' بہت بہترین تحریر تھی۔ ''ایک زندگی ایک کہانی'' ہمیشہ کی طرح اچھی تھی۔ کیا یہ سچے واقعات تحریر کرتی ہیں یا کہانی لکھنے کی حد تک ہیں۔ ضرور بتایئے گا۔ ہادیہ رحمٰن کی ''ماحول کا اثر'' بھی بہترین کاوش تھی، مریم غازی کی کہانی ''تیرے عشق کی انتہا چاہئے'' بہت اچھی ہے، بنت مولانا عبدالمجیدؒ کی ''انبیاء کے دیس میں'' بہت ہی معلوماتی اور دلچسپ تحریر ہے، پڑھ کر واقعی مزہ آیا اور معلومات عامہ میں بھی اضافہ ہوا۔ ''میری پسند'' میں تمام اشعار اور نظمیں بہترین تھیں۔ ''گلدستہ حیا'' کی تمام تحریریں لاجواب تھیں۔ ''گھر کہانی'' بھی بہترین تھی، آج کل ماحول میں ایسی کہانیاں بہت وجود میں آرہی ہیں، باقی سب تحریریں بھی بہترین تھیں۔

''ایک زندگی ایک کہانی'' میں پیش کردہ تمام واقعات سچائی پر مبنی ہوتے ہیں۔

☆......☆......☆

فاطمہ اسحاق، طیبہ احمد، ارم جمیل، کمالیہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! باجی کیسی ہیں، امید ہے کہ ٹھیک ہی ہوں گی، اکتوبر 2012ء کا رسالہ ملا، کھول کے جیسے ہی دیکھا تو اپنا نام سامنے پایا تو دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی تحریر ہم نے آٹھ ماہ پہلے بھیجی لیکن شائع اب ہوئی، جس پر آپ کو خط لکھنا کا یاد آیا، مجھے ''حیا'' رسالہ بہت پسند ہے، ہر ماہ اس کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ ''حیا کی محفل'' میں پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں، امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گی، اللہ پاک ''حیا'' رسالے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائیں۔ آمین

☆......☆......☆

بنت حافظ محمود قریشی، کراچی سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ آپ خیر وعافیت ہوں گی، سب سے پہلے ادارہ ''حیا'' کو اس بہترین اقدام پر مبارکباد پیش کرتی ہوں، کیونکہ آپ کی اور معاونین کی کاوشوں سے ماہ جولائی میں ''ماں نمبر'' ماشاءاللہ بہت زبردست تھا اور توقع سے بڑھ کر ملا، اس کے تمام مضامین انتہائی دلچسپ اور اثر انگیز تھے، جس میں ماں کے جذبات واحساسات کو مختلف انداز میں اجاگر کیا گیا، جس میں ماؤں کے لئے اولاد کی بہترین تربیت کا اور اولاد کے لئے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا پیغام تھا، تحریروں میں سب سے بہترین تحریر ''ماں ایک انمول تحفہ'' یاسمین سردار کی تھی۔ ''ماں کی تڑپ'' صبا یونس کی سبق آموز تھی۔ ''اے ماں! تیری عظمت کو سلام'' اچھی تھی، اللہ ہر ماں کو ایسا ہی ایمانی جذبہ عطا کرے۔ ''مجھے میری امی واپس منگادو!'' پڑھتے ہی دل کی کیفیت عجیب ہوگئی اور آنسو نکل آئے، اللہ رب العزت ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو رہائی نصیب فرمائے۔ (آمین)...... ''فقط تیری کمی ہے'' اولاد کی ماں سے دلی وابستگی کا ثبوت تھی، انسان کو ماں کی ہوک وتڑپ اٹھتی ہی رہتی ہے۔ ''ایک ماں کی دعا'' ماں کی اولاد سے محبت اور اس کی اچھی تربیت میں کوشاں رہنے کا ثبوت تھی۔ ''ماں!'' بنت مولانا عبدالمجیدؒ کی قابل تحسین تحریر تھی، اس کے علاوہ ''میری ماں''، ''اتنی جلدی''، ''دل کے معبد میں'' اور ''ایک ماں کا صبر'' سب تحریریں شمارے کی جان اور قابل تعریف تھیں۔ ''گلدستہ حیا'' بھی زبردست تھا۔ سب سے بہترین انتخاب عمارہ جمیل کا ''رحمتوں کی کہکشاں میری ماں'' تھا۔ ''ماں! تجھے سلام'' فریحہ اشرف کمالوی۔ ''بے مثال محبت'' آمنہ لیاقت علی اور ''ماں'' بنت سمیع اللہ کا انتخاب بھی خوب تھا۔ ''میری پسند'' نے مزید ''ماں نمبر'' کو چار چاند لگادیے۔ ہمارے گھر میں سب کو ''ماں نمبر'' بہت پسند آیا، اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اس رسالے کو مزید دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس کے معاونین کو دین ودنیا کی بھلائیاں نصیب فرمائے۔ آمین

آخر میں راحت باجی کے لئے ایک شعر:

خدا کرے تیری زندگی کی راہوں میں ہزاروں پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

"ماں نمبر" پسند کرنے کا بہت بہت شکریہ۔

☆......☆......☆

بنت محمد الیاس نیازی، گوجرانوالہ سے لکھتی ہیں: السلام علیکم! بعد سلام مسنون، خدائے دو جہاں سے آپ سب لکھنے اور پڑھنے والوں کی خیریت وعافیت اور سلامتی ایمان کی دعا گو ہو، آپ نے میرا خط "حیا کی محفل" میں شائع کیا، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے ہمارے ناتواں اور چُنے مُنے کندھوں پر مزے اور زبردست تبصرے کے ستارے جڑ دیئے، ہمیں خوش آمدید کہا، جس کی ہم جیسے سر پھروں کو اُمید نہ تھی، بھلا ہو آپ کا، جو ہمیں برداشت کیا، بہت شکریہ، اُمید پر یقین کے ساتھ ڈاک والوں کی مہربانی کی بدولت میرا دوسرا خط یقیناً نہیں ملا ہوگا، ہائے اللہ "حیا کی محفل" کی قاریات یقیناً ہمارے سر پھرے خط کا انتظار کرتی ہوں گی (خوش فہمی)، لیکن ہم بھی اپنی دھن کے پکے ہیں، آئیں گے اور بار بار آئیں گے۔ اکتوبر کا شمارہ حسب معمول 8 تاریخ کو ہمارے ہاتھ آیا، بندہ پوچھے، اوہ بھلیو لوگو! 8 کو رسالہ ملے، ایک آدھ دن پڑھنے میں لگے اور اگر ہم دنیا کی سست ترین قوم پہاڑ میں جوئے شیر کھود کر تبصرہ لکھ ہی دے تو ڈاک والے ساری امید ملیامیٹ کر کے خط پر سانپ (ناجی نا) سانپ نہیں، جائیداد سمجھ کر لے کر بیٹھ جاتے ہیں، اور اگر CID والے آ گئے تو، اوہ خدا کے بندو، جلدی پوسٹ کیا کرو، ورنہ ہم کہیں پاگل ہی نہ ہو جائیں انتظار کر کر کے، ویسے آپس کی بات ہے، پاگل ہونے والا چکر حقیقتاً کوئی نہیں، کیونکہ گھر والے اور خصوصاً ہمشیرہ صاحبہ شمشیر بکف مجاہدہ اعظم ہمیں کئی مرتبہ پاگل پنے کے اعزازات وخطابات سے نواز چکی ہیں، ویسے ہم کتنے مظلوم ہیں نا، یقیناً آپ کو ہم سے ہمدردی ہوگی، اب ہم ہمشیرہ محترمہ کو کیا کہہ سکتے ہیں، خیر سے تبصرہ اس دفعہ نہیں کروں گی، کیونکہ ایک منٹ کی بھی فرصت نہ تھی اور نہ ہی ہے، کیونکہ ہمارے پیارے بھیا اور ہمشیرہ محترمہ (سوغات) دونوں کی نسبتیں طے ہو چکی ہیں، دو تین ماہ بعد ان شاء اللہ شادی کرنے کا ارادہ ہے، آپ سب سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ آسانی کا اور خیر کا معاملہ فرمائیں، چلیں اچھا ہوا ظالم قوم سے جان چھوٹ جائے گی، ہماری ہمشیرہ کو نہ پتہ چلے، ورنہ شامت آ جائے گی، اب آتے ہیں، ننھے منے اور چھوٹے سے تبصرے کی طرف۔ اکتوبر کے شمارے میں صفحہ نمبر 208 پر آرائش جمال میں باقاعدگی سے بال تراشنے کا مشورہ دیا گیا ہے، کیا عورت اپنے بال تھوڑے تھوڑے تراشوا سکتی ہے، ہمارے اپنے بال ایک تو دو موہنے ہیں، دوسرا گرتے بہت ہیں، مہربانی ہوگی، اگر اس بارے میں کوئی مفصل مضمون شامل اشاعت ہو کہ عالم اس سلسلے کیا کہتے ہیں، ورنہ عنقریب ہمارے سر چٹیل میدان کا روپ دھار لے گا اور ویسے گنجے سر پر جب تابڑ توڑ حملے ہوتے ہیں تو پھر آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا ہے، لہٰذا بڑی مہربانی اس سے پہلے کہ ہمارا بھی یہ حال ہو، رہنمائی کی جائے۔ نبی پاک کی شان میں ایک بار پھر گستاخی کی گئی ہے، دجال کے چچوں نے اتنی چالاکی اور عیاری سے وہ فلم تیار کی ہے کہ مسلمان جب بھی نبی پاکؐ کے بارے میں سوچیں تو وہ تصویر ذہن میں آ جائے، بیڑہ غرق ہو بنانے والوں کا اور نشر کرنے والوں کا، امریکہ کو ایک اسامہ چاہئے تھا، اس نے تین ممالک کو جنگ کی بھٹی کا ایندھن بنا دیا، 57 اسلامی ممالک کچھ بھی نہ کر سکے، امریکہ نے پاکستان میں گھس کر اسامہ کو تلاش کیا اور لے گیا، کیا 57 ممالک جو اسلام کے دعویدار ہیں، اس گستاخ رسول کو امریکہ میں گھس کر واصل جہنم نہیں کر سکتے، لیکن کیا کیا جائے، یہ نفس کے غلام دولت کے پجاری اور حرص وہوس میں ڈوبے انسان، پتہ نہیں

کب ہمیں ہوش آئے گا، اکتوبر کے شمارے میں میرے خیال کے مطابق شان رسالتؐ کے حوالے سے زیادہ مضامین ہونے چاہئے تھے، تشنگی ہی رہی، بہر حال سارہ شمارہ اچھا تھا، ام محمد احمد کو اتنے عرصے بعد "حیا" میں (ٹک) کر بیٹھا دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، (جی آیاں نوں) آمنہ بنت طفیل کی تحریر تو اچھی تھی، لیکن لکھنے کا انداز ذرا ٹھیک نہ تھا، اگر یہودی مصنوعات صفحے کے ایک طرف اور پاکستانی مصنوعات صفحے کے دوسری طرف لکھی جاتی تو عام قارئین کو بھی پڑھنے میں آسانی ہوتی، دوسرا یہ کہ قریشی انڈسٹریز اور شیزان کے بارے میں کہنا تھا کہ یہ قادیانیوں کی ہیں، پھر یہ کیوں شائع کی گئی، آپ ذرا اس بارے میں غور کیجئے گا، کیونکہ ہماری معلومات کا واحد ذریعہ "حیا" ہی ہے، ایک بات اور یہ کہ اکثر قاریات بہنیں "گدھے کے سر سے سینگ" والا جملہ "حیا" کی کسی کہانی یا مضمون کے بارے میں لکھتی ہیں، گستاخی معاف، معذرت خواہ ہوں کہ جس رسالے میں آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور اتنا دینی مواد ہو، ہم اسے گدھے سے مشابہت دیں یا موازنہ کریں، بری بات ہے، میری سمجھ میں جو آیا وہ میں نے لکھ دیا، اگر برا لگا ہو تو یہ دیکھیں ہم نے اپنے کان پکڑے ہیں، معاف کرنے والے اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ راحت آنٹی! بھئی آپ سعودیہ سے نہیں آئی کیا ابھی تک۔ "فداک ابی وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اکثر غیر حاضر رہتی ہے، ہم جرمانہ بھی لگا دیں گے اور سزا بھی دیں، لیکن اگر آپ باقاعدگی سے آئیں گی، تو ہماری عدالت آپ کو باعزت بری کر دے گی، ویسے ہمیں خط لکھنے کی عادت سی ہو گئی ہے، چین نہیں آتا لکھے بغیر، چلیں اب ہم واپس چلتے ہیں، دوسرے کمرے میں ان ویلپ ڈھونڈنے، مل گیا تو کام ہو گیا۔

بنت محمد الیاس صاحبہ، سب سے پہلے تو آپ کو بھائی بہن کی نسبت طے ہونے پر ادارہ حیا کی طرف سے مبارکباد۔ بالوں سے متعلق شریعت کا حکم یہ ہے کہ تھوڑے سے بال عورت کٹوا سکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں...... قریشی انڈسٹریز اور شیزان یہ دونوں کمپنیاں قادیانیوں کی ہے، ان کے استعمال سے بھی احتیاط ضروری ہے، توجہ دلانے کا شکریہ۔

☆......☆......☆

ہانی بنت خلیل احمد، میرپور خاص سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے آپ خیر وعافیت سے ہوں گی، تمام اسٹاف سے اللہ رب العزت دین کا کام یوں ہی لیتا رہے اور دارین کی کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین...... چار سال سے خاموش قاریہ ہوں، "حیا کی محفل" میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں، ماہنامہ "حیا" مجھے اور میری بہنوں کو بہت پسند ہے، ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے اور قسط وار کہانی ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہے، باجی جان مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے لیکن وقت کی وجہ، کبھی سستی کی وجہ سے لکھ نہیں پائی، لیکن اب ایک کہانی لکھ ہی لی جو اس خط کے ساتھ ارسال کر رہی ہوں، اگر قابل اشاعت ہو تو شائع کر دیجئے گا اور میری حوصلہ افزائی فرما دیجئے گا، اب اجازت چاہتی ہوں۔ آخر میں رسالہ کیلئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ "حیا" کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

ہانی صاحبہ، حیا کی محفل میں آپ کو خوش آمدید، آپ کی تحریر کی اشاعت کا فیصلہ اس کو پڑھنے کے بعد ہی کیا جائے گا، فی الحال میں آپ کی تحریر پڑھ نہیں سکی۔

زوجہ محمد اصغر نعمانی، ضلع لیہ سے لکھتی ہیں: محترمہ پیاری آپی جان، مہر افروز مہر صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! آپی جان کیا حال ہے؟ طبیعت کیسی رہتی ہے؟ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ دین کی خدمت کے لئے کوشاں

رکھے۔ آمین...... آپی جان اگست کا شمارہ قدرے جلدی مل گیا، الحمدللہ اور جلد ہی پڑھ لیا، صبا یونس کی کہانی ”تربیت یا غفلت“ کا اختتام بہت زبردست ہوا، صبا یونس صاحبہ کو میری طرف سے بہت بہت مبارک ہو، اللہ پاک ان کی عمر، رزق، ذہانت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین...... میں صبا یونس سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان کی تعلیم کیا ہے؟ ام حیات ہنگورا کی تحریر ”بے پردگی کا عذاب“ پڑھ کے دل بہت پریشان ہوا، خولہ بنت سلیمان کی تحریر ”تربیت اولاد“ سے بہت فائدہ ہوا، باقی تقریباً سبھی تحریریں اچھی تھیں، آپی جان میں نے ایک کہانی لکھی ہے، اس کے دو عنوان لکھے ہیں، جو آپ کو مناسب لے وہ آپ لکھ دیجئے گا، کہانی شائع کر کے جزاک اللہ کا موقع دیجئے گا، اگر کہانی ناقابل اشاعت ہوئی تب بھی آگاہ کریں، آپی جان میرے ایک چچا ”امیر“ ہیں، انہوں نے میری شادی کے موقع پر مجھے خط لکھا تھا جس میں نئی بننے والی دلہن بالخصوص عالمات کے لئے نصیحتیں کی گئی ہیں، اگر آپ کا مشورہ ہو تو وہ آپ کو بھجوادوں تاکہ شائع ہو سکے۔

زوجہ محمد اصغر صاحبہ، آپ کا سوال ”صبا یونس صاحبہ“ تک پہنچا دیا گیا ہے، جواب کی منتظر رہیے...... آپ یہ نصیحتیں بھجوادیں، اس کو پڑھنے کے بعد ہی اشاعت کا فیصلہ کیا جا سکے گا۔

☆......☆......☆

عشرہ صادق، رشید آباد ملتان سے لکھتی ہیں: محترمہ مکرمہ و مدیرہ صاحبہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! کیا حال ہے؟ امید ہے ٹھیک ہی ہوں گی اور ”حیا“ رسالے کے تمام قارئین بھی ٹھیک ہوں گے، ”حیا“ رسالہ ”ماں نمبر“ پڑھا، بہت ہی اچھا تھا، ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں کہ آپ نے اتنا اچھا رسالہ نکالا، میں بہت سالوں سے ”حیا“ رسالے کو پڑھتی آرہی ہوں اور بہت پسند بھی کرتی ہوں، لیکن ”حیا“ میں خط لکھنے کا اتفاق پہلی دفعہ ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی کئی چیزیں ارسال ہیں، پلیز شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں، اکتوبر کا رسالہ پڑھا، وہ بھی بہت اچھا تھا، ”رسول اعظمؐ“ نے تو ”حیا“ کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور ”انبیاء کے دیس میں“ پڑھ کر تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم ان ہی جگہوں پر گھوم رہے ہیں، ام محمد احمد بہت اچھا لکھتی ہیں، مریم غازی کی ”تیرے عشق کی انتہا چاہئے“ بہت اچھی جارہی ہے، ام حیات ہنگورا کی تو بات ہی اور ہے اور انہوں نے یہ سلسلہ بہت اچھا چلایا ہوا ہے، اس کے لئے میں ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور آخر میں عفرا احمد جو میری دوست ہیں، ان کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی، کیونکہ وہ بہت اچھی اچھی کہانیاں لکھتی ہیں، میری دعا ہے کہ وہ تا قیامت اسی طرح لکھتی رہیں اور ”حیا“ میں ان کا نام جگمگاتا رہے، اللہ تعالیٰ ان میں اور ہم سب میں لکھنے کی صلاحیت کو بڑھا دے۔ آمین

عشرہ بیٹا، ہم آپ کو حیا کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں، آئندہ بھی انتظار رہے گا۔

☆......☆......☆

ہادیہ حبیب الرحمان، باغ آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں: محترمہ مہر آپی جان، السلام علیکم! امید ہے خیریت سے ہوں گی، آپ تو بہت مصروف ہوتی ہوں گی اور آپ کی عید اور رمضان کیسا گزرا، مہر آپی آپ کا گھر کہاں ہے؟ اور مہر آپی ہم باغ آزاد کشمیر والے بہت خوش قسمت ہیں، بہت خوش تھے لیکن اب پریشان ہو گئے ہیں، ہائے وہ خوشی ہمیں پھر سے مل جائے، خوشی ہے ہمیں جی باغ میں حضرت مولانا طارق جمیل صاحب کے آنے کی، انہوں نے ہمارے باغ آزاد کشمیر میں آکر باغ کو واقعی باغ بنا دیا، انہوں نے ایک دن باغ کے بہت بڑے کالج میں مردوں میں بیان کیا، دوسرے دن عورتوں میں تھا، وہ میری خالہ کے گھر تھا، سب عورتیں صبح ہی پہنچ گئی، بعد میں پھر

انہیں بتایا گیا کہ بیان نہیں ہوگا، ان کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ باجی! مولانا طارق جمیل صاحب میرے فیورٹ ہیں، پلیز آپ ان کی اہلیہ کا انٹرویو ”حیا“ میں شامل کریں اور اس میں زیادہ تر سوالات و جوابات طارق جمیل صاحب کے بارے میں پوچھئے گا، آپ کو بہت پیار اور سلام، تمام قارئین کو بھی اور راحت آپی کو بھی۔

ہادیہ صاحبہ! آپ کی خواہش جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے، ان شاء اللہ

☆......☆......☆

طیبہ اکرم، بھنڈالی سے لکھتی ہیں: محترمہ مدیرہ ”حیا“ صاحبہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! تمام قارئین بہنوں اور لکھاری خواتین کو میری طرف سے بہت بہت خلوص بھرا اسلام، یوں پھر ایک بار ہم نے ”حیا کی محفل“ پر حملہ کر دیا، خیر اب ہم امریکہ تھوڑی ہیں جو بلاوجہ حملے کرتے پھریں، جو ہر کسی سے بلاوجہ ٹکر لیتے رہیں، یہ ہم امریکہ کو کہاں سے بلاوجہ لے آئے، خیر، ستمبر کا ”حیا“ ہمارے ہاتھوں میں ہے، خوبصورت پھولوں سے آراستہ ٹائٹل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، ارے بھئی ہونا بھی کیوں نہ چاہئے تھا اتنا پیارا پھول، ”فرمان الٰہی“ اور ”نور نبوت“ سے بہت سی معلومات حاصل ہوئی، ”آواز حیا“ پڑھا، واقعی چاہے کوئی ہو لیکن کوئی مقدس مہینوں کا بھی احترام نہیں کرتا، ہمارا ایمان کہیں کمزور نہ ہو جائے۔ ”دین پھیلانے میں عورت کی ذمہ داری“ بہت اچھا لگا، حقیقی کامیابی دین اسلام ہی میں مضمر ہے۔ ”نومسلم امریکی خاتون محترمہ ہاجرہ صاحبہ کا انٹرویو“ بہت اچھا لگا۔ ”رشتوں کی چاشنی، ایک زندگی ایک کہانی“ بہت زبردست تھی، واقعی کچھ لوگ اپنوں سے دور رہ کر خود کو تنہا سمجھ بیٹھتے ہیں، گھر میں لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو ٹوٹا ہوا محسوس کرتا ہے، ”ہم تمہیں اب بھی یاد کرتے ہیں“ پڑھ کر بہت افسوس ہوا اور ہماری آنکھوں سے بھی آنسو آنے لگے، ”آئی ہے عید کیسے کیسے“ بنت مولانا عبدالمجید نے ایک احساس دلانے والی تحریر لکھی، ”شوہر کیسے کیسے“ نے واقعی ہنسنے پر مجبور کر دیا اور ہم دس منٹ تک ہنستے رہے۔ اپنی تحریر دیکھ کر ”حیا“ میں بہت اچھا لگا، آپی مہر افروز، آپ کا بہت بہت شکریہ، مجھے یقین بھی نہیں آرہا تھا، میری تحریر ”حیا“ میں شامل ہو جائے گی، آپی ایک اور تحریر لکھ کر بھیج رہی ہوں، امید ہے شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گی، ”حیا“ میں تمام تحریریں بہت اچھی تھی، ایک اور خاص بات اب ”حیا“ کو میری کلاس کی لڑکیوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا، آپی، میری دوستیں اسماء شبیر، عذرا خلیل، شمائلہ اقبال، مائرہ، اقراء اور ثمرہ آپ کو سلام کہہ رہی ہیں اور دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ ”حیا“ کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ میری اور میری دوستوں کی کوشش ہے کہ ”حیا“ کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے، ہم دوستیں شیریں آنٹی کے لئے دعا گو ہیں، اللہ کرے ہماری آنٹی جلدی سے صحت یاب ہو جائیں، شیریں گل آنٹی کو ہماری طرف سے پرخلوص سلام اور آنٹی آپ سے گزارش ہے کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا، آخر میں ذکیہ خالد، عظمیٰ خالد، حافظہ حسام گوندل، فریدہ افتخار بھٹی آپ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں، آپ کی ”حیا کی محفل“ میں شدید کمی محسوس ہوتی ہے اور پورے رسالے میں بھی، آپ جلدی سے ”حیا کی محفل“ میں حاضر ہو جائیں، مسکان خان بھی غیر حاضر رہنے لگی ہیں، ارے مسکان بہن آپ تو ایسے غیر حاضر ہو گئی ہیں جیسے بچے اسکول سے، بھئی جلدی سے ”حیا کی محفل“ اور دوسرے سلسلوں میں حاضر ہو جائیں، ساجدہ بتول آپی آپ کیسے سست ہو سکتی ہیں، آپ تو چست رفتار قاریہ ہیں اور پھر ہر بار اتنا اچھا لکھتی ہیں، بس تعریف کے لئے بھی الفاظ کم پڑ جاتے ہیں، ساجدہ آپی آپ ہماری فیورٹ اور سب سے اچھی رائٹر ہیں، آپ کی تعریف کرتے کرتے کہیں لائٹ نہ چلی جائے، اس سے پہلے آپ ہمارے لئے کوئی اچھی سی تحریر لے کر حاضر ہو جائیں اور لوڈ شیڈنگ کی طرح آپ بھی غائب نہ ہو جانا، ساجدہ آپی اپنا

خیال رکھنا اور خاص دعاؤں میں یاد رکھنا، محترمہ مہر افروز آپی خط کافی لمبا ہو گیا ہے، اجازت دیجئے، اللہ حافظ، والسلام

طیبہ صاحبہ! آپ کی تمام دوستوں کو بھی میری طرف سے بہت بہت سلام۔ آپ کا پیغام تمام بہنوں تک پہنچا دیا ہے۔

☆.......☆.......☆

ام جویریہ، کراچی سے لکھتی ہیں: پیاری مہر آنٹی، السلام علیکم، امید ہے آپ سب بخیریت ہوں گے، میں اپنی کہانی کی مکمل دوسری قسط بھیج رہی ہوں، اشاعت کا موقع دے کر ہم سے دعاؤں کا قیمتی تحفہ لیجیے، آنٹی! میں نے ہر صفحہ پر صفحہ نمبر لکھ دیا ہے، لیکن ایک غلطی ترتیب میں ہو گئی ہے، صفحہ نمبر 15 کے پیچھے صفحہ نمبر 18 کا مواد آ گیا ہے، اگرچہ صفحہ نمبر 16 بھی موجود ہے اور باقی تمام صفحے صحیح ترتیب سے ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ دیکھ کر صحیح ترتیب سے کہانی لگائیے گا، بہت بہت شکریہ، اس کے علاوہ تحریر کا عنوان جو پہلے تجویز کیا تھا، مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا ہے، اگر آپ ''ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے'' کے عنوان سے شائع کر دیں تو مہربانی ہوگی۔

جی اچھا، ان شاء اللہ

☆.......☆.......☆

سعدیہ بلاول، سہاولپور سے لکھتی ہیں: السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ! امید ہے کہ آپ اتنے سارے قارئین وقاریات کی دعاؤں کی بدولت خیریت وعافیت سے ہوں گی اور لگتا ہے ذوالعقیدہ کا شمارہ تیار کر کے فارغ بیٹھے ہوں گی، مجھے بہت افسوس ہے کہ شوال کا شمارہ 28 شوال کو ملا، اب ذوالعقیدہ کا شمارہ بھی 28 یا 29 کو ہی ملے گا اور ہمیں اپنی تحریریں شمارے میں 28 ذوالحج کو ملیں گی، اتنا انتظار کرتے کرتے دوسروں کو دکھائی دینے کے قابل بھی نہیں رہیں گے، پہلے ہی اتنے کمزور سے ہیں، بہن کے بقول ہوا سے اڑ سکتی ہو، پلیز اتنا انتظار نہ کروایا کریں، اب میں صبح سے لکھنے بیٹھی ہوں، جب رسالہ پڑھوں اور خاص کر کوئی بڑا ناول تو اتنی حیرت ہوتی ہے کہ نہ جانے یہ سب کیسے اور کتنے وقت میں لکھا ہوگا۔ ''انبیاء کے دیس میں'' بنت حضرت مولانا عبدالمجید کا سفرنامہ بہت اچھا جا رہا ہے، مریم غازی تو ہر شمارے میں نظر آتی ہیں، ماشاء اللہ زور قلم اور۔ام حیات ہنگورا کی تحاریر بھی اچھا سبق سکھلاتی ہیں، آج کل تو ہر سلسلہ، رسالے میں اچھا لگ رہا ہے، خصوصاً ''باورچی خانہ'' کیونکہ آج کل ہم باورچی بنے ہوئے ہیں، یعنی کھانا پکانا سیکھ رہے ہیں، لکھنے والیوں سے گزارش ہے کہ ذرا ہلکا ہاتھ رکھا کریں، چیزیں کم استعمال کروایا کریں، لیکن ذائقہ زیادہ دیا کریں۔ اور ہاں ''روپ بہروپ'' پر نظر پڑی تو چونک پڑے وہ تو میری بہن کی تحریر تھی جو خواتین کا اسلام کے ایک خاص نمبر شمارے میں لگی تھی، ایسا کیوں کیا گیا؟ کیا یہ چوری نہیں، آخر میں ایک بات پوچھنی ہے، ہم نے ایک عدد ناول لکھا تھا، تقریباً دو ڈھائی سال پہلے ابھی مکمل نہیں ہوا، اگر شمارے میں جگہ ہو تو اپنا ناول تین ماہ تک مکمل کر کے بھیج دوں، کیونکہ شمارے میں قسط وار کہانیاں بہت ساری چل رہی ہیں، اسی لئے پوچھا، ورنہ بے دھڑک بھیج دیتے، مطلع صاف دیکھ کر لیکن ابر آلود ہے تو کوئی بات نہیں پھر سہی۔

سعدیہ بلال صاحبہ، رسالہ پسند کرنے کا شکریہ، ''روپ بہروپ'' کے بارے میں عرض ہے کہ یہ ہمیں تحریراً موصول ہوا تھا، ہمارے علم میں نہیں کہ یہ ''خواتین کا اسلام'' میں شائع ہوا ہے...... آپ اپنا ناول بھیج دیں، مطلع صاف دیکھ کر شائع کر دیں گے..............................☆☆